تفہیم المسالک

شرح

موطا امام مالکؒ

از کتاب الاشربة تا ماجاء فی الحجامة



شارح

مفتی محمد ذاکر حسین قاسمی

استاذ دار العلوم دیوبند

نام کتاب: ـــــــ تفہیم المسالک

شارح: ـــــــ مفتی محمد ذاکر حسین صاحب قاسمی

صفحات: ـــــــ ۲۹۲

قیمت: ـــــــ

تعداد: ـــــــ ۱۱۰۰

سن اشاعت: ـــــــ ۱۴۴۱ھ

کمپوزنگ: ـــــــ محمد معاذ شاکر پرولیاوی

برائے رابطہ موبائل:=8755325310

7906194189

ناشر

مکتبہ ضیاء دیوبند

ملنے کا پتے

(۱) دار المدرسین مکان نمبر: (۸) صغیر کالونی

نزد ڈگری کالج دیوبند ضلع سہارنپور (یوپی) 247554

(۲) دیوبند کے سبھی کتب خانوں میں دستیاب ہے۔

فہرست مضامین

دعائیہ کلمات

حضرت اقدس مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مدظلہ العالی

مہتمم دارالعلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

جناب مولانا مفتی محمد ذاکر حسین صاحب پرولیاوی استاذ دارالعلوم دیوبند کی کتاب "تفہیم المسالک شرح موطا امام مالکؒ" متعدد مقامات سے دیکھی۔ یہ شرح موطا امام مالکؒ کے ان ابواب کی تشریح وتوضیح پر مشتمل ہے جو دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث کے طلبہ کو درایۃً (تفہیم وتشریح کے ساتھ) پڑھائے جاتے ہیں؛ جب کہ بقیہ کتاب حسب گنجائش روایۃً مکمل کرائی جاتی ہے۔

مفتی محمد ذاکر حسین صاحب نے اس شرح میں متن حدیث کے قریب الفہم لفظی ترجمہ کے ساتھ، اعراب کی تشریح، حل لغات اور مشکل الفاظ کی تحقیق کا عام طور پر لحاظ رکھا ہے۔

مختلف فیہ مسائل میں ائمہ کرام کے مستدلات کی نشان دہی اور ترجیح راجح کا بھی اہتمام کیا ہے۔

مجموعی طور پر حل کتاب کے لیے لازمی مباحث کو شامل کتاب کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ یہ شرح طلبہ عزیز کے لیے نافع اور مفید ہوگی۔

اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائے اور مزید علمی کارناموں کی توفیق عطا فرمائے۔



(مفتی) ابوالقاسم نعمانی غفرلہ

مہتمم دارالعلوم دیوبند

۹/۸/۱۴۴۱ھ مطابق ۴/۴/۲۰۲۰ء

کلمات عالیہ

بحر العلوم حضرت اقدس
مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی مدظلہ العالی
استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید الانبیاء المرسلین۔ امابعد!

دورۂ حدیث شریف کے سال، دارالعلوم دیوبند اور اس کے نہج پر چلنے والے مدارس میں کتب ستہ کے علاوہ موطین، اور شرح معانی الآثار بھی پڑھانے کا معمول چلا آرہا ہے؛ لیکن ہر کتاب میں عموماً ابتداء میں سیر حاصل بحث ہوجاتی ہے، اور بعد کے ابواب میں بسا اوقات درایۃً تدریس کے بجائے، سرد روایات پر ہی اکتفا کرلیا جاتا ہے، اس لئے دارالعلوم کی مجلس تعلیمی نے صحیح بخاری، ترمذی، اور شمائل ترمذی، کے علاوہ دیگر کتابوں میں پڑھائے جانے والے ابواب کا انتخاب کرکے نصاب میں جزوی تبدیلی کی ہے۔

اس زمرے میں موطا امام مالک میں بھی کچھ مخصوص ابواب کا انتخاب عمل میں آیا ہے، اس لئے ضرورت تھی کہ ان ابواب کی الگ سے شرح کردی جائے، جس سے طلبہ کو آسانی ہوجائے؛ چونکہ اردو میں اس کی کوئی مستقل شرح دستیاب نہیں ہے، اس ضرورت کے پیش نظر مولانا محمد ذاکر حسین صاحب پرولیاوی نے ان ابواب کی شرح کی ہے اس میں مولانا نے

اعراب، ترجمہ، اور مشکل الفاظ کی تحقیق کا اہتمام کیا ہے، اس کے بعد حدیث کی شرح کی ہے، جس میں ائمہ کے اقوال ودلائل کو ذکر کر دیا ہے۔ میں نے جستہ جستہ اس کو دیکھا ہے، طلبہ کے علاوہ دیگر اہل علم حضرات کے لئے نافع ہوگی انشاء اللہ،

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور نافع بنائے، اور مزید علمی ودینی خدمات کی توفیق عطائے فرمائے آمین۔

(حضرت مولانا) نعمت اللہ غفرلہ

خادم التدریس دار العلوم دیوبند

۱۳ر شعبان ۱۴۴۱ھ

تقریظ

متکلم اسلام حضرت مولانا
مفتی محمد راشد صاحب اعظمی مدظلہ العالی
استاذ حدیث دارالعلوم دیو بند

نحمده ونصلي على رسوله الكريم. امابعد!

موطا امام مالکؒ حدیث پاک کی اہم کتابوں میں ہے، اپنی ابتدائے تصنیف سے لیکر آج تک بے حد مقبول مشہور اور بافیض ہے، ہر دور میں علمائے امت نے اس کی طرف بھرپور اعتنا فرمایا ہے، اس کی شروح وحواشی کی ایک لمبی فہرست ہے۔

درالعلوم دیو بند میں ابتداء ہی سے وہ دورۂ حدیث شریف کی نصاب میں رہی ہے، اب دارالعلوم دیو بند کی مجلس شوری نے طلبہ عزیز کے مصالح کے پیش نظر اس کا نصاب ابتداء کتاب کے بجائے ''کتاب الاشربہ سے کتاب الحجامہ'' تک مقرر کردیا ہے، جو کتاب کا تقریباً آخری حصہ ہے، مضامین اکثر وبیشتر نئے ہیں، بڑی بڑی شروحات عموماً طلبۂ کرام کے دسترس سے باہر ہے، بالخصوص اس خاص حصہ کی اردو میں باضابطہ کوئی شرح بھی نہیں ہے، اس ضرورت کا احساس کرتے ہوئے دارالعلوم دیو بند کے مؤقر اور مقبول استاذ جناب مولانا ذاکر حسین صاحب دامت برکاتہم نے موطا کے اس حصہ کی شرح اردو زبان میں تحریر فرمائی ہے، بندہ نے اس شرح کے ایک بڑے حصہ پر بغور نظر ڈالی ہے، بحمداللہ یہ شرح عمدہ مفید اور معتبر ہے، بے جا طوالت سے گریز کرتے ہوئے موصوف نے تمام ضروری مضامین بیان فرمادیے ہیں،

احادیث پاک کا صحیح ترجمہ اور واضح مطلب بیان کرنے کے ساتھ ائمہ کرام کی آراء اور ان کے مذاہب کو مدلل طریقہ سے بیان فرمایا ہے، ساتھ ساتھ احادیث شریفہ کی لغات کو بھی حل فرمادیا ہے، غرض کتاب ماشاء اللہ ہر پہلو سے جامع ہے، انشاء اللہ موطا کے طالبین اس شرح سے بھرپور مستفید ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ مولانا محترم کی اس عظیم خدمت کو شرف قبولیت سے سرفراز فرمائیں۔ آمین۔

(مفتی) محمد راشد اعظمی

۳ر شعبان ۱۴۴۱ھ

تمہیدی کلمات

حضرت اقدس مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی مدظلہ العالی

نائب مہتمم واستاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم. امابعد!

''موطا'' ان ابتدائی دواوین حدیث میں ہے جوحدیث وفقہ کو جامع اور صحاح ستہ سمیت دیگر کتبِ حدیث کی اصل اور تمہید ہے۔امام دارالہجرت مالک بن انس اصبحی نے عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور (م ۱۵۸ھ) کی فرمائش پر سالوں تک احادیث کے انتقا اور انتقاد کے بعد مرتب کیا اور اسے موطا نام دیا یعنی وہ راستہ جس کو لوگوں نے پے در پے چل کر اتنا ہموار کر دیا ہو کہ بعد میں آنے والوں کے لئے اس پر چلنا آسان ہوگیا ہو، اور اس کا ایک معنی موافقت کا ہے، چنانچہ ابن فہر نے خود امام مالک سے نقل کیا ہے کہ میں نے مدینہ منورہ کے ستر فقہاء کے سامنے یہ کتاب پیش کی سب نے میری موافقت کی اس لئے میں نے اس کا نام ہی موطا رکھ دیا۔

طبقات کتب حدیث میں موطا کا شمار طبقۂ اولی میں ہے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ''ماظهر علی الأرض کتاب بعد کتاب الله اصح من کتاب مالک، یعنی روئے زمین پر موطا سے بڑھکر اصح ترین کتاب نہیں ہے۔ (صحیح بخاری بعد میں وجود میں آئی)

ہر دور میں موطا کو خاص مرکزیت اور امہات کتب ستہ میں بلند مقام حاصل رہا ہے، جب کہ رزین بن معاویہ عبدری (م ۵۲۵ھ) التجرید للصحاح والسنن میں، اور حافظ ابن اثیر جزری (۶۰۶ھ) نے جامع الأصول میں صحاح ستہ میں سادسِ ستہ ''موطا'' کو ہی قرار دیا

ہے، البتہ محمد بن طاہر مقدسی اور بعد کے علماء نے روایات مرفوعہ کی کثرت کو دیکھتے ہوئے ابن ماجہ کو یہ درجہ دیا ہے۔

شاہ محدث دہلویؒ کے بہ قول موطا کے تیس سے زائد نسخے ہیں، ابو بکرؒ کے مطابق وہ اکسٹھ ۶۱ روایات جو بلاغات مالک سے معروف ہیں جس میں سند مذکور نہیں ہے۔

حافظ ابن عبدالبرؒ نے اپنی مستقل تصنیف میں لکھا ہے کہ یہ ساری روایات کسی نہ کسی طریق سے مسند ہیں، سوائے چار روایات کے، لیکن بعد میں حافظ ابن الصلاح اور دیگر محدثین نے ان کا اتصال بھی ذکر کیا ہے، جیسا کہ ابناسی کی ''الشذ الفیاح'' میں مذکور ہے۔

موطا کی انہی خصوصیات کے پیش نظر دورۂ حدیث شریف کے سال میں موطا کے دو نسخہ بروایت یحی بن یحی التمیمی (۲۲۶ھ) اور براویت محمد بن الحسن الشیبانی (۱۷۹ھ) داخل درس ہے، ہمارے دیار میں موطا مالک سے یحی بن یحی والی روایت ہی مراد ہوتی ہے جس کی مختلف اہل علم نے اپنے ذوق کے اعتبار سے متعدد شروح تحریر کی ہیں چنانچہ ابن عبدالبر مالکی کی التمہید اور الاستذکار موطا کی جامع، نہایت قابل قدر شرحیں ہیں، اس کے علاوہ ابوالولید باجی کی ''المنتقی''، سیوطی کی ''تنویر الحوالک'' زرقانی کی شرح موطا، شاہ ولی اللہ کی ''المسوی'' (عربی) ''المصفی'' (فارسی) اور شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلوی کی ''اوجز المسالک'' کو خاص مقام واعتبار حاصل ہے۔

اردو میں بھی کتاب پر تھوڑا بہت کام ہوا ہے؛ البتہ سال گزشتہ دارالعلوم دیوبند کی مجلس تعلیمی نے یہ طے کیا کہ موطا کے شروع کے ابواب پڑھائے جانے کے بجائے از کتاب الاشربہ تا کتاب الحجامہ، روایات ودرایت کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے پڑھایا جائے اور ظاہر ہے کہ اردو میں اس حصہ کی قابل ذکر شرح نہیں تھی، ہمارے دارالعلوم کے ہی قابل قدر اور مقبول استاذ جناب مفتی ذاکر حسین صاحب پرولیاوی نے طلباء کی ضرورت کا خیال کرتے ہوئے کمر ہمت کس لی اور اس حصہ کی شرح کا بیڑا اٹھالیا مولانا موصوف اس سے پہلے حدیث پاک کی امہات کتب پڑھا چکے ہیں اس لئے کامیابی کے ساتھ اس حصہ کی شرح سے عہدہ برآ

ہوئے ہیں مولانا نے درسی ضرورت کا مکمل خیال رکھا ہے؛ چنانچہ حدیث پاک پر اعراب کے ساتھ ترجمہ اور تشریح کرتے ہوئے فقہ الحدیث اور اقوال ائمہ پر گفتگو کی ہے۔

میں دل کی گہرائیوں سے مولانا موصوف کو اس علمی خدمت پر مبارک باد پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ پاک اس کو نافعیت اور قبولیت عطا کریں اور مزید علمی، دینی خدمات کی توفیق ارزانی کریں۔ آمین

خادم التدریس دار العلوم دیوبند
۱۴/۸/۱۴۴۱ھ

(مولانا) عبد الخالق مدراسی
نائب مہتمم دار العلوم دیوبند
۱۲/شعبان ۱۴۴۱ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امام دارالہجرت مالک بن انس اصبحیؒ

نام ونسب: آپ کا نام یہ ہے: امام دارالہجرت ابوعبداللہ مالک بن انس بن مالک بن ابوعامر نافع بن عمرو بن حارث بن عثمان (غیمان) بن جثیل بن عمرو بن حارث ذو اصبح، اصبحی حمیری مدنی رحمۃ اللہ علیہ آپ کا نسب یمن کے مشہور قبیلہ حمیر بن سبا سے ملتا ہے، جس کا تعلق یعرب بن قحطان سے ہے۔

پیدائش اور بچپن: امام صاحبؒ کی ولادت باسعادت (معتمد قول کے مطابق) ۹۳ھ میں علاقہ جرف کے ایک حصہ ذی مروہ میں ہوئی، بعض لوگوں نے ۹۰ھ، ۹۴ھ، اور ۹۵ھ کا بھی تذکرہ کیا ہے عام تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ آپ شکم مادر میں تین سال تک رہے، اور بعض نے دو سال بتایا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ سے عمر میں ۱۳ رسال بڑے ہیں، انہوں نے امام مالکؒ کے بچپن میں ان کو دیکھا تھا، اور ان کی پیشانی پر چمکتے علمی نور کو تاڑ لیا تھا، چنانچہ ایک مرتبہ لوگوں نے امام ابوحنیفہؒ سے پوچھا کہ مدینہ کے نوخیز لڑکوں کو آپ نے کیسا پایا؟ تو جواب دیا کہ اگر ان میں کوئی اونچا جائے گا تو مالک ہے، ان نجب منهم فالاشقر الازرق يعني مالكا'' اگر ان میں کوئی نجیب ہوگا تو سرخی مائل گورا مالک ہے، ایک روایت میں ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے کہا کہ میں نے مدینہ میں علم کو بکھرا ہوا دیکھا ہے اگر کوئی اس کو جمع کرے گا تو یہی لڑکا ہے، ابن غانم کہتے ہیں کہ بعد میں میں نے یہ بات امام مالکؒ کو سنائی تو انہوں نے کہا کہ ابوحنیفہؒ نے سچ کہا میں نے ان کو دیکھا ہے، وہ بڑی سمجھ بوجھ کے آدمی تھے، کاش وہ اپنے فقہ کی بنیاد

اصل یعنی اہل مدینہ کے اثر پر رکھتے۔

حلیہ اور لباس: امام دارالہجرت کا رنگ سفید سرخی لئے ہوئے تھا، قد لمبا، سر بڑا، آنکھیں بڑی بڑی، نہایت وجیہ اور حسین وشکیل تھے، داڑھی دراز، مونچھ مناسب، خضاب استعمال نہیں کرتے تھے، نہایت خوش پوش، خوش خور، عدن، مرو، اور طراز کے عمدہ کپڑے استعمال کرتے تھے، عام طور سے کپڑا اسفید ہوتا تھا، کبھی ہلکا زرد رنگ کا بھی ہوتا تھا، انگوٹھی میں سیاہ نگ ہوتا تھا، جس میں "**حسبنا اللہ نعم الوکیل**" کندہ تھا، عمدہ خوشبو اور عطریات استعمال کرتے تھے، عام طور سے خوشحالی کا اظہار کرتے تھے، تاکہ علمی شان میں حرف نہ آئے، اور جب کوئی اس بارے میں کچھ کہتا تھا، تو جواب دیتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کی تحدیث اور اس کا اظہار ہے۔

اخلاق واوصاف: امام مالکؒ ان تمام اوصاف جمیلہ اور اخلاق حمیدہ اور پاکیزہ سیرت کے جامع تھے جو صحابہ اور تابعین میں موجود تھے، اور جن کے حاملین کی ذات اسلامی تعلیمات کا اسوہ اور نمونہ تھی، آپ کی ذات میں سخاوت، شجاعت، صداقت، اور صالحیت کا جوہر نمایاں تھا، مدینہ منورہ میں سواری پر کبھی نہیں چلتے تھے، اور یوں کہتے تھے، جس سرزمین میں امام الانبیا فخر موجودات رسول اللہ ﷺ دفن ہیں، اور جس خاک کو آپ کے مقدس پاؤں نے روندا ہے اور آپ اس پر چلے پھرے ہیں، اس پر سواری کرنا خلاف ادب ہے، اس درجہ احترام وعشق تھا، اللہ اللہ!

امام شافعیؒ کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ امام صاحب کے دروازے پر عمدہ خراسانی گھوڑے اور مصری خچر دیکھے میں نے ان کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا یہ سب تم کو ہبہ کرتا ہوں، میں نے کہا کم از کم ایک رکھ لیں، تو فرمایا مجھے اللہ سے شرم محسوس ہوتی ہے، کہ اللہ کے رسول کی سرزمین کو چوپایہ کے پیر سے روندوں۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ منورہ کے باہر سواری کرتے تھے، ابوالسمح کا بیان ہے کہ میں نے امام صاحب کو ایک عمدہ خچر پر سوار دیکھا ہے، جس پر نہایت نفیس زین تھی، اس کے اوپر کپڑا تھا، خادم پیچھے پیچھے چل رہا تھا، بال بچوں اور گھروں والوں کے ساتھ

بہترین اخلاق سے پیش آتے تھے، اور کہا کرتے تھے اس میں تمہارے رب کی مرضی ہے، تمہارے مال میں زیادتی اور تمہاری عمر میں درازی ہے جیسا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کے بعض اصحاب کی روایت سے معلوم ہوا ہے، کثیر الصمت، قلیل الکلام تھے، کھل کر نہیں ہنستے تھے، بلکہ مسکراتے تھے، امامؒ کے پاس چار سو دینار تھے، اسی سے کاروبار کرتے تھے، اور اسی کی آمدنی سے تمام ضروریات زندگی پوری کرتے تھے، امام صاحبؒ عقل و فہم میں بچپن ہی سے مشہور تھے آپ کے ابتدائی استاذ ربیعۃ الرائی جب ان کو آتا ہوا دیکھتے تو کہتے کہ عاقل آ گیا، ابن مہدی کہتے ہیں کہ میں نے سفیان، شعبہ، مالک، اور ابن مبارک میں مالک کو سب سے زیادہ عقل مند پایا، میری آنکھوں نے ان سے زیادہ بارعب، عقل مند، متقی، اور عالی دماغ کسی کو نہیں دیکھا، ابن وہب کہتے ہیں، کہ ہم نے امام مالکؒ سے علم سے زیادہ ادب سیکھا ہے، خود امام صاحب کا قول ہے کہ میں کبھی کسی سفیہ اور گرے پڑے انسان کے ساتھ نہیں بیٹھتا ہوں، یحیی بن یحییٰ مصمودی اندلسی امام صاحب سے تحصیل علم کے بعد ایک سال ان کی خدمت میں رہ کر اسلامی آداب سیکھے، ان کا بیان ہے کہ میں نے امام مالکؒ کے عادات و شمائل سیکھنے کے لئے قیام کیا؛ کیوں کہ یہ صحابہ اور تابعین کے اخلاق و شمائل ہیں، اسی لئے امام صاحب کو عاقل کہا جاتا ہے۔

آپ کے اساتذہ وشیوخ: امام مالکؒ نے جن اساتذہ وشیوخ سے علم حاصل کیا ہے، ان کی تعداد بہت زیادہ ہے، جن میں اجلہ تابعین مشہور فقہاء و محدثین ہیں، علامہ زرقانی نے فرمایا کہ نو سو (۹۰۰) سے زیادہ امام مالکؒ کے اساتذہ ہیں، چند حضرات کے نام یہ ہیں: (۱) ربیعۃ الرائی، (۲) نافع مولی ابن عمر، (۳) محمد بن مسلم بن شہاب زہری، (۴) عامر بن عبداللہ بن زبیر، (۵) نعیم بن عبداللہ المجمر، (۶) زید بن اسلم (۷) حمید الطویل (۸) سعید المقبری، (۹) ایوب سختیانی، (۱۰) ابو حازم سلمہ بن دینار وغیرہم۔ غافقی نے ۹۵/ نام شمار کرائے ہیں، جن کو تہذیب التہذیب یا تذکرۃ الحفاظ وغیرہ مطولات میں دیکھا جا سکتا ہے۔

امام کا طریقۂ درس: آپ کا طریقہ درس یہ ہوتا تھا، کہ امام صاحب کے کاتب خاص حبیب حدیث پڑھتے تھے، اور تمام شرکاء درس خاموشی سے سنتے تھے، کوئی شخص

آپ کے رعب اور شان وشوکت کی وجہ سے نہ اپنی کتاب میں دیکھتا تھا نہ ہی سوال کرتا تھا، اگر حبیب کوئی غلطی کرتے تو امام صاحب تصحیح کردیتے تھے، جب دروازہ پر طلبہ کا ہجوم ہوجاتا تو اندر بلانے کا حکم فرماتے تھے، پہلے خاص طلبہ پھر عام طلبہ کو بلاتے تھے، کبھی کبھی امام صاحب خود بھی اپنی کتاب طلبہ کے سامنے پڑھا کرتے تھے، یحی بن بکیر کہتے ہیں کہ میں نے چودہ مرتبہ امام صاحب سے ان کی کتاب موطا سنی ہے۔

آپ کی تصانیف: امام دارالہجرت کے زمانہ میں حدیث وفقہ کی تدوین کا سلسلہ جاری ہوگیا تھا، ۱۴۰ھ اور ۱۵۰ھ کے درمیان عالم اسلام کے بڑے شہروں میں علمائے اسلام نے فقہی ترتیب وتبویب پر کتابیں لکھیں، اس کے تقریباً تیس سال بعد امام صاحب کی ۱۷۹ھ میں وفات ہوئی، اس مدت میں بہت سے علماء نے کتابیں مدون ومرتب کیں، جن میں امام دارالہجرت نمایاں مقام رکھتے ہیں، آپ کی تصانیف میں موطا، سنگ میل کا حکم رکھتی ہے، قاضی عیاض نے امام صاحب کی تصانیف میں ان کتابوں کی نشان دہی کی ہے، (۱) کتاب الموطا، (۲) رسالۃ الی ابن وہب فی القدر (۳) کتاب النجوم وحساب مدار الزمان ومنازل القمر (۴) رسالۃ مالک فی الاقضیۃ (۵) رسالۃ الی ابی غسان محمد بن مطرف فی الفتوی (۶) رسالۃ الی ہارون الرشید المشہورۃ فی الآداب والمواعظ (۷) التفسیر لغریب القرآن (۸) کتاب السر (۹) رسالۃ الی اللیث فی اجماع اہل المدینہ۔

موطا امام مالکؒ: موطا کے بارے میں امام شافعی کا قول ہے "ما فی الارض کتاب من العلم اکثر صوابا من موطا مالک" روئے زمین پر موطا سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں ہے، کہا جاتا ہے کہ اس کتاب کو امام صاحب نے خلیفہ ہارون رشید کی گزارش پر لکھا ہے، عتیق زبیری کا بیان ہے کہ امام صاحب نے تقریباً دس ہزار احادیث سے منتخب کرکے موطا کو مرتب کیا ہے، اور سال بہ سال اس کی تحقیق وتنقیح کرتے رہے، اس طرح اس میں کمی ہوتی رہی، اسی لئے یحی بن سعید قطان کا قول ہے کہ لوگوں کا علم بڑھتا ہے مگر مالک کا علم کم ہوتا ہے اگر وہ کچھ اور زندہ رہتے تو ختم ہوجاتا، سلیمان بن بلال کہتے ہیں: کہ ابتداء میں موطا میں چار ہزار یا اس سے زائد حدیثیں تھیں، مگر انتقال کے وقت ایک ہزار

سے کچھ اوپر رہ گئی تھیں، مشرق و مغرب کے بے شمار اہل علم نے موطا کی روایت امام صاحب سے کی ہے، اور بہت سے راویوں نے بعد میں روایت کی اس لئے موطا کے بہت سے نسخے ہیں اور ان میں اختلاف پایا جاتا ہے، قاضی عیاض نے اس کے ایسے نسخوں کی تعداد تقریبا بیس بتائی ہے اور بعض علماء نے تیس کہا ہے ان میں کئی روایوں نے امام صاحب سے موطا روایت کر کے اس میں حذف واضافہ کیا ہے، اور اپنی دوسری مرویات کو داخل کر کے مستقل کتاب کی شکل دی، جیسے موطا امام محمد جو درحقیقت امام مالک کی موطا ہے، مگر ایک مستقل کتاب بن گئی ہے۔

موطا کی وجہ تسمیہ: امام مالک نے اپنی اس شاہ کار تصنیف کو موطا سے موسوم کیا ہے، اس کی دو وجہ بیان کی گئی ہے (۱) موطا توطئہ سے اسم مفعول کا صیغہ بمعنی نرم کرنا، آسان کرنا، اب موطا کے معنی ہوئے نرم کیا ہوا آسان کیا ہوا، ابو ابراہیم اصفہانی نے امام حاکم سے پوچھا موطا کیوں نام رکھا انہوں نے جواب دیا کہ امام مالک نے اس کتاب کو لکھ کر شریعت پر عمل آسان کر دیا ہے (۲) توطئہ تفعیل سے ہے اور مفاعلہ کے معنی میں ہے اب موطا کے معنی ہوں گے موافقت کیا ہوا، جس کی سب نے موافقت کی، یہ امام مالکؒ کی خود بیان کردہ وجہ تسمیہ ہے؛ چنانچہ فرماتے ہیں کہ میں نے موطا کو ستر فقہائے مدینہ کے سامنے پیش کیا تو سب نے موافقت کی، لہذا میں نے اس کا نام موطا رکھا، آپ سے پہلے کسی نے اپنی کتاب کا نام موطا نہیں رکھا ہے۔

وفات: امام صاحب زندگی کے آخری سالوں میں تقریبا گوشہ نشیں ہو گئے تھے، حتی کہ جمعہ و جماعت کے لیے بھی باہر نہیں آتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ہر شخص کھل کر اپنا عذر بیان نہیں کر سکتا ہے، ایک روایت میں ہے کہ آپ نے آخر میں بتایا کہ مجھے سلس البول کا مرض ہو گیا ہے میں اس حالت میں مسجد نبوی جانا نہیں چاہتا کہ اس سے رسول اللہ ﷺ کی تعظیم وتکریم میں فرق آئے۔ تقریباً بائیس دن بیمار رہے ۱۴ ربیع الاول ۱۷۹ھ کو شنبہ کے دن علم کا یہ آفتاب ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔

ابن کنانہ اور ابن زبیر نے غسل دیا صاحبزادہ یحی اور کاتب حبیب پانی ڈالتے تھے،

وصیت کے مطابق سفید کپڑے کا کفن دیا گیا اور امیر مدینہ عبدالعزیز بن محمد بن ابراہیم نے نماز جنازہ پڑھائی، اور سپرد خاک کردئے گئے، یہاں حضرت شیخ الہندؒ کا وہ شعر یاد آتا ہے۔

مٹی میں کیا سمجھ کے دباتے ہو دوستو!
گنجینہ علوم ہے یہ گنج وزر نہیں

امام صاحب کی وفات عالم اسلام کا حادثہ فاجعہ تھی، علماء نے تعزیتی کلمات کہے، آپ کی بلندیٔ درجات کے خواب دیکھے گئے، اسد بن خرات کا بیان ہے کہ ہم لوگ بغداد میں امام محمد بن حسن شیبانی کے حلقہ درس میں تھے ایک شخص افتاں وخیزاں ان کے پاس آیا اس کے بعد امام محمدؒ نے انا للہ الخ پڑھا اور کہا **مصيبة ما اعظمها مات مالك بن انس مات امير المومنين في الحديث** اور جہاں جہاں آپ کی وفات کی خبر پہنچی وہاں وہاں صف ماتم بچھ گئی۔

فقط

محمد ذاکر
خادم تدریس دار العلوم دیوبند
۱۳ / شعبان المعظم

(حرف اول)

دین وشریعت کے بنیادی سرچشموں میں قرآن کریم کے بعد حدیثِ نبوی کا درجہ آتا ہے، بلکہ خود قرآن کریم کی مراد سمجھنے اور اسکے معانی تک رسائی کے لیے جا بہ جا حدیثِ نبوی سے استفادہ کی ضرورت پیش آتی ہے کیوں کہ قرآن کریم کی طرح حدیث بھی وحی الٰہی ہے، ارشاد باری ہے ''وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی''

ع گفتۂ او گفتہ اللہ بود گر چہ از حلقوم عبداللہ بود

اسی لئے خیر القرون کے زمانہ سے لیکر آج تک ہر زمانہ میں اللہ کے برگزیدہ منتخب بندے حدیث پاک کی خدمت کا مبارک فریضہ انجام دیتے رہے، اور ارشاد نبوی '' نضر اللہ امرأ سمع منا حدیثا فحفظه حتی یبلغه الخ'' (ابوداؤد) کا مصداق بنتے رہے۔

مدارس اسلامیہ کی موجودہ شکل وجود میں آئی تو انکے درس نظامی میں حدیث پاک کو خصوصی درجہ دیا گیا اور اسلاف کی خدمت حدیث کا خلاصہ، یعنی صحاح ستہ کو مدارس کے نصاب میں شامل کیا گیا۔

مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے دورہ حدیث کے نصاب میں صحاح ستہ کی تدریس کا نظام کچھ اس طرح رکھا گیا ہے کہ بعض اہم کتب تو مکمل درایۃ پڑھائی جائیں باقی کتب کے مخصوص ابواب درایۃ پڑھا دیئے جائیں۔

مؤطا امام مالک بھی اسی زمرے میں شامل ہے کہ اب تک اس کتاب کا، کتاب الطہارۃ

ہی درایۃً پڑھایا جاتا تھا لیکن گزشتہ دنوں ارباب حل وعقد کے مشورہ سے یہ طے پایا کہ دیگر کتابوں کے ساتھ مؤطا امام مالک کے نصاب میں بھی ترمیم کی جائے اور از کتاب الاشربہ تا باب اجرۃ الحجام درایۃ نصاب کا حصہ بنایا جائے۔

اس نئی ترتیب کے روبہ عمل ہونے کے بعد دورہ حدیث کے طلبہ کو اس کتاب کے نئے ابواب سے متعلق توجیہات وتشریحات کو محفوظ کرنے میں دشواری کا سامنا کرنا پڑا اس صورت حال کے پیش نظر یہ خیال ہوا کہ مؤطا امام مالک کے ان ابواب کی اپنے پیش رو اکابر اور شراح حدیث سے استفادہ کر کے ایک مختصر اور آسان سی تشریح کر دی جائے جو طلبہ کی ضرورت کے لیے کافی ہو؛ کیوں کہ تفصیل کے خواہاں حضرات کے لیے مطولات موجود ہیں۔

احادیث کی تدریسی خدمت انجام دینے کا بندے کو بھی موقع ملا ہے طلبہ کے مزاج سے ایک گونہ مناسبت بھی ہے اور انہی کے مزاج کے مطابق اس شرح کو مرتب کیا گیا ہے، ارادہ تو مکمل کتاب کی تشریح کا ہے مگر سر دست داخل نصاب حصہ ہی منظر عام پر لانے کی کوشش کی ہے تا کہ طلبہ کی ضرورت کی تکمیل ہو جائے اور باقی حصہ بعد میں مکمل کر دیا جائے۔

ہر حدیث کے مکمل اعراب، قریب الفہم لفظی ترجمہ، مشکل الفاظ کی وضاحت اور آسان الفاظ میں حدیث کی بقدر کفایت تشریح کے علاوہ حدیث میں اگر کوئی اہم جملہ وارد ہوا ہے تو اسکی الگ سے وضاحت کر دی گئی ہے، یا کسی لفظ کے اندر ایک سے زائد احتمالات ہیں تو ہر ایک کو ذکر کر کے پھر ہر صورت میں جو مطلب عبارت کا ہو، اسے بھی واضح کر دیا ہے۔

شرح کو اختصار کے ساتھ آسان سے آسان اور جامع ومانع بنانے کی اپنی وسعت بھر پوری کوشش کی ہے، پھر بھی خطا ونسیان سے برائت کا دعوی نہیں، اہل علم اگر کوئی خطا پائیں تو ضرور متنبہ فرمائیں، بندہ ان کا شکر گزار رہوگا۔

اس عظیم خدمت کا حق تو بھلا کیا ادا ہو سکتا ہے اور وہ بھی مجھ جیسے بے بضاعت سے؛ البتہ رب غفور وشکور کی بارگاہ میں اتنی تمنا ضرور ہے کہ اس حقیر سی کوشش کو قبول فرما کر خدام حدیث کے زمرہ میں میرا بھی حشر فرمائیں۔ **وما ذلك على الله بعزيز.**

اخیر میں مولوی محمد اعجاز سلمہ متعلم دورۂ حدیث دار العلوم دیوبند کا شکریہ ادا کرنا ضروری

ہے جنہوں نے مسودات کو صاف کرنے نیز وقتاً فوقتاً دلائل جمع کرنے میں اپنے اسباق کی پابندی کے ساتھ قابل قدر تعاون کیا اللہ تعالیٰ ان کو خوب خوب جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

محمد ذاکر حسین پرولیاوی
دارالعلوم دیوبند
۲۱؍رجب المرجب ۱۴۴۱ھ

کتاب الاشربه

اَشْرِبَۃٌ: شراب کی جمع ہے جیسا کہ اَطْعِمَۃٌ طعام کی جمع ہے۔

شــــراب: عربی میں مشروب (پی جانے والی) چیز کو کہتے ہیں خواہ حلال ہو یا حرام مگر یہاں حرام مشروب مراد ہے کیوں کہ یہاں امام مالکؒ نے حرام مشروب کے احکام وحدود کو بیان کیا ہے اور باب کی ساری احادیث اسی سے متعلق ہیں، اور حلال مشروب کے احکام وآداب آئندہ کتاب الجامع الخ۔ میں ذکر کیے ہیں۔ اس اعتبار سے کتاب الاشربہ کی ماقبل سے مناسبت یہ ہے کہ ماقبل میں حدود کا تذکرہ ہے، یعنی ان چیزوں کا کہ جو حد کا سبب بنتی ہیں اور شراب کے پینے پر بھی حد جاری کی جاتی ہے لہٰذا شراب کا پینا بھی حد کا سبب بنا۔ ہندی اور مصری نسخوں میں یہی ترتیب ہے برخلاف دیگر نسخوں کے کہ ان میں کتاب الصید والجہاد کے درمیان کتاب الاشربہ کو ذکر کیا ہے۔

شراب کی حرمت عینِ تقاضۂ فطرت اور عینِ مصلحت ہے:

اللہ تعالیٰ نے شراب کو یک لخت حرام قرار نہیں دیا بلکہ تدریجاً، آہستہ آہستہ اسکو حرام قرار دیا ہے،

واقعہ اس طرح ہے کہ عرب میں شراب کا رواج زوروں پر تھا، اہلِ عرب کی گھٹی میں شراب پلائی گئی تھی، اس کے بغیر ایک لمحہ بھی انکی زندگی مشکل تھی، لیکن انسان کی انسانیت جس عقل وفہم پر موقوف ہے شراب اسی عقل کو زائل کر کے انسان کی انسانیت کو زائل کر دیتی ہے۔

جب انسان شراب پی کر مخمور یعنی نشے میں چور ہو جاتا ہے تو آپے سے باہر ہو کر دیوانے کی طرح جسکے ساتھ چاہتا ہے گالی گلوچ اور غیر فطری حرکت کرتا رہتا ہے، اسلئے فطرت کا تقاضا یہی تھا کہ اسکو حرام قرار دیا جائے تاکہ انسان، انسان رہے۔ مگر دفعتاً چھڑانا

اور یکدم حرام قرار دینا بھی مصلحت کے خلاف تھا اسلئے اللہ تعالیٰ نے اپنے حکیمانہ اسلوب سے آہستہ آہستہ حرام قرار دیا۔

چنانچہ بقول علامہ بغویؒ شراب کے متعلق چار آیتیں نازل ہوئیں: (۱) وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا۔ یہ آیت مکی ہے اور شراب مکے میں حرام نہ ہوئی تھی۔ مکی دور میں لوگ شراب بے تکلف پیتے تھے تاہم اس مکی آیت میں سکرا کے بعد ورزقا حسنا فرما کر متنبہ فرمادیا کہ جو چیز آئندہ حرام ہونے والی ہے اس پر رزق حسن کا اطلاق موزوں نہیں۔ (تفسیر مظہری ص ۲۱۰۔ فوائد عثمانی)

جس کی بنیاد پر دوسری آیت نازل ہوئی: (۲) يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا اِثْمٌ كَبِيرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ.

مذکورہ آیت کے شانِ نزول کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ حضرت عمر و حضرت معاذ اور کچھ انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ آپ ہمیں شراب اور جوے کے بارے میں کوئی حتمی بات بتایئے؟

یہ شراب تو ہماری عقل زائل کر دیتی ہے اور مال کو بھی برباد کر دیتی ہے تب اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی جسمیں شراب کو اثم کبیر کہا گیا، کچھ حضرات نے اسی بنا پر شراب کو اسی وقت چھوڑ دیا اور کچھ حضرات ومنافع للناس کی وجہ سے پیتے رہے۔

(۳) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُو لَاتَقْرَبُوْ الصَّلٰوةَ وَأَنْتُمْ سُكَارىٰ.

حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے چند صحابہ کرام کی دعوت کی، اور کھانے کے بعد شراب کا دور چلا، اور شراب پی کر مست ہوگئے، اسی حالت میں مغرب کا وقت آگیا، اور انہی میں سے ایک امام بنے اور قل یا أیها الکافرون لا اعبد ما تعبدون. الخ کو بحذف لا پڑھا جس سے معنیٰ ومفہوم یکسر بدل گئے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے شراب کو نماز کے اوقات میں حرام فرمادیا۔ مگر کچھ حضرات دیگر اوقات میں پیتے رہے۔

(۴) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوْ اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ . الخ مذکورہ آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ عتبان بن مالکؓ نے بھی ایک دعوت کا اہتمام کیا اور کچھ صحابہ کرام کو مدعو کیا جن میں

سعد بن ابی وقاصؓ بھی تھے، انکے لئے اونٹ کا سر بھونا گیا، کھانے کے بعد شراب نوشی کا دور چلا، اور مست ہوکر اپنے اور اپنی قوم کے فخریہ اشعار گانے لگے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے بھی وہ قصیدہ پڑھا جسمیں اپنی قوم کے فخر اور انصار کی ہجو کو بیان کیا تو ایک انصاری صحابیؓ نے اونٹ کا جبڑا اٹھا کر سعد بن ابی وقاصؓ کے سر پر دے مارا تب حضرت سعدؓ نے حضور ﷺ کی خدمت میں شکایت کی اور کہا: اَللّٰھُمَّ بَیِّنْ لَنَا فِی الْخَمْرِ بَیَاناًشَافِیاً. اس وقت سورہ مائدہ کی مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ اسی وقت لوگوں نے شراب کے مٹکے توڑ ڈالے اور خمر ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی (تفسیرِ مظہری ج،۱،ص ۲۹۵۔ مطبوعہ زکریہ دیوبند)

شراب کی حقیقت اور اسکے مختلف نام واحکام

(۱) الخمر (۲) نقیع التمر (۳) نقیع الزبیب (۴) الطلا (۵) الفضیخ (۶) الباذق (۷) المنصّف (۸) المثلث (۹) الجمهوری (۱۰) الخليطان (۱۱) المزر (۱۲) الجعة (۱۳) البتع.

الخمر: هو اسم للنی من ماء العنب اذا غلاو اشتدّو قذف بالزبد.
یعنی انگور کا کچا پانی جب وہ جوش مارے اور تیز ہوکر جھاگ پھینکنے لگے۔

نقيع التمر: هواسم للنی من ماء الرطب اذا غلا واشتدّوقذف بالزبدأولم يقذف على الاختلاف، یعنی تر کھجور کا کچا پانی جب اس میں تیزی اور اشتداد پیدا ہو جائے خواہ جھاگ پھینکے یا نہ پھینکے علی الاختلاف۔ (امام صاحب کے نزدیک جھاگ آنا ضروری ہے اور صاحبین کے نزدیک جھاگ آنا ضروری نہیں)

نقيع الزبيب: هو اسم للنی من ماء الزبيب المنقوع في الماء حتیٰ خرجت حلاوتهٔ اليه و اشتدّ.
پانی میں ڈالی ہوئی کشمش کا کچا پانی جب میٹھا ہوکر اس میں تیزی آجائے۔

الطّلا: هو اسم للمطبوخ من ماء العنب اذا ذهب اقلّ من الثلثين وصار مسكراً.
انگور کا شیرہ جب اس کو پکایا جائے یہاں تک کہ دو تہائی سے کم جل جائے اور نشہ آور ہو جائے۔

الفضیخ: هو اسم للنی من ماء البسر المنضوخ وهو المدقوق اذا اغلا.
کوٹی ہوئی گدری کھجور کا کچا پانی جب اس میں تیزی آجائے (اور جھاگ پھینکنے لگے)

الباذق: هو المطبوخ ادنیٰ طبخةمن ماء العنب.
انگور کا پانی جس کو ہلکا پکایا گیا ہو۔

المُنصّف: هو المطبوخ من ماء العنب اذا ذهب نصفه وبقی النصف.
انگور کا پکایا ہوا وہ شیرہ جسکا پکانے کے بعد نصف باقی رہے۔

المثلث: هو المطبوخ من ماء العنب حتّٰی ذهب ثلثاهُ وبقی معتقاً.
انگور کے شیرہ کو اتنا پکانا جس کا دوتہائی جل گیا ہو۔

الجمهوری: هو المثلث يصب الماء بعد ما ذهب ثلثاهُ بالطبخ قدر الذاهب وهو الثلثان ثمّ يطبخ ادنیٰ طبخة.
جمہوری وہ مثلث ہی ہے مگر دونوں میں فرق یہ ہے کہ انگور کا شیرہ پکانے کی وجہ سے جب دوثلث ختم ہوجائے تو دوثلث کے بقدر پانی ملاکر ہلکا پکا دیا جائے، یہ جمہوری ہے۔

الخليطان: فهما التمر والزبيب أوالبسر والرطب اذا خلطا ونبذا حتّٰی غليا واشتدا.
خرما اور کشمش یا گدر اور تر کھجور کو ملاکر پانی میں ڈالنا تا آنکہ اس میں تیزی اور جھاگ آجائے۔

المزر: اسم لنبيذ الذرة اذا صار مسكِراً.
جوار کو پانی میں ڈالنا تا آنکہ سکر آجائے۔

الجعة: هو اسم لنبيذ الحنطة والشعير اذا صار مسكِراً.
گیہوں اور جو کو پانی میں ڈالنا تا آنکہ نشہ آجائے۔

البتع: هو اسم لنبيذ العسل اذا صار مسكِراً.
شہد کو پانی میں ڈالنا تا آنکہ سکر آجائے۔ (بدائع الصنائع. ج۴. ص. ۲۸۶)

خمر کا حکم

(۱) نفسِ خمر حرام ہے خواہ ایک قطرہ ہی ہو چونکہ اس کی حرمت قطعی ہے۔

(۲) اس کا حلال سمجھنے والا کافر ہے چونکہ اس نے دلیلِ قطعی کا انکار کیا ہے۔

(۳) خمر نجاستِ غلیظہ ہے جیسا کہ پیشاب و پاخانہ، اس سے ہر طرح کا انتفاع حرام ہے۔

(۴) خمر مسلمان کے حق میں مالِ متقوِّم نہیں ہے لہٰذا اس کے متلف و غاصب پر ضمان لازم نہیں آئیگا۔

(۵) اس کی بیع و شراء حرام ہے۔

(٦) اس کو سرکہ بنا کر استعمال کرنا درست ہے۔

نقیع التمر، نقیع الزبیب اور طلا کا حکم

(۱) ان کا قلیل و کثیر حرام ہے۔

(۲) ان کی خمریت ظنّی ہے لہٰذا اتنی مقدار پینے سے کہ جس سے نشہ نہ ہو حد نہیں لگائی جائیگی۔

(۳) یہ تینوں اشربہ نجس ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت نجاستِ خفیفہ اور دوسری روایت نجاستِ غلیظہ کی ہے۔ متاخرین احناف نے نجاستِ غلیظہ کو ترجیح دی ہے۔

(۴) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ان کی بیع و شراء جائز ہے اور صاحبین کے نزدیک ناجائز ہے۔

(۵) ان کا حلال سمجھنے والا فاسق ہے کافر نہیں ہے۔ (اوجز المسالک ج۔٦ ص۔٨٦ قدیم نسخہ)

باقی اشربہ کا حکم

(۱) ان کا قلیل و کثیر حرام ہے۔

(۲) ان کی خمریت ظنّی ہونے کی بناء پر قلیل (جو حدّ سکر کو نہ پہنچے) پینے پر حدّ شرعی نہیں آئیگی۔

(۳) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ نجس نہیں ہیں۔

(۴) ان کا حلال سمجھنے والا کافر نہیں ہے چونکہ ان کی حرمت خبرِ واحد سے ثابت ہے اور یہ ظنّی ہے۔ (اوجز المسالک ج۔٦ ص۔٨٦ قدیم نسخہ)

باب ما جاء فی حدّالخمر

حد: حاء کے فتح کے ساتھ جمع حدود، حد لغت میں آڑ اور رکاوٹ کو کہتے ہیں جو دو چیزوں کو ملنے سے روکے، اور حدودِ شرعیہ کو حد اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا مرتکب دوبارہ اس جیسا کام کرنے اور دوسرے اس کی راہ چلنے سے رک جاتے ہیں۔

اور اصطلاحِ شریعت میں: ھو العقوبۃ المقدّرۃ حقاً للہ تعالیٰ۔ یعنی حد ان سزاؤں کو کہتے ہیں جو شارع کی جانب سے مقرر شدہ ہوں اور اس کا اجراء بطورِ حق اللہ کے ہوتا ہو۔ (ہدایہ ص۴۸۶)

(۱) مَالِکٌ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنِ السَّائِبِ ابْنِ يَزِيْدَ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّ عُمَرَابْنَ الْخَطَّابِ خَرَجَ عَلَيْهِمْ فَقَالَ: اِنِّیْ وَجَدْتُ مِنْ فُلَانٍ رِيْحَ شَرَابٍ فَزَعَمَ أَنَّهُ شَرِبَ الطِّلَاءَ وَاَنَا سَائِلٌ عَمَّا شَرِبَ؟ فَاِنْ كَانَ يُسْكِرُ جَلَدْتُهُ الْحَدَّ، فَجَلَدَهُ عُمَرُ الْحَدَّ تَامّاً.

ترجمہ: حضرت امام مالکؒ سے مروی ہے، وہ روایت کرتے ہیں ابن شہاب زہری سے، ابن شہاب سائب بن یزید سے، انہوں نے ابن شہاب کو بتلایا کہ حضرت عمر بن خطابؓ لوگوں کے پاس آئے اور فرمانے لگے: میں نے فلاں کے منہ سے شراب کی بو پائی ہے، وہ کہتا ہے کہ یہ طلاء ہے۔ (شراب کی ایک قسم ہے) اور میں معلوم کر رہا ہوں کہ اس نے کتنی مقدار میں پی ہے، پھر اگر یہ شراب مسکر ہوئی تو میں اس کو حد ماروں گا، تو حضرت عمرؓ نے اس کو کامل حد لگائی۔

لغات: جلد۔ (ض) جلداً بالسیاط۔ کوڑے مارنا، یسکر: (افعال) اسکرہ الشراب۔ مست کر دینا، مدہوش کر دینا۔

الطلاء: انگور کا رس جس کو پکانے کی وجہ سے دو تہائی سے کم جل جائے۔ اور شراب سے بھی کنایہ کیا جاتا ہے۔

شرح حدیث: وجدت من فلانٍ: فلاں سے مراد عبید اللہ بن عمرؓ ہیں۔

ریح شراب: لفظِ شراب باعتبارِ لغت ہر مشروب و مسکر پر بولا جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے شراب کی بو محسوس کی مگر پتہ نہ لگ سکا کہ یہ بو مسکر کی ہے یا غیر مسکر کی، اگر پتہ لگ جاتا یا پہچان لیتے تو سوال کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

فزعم: أی ابنهٗ وهو عبیدالله بن عمرؓ.

أنا سائل عما شرب: اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عمرؓ کو اس بات کا یقین نہیں تھا جو عبید اللہ کہہ رہے تھے۔ یعنی أنهٗ شرب الطلاء، اور نہ ہی اس بات کا کوئی ثبوت تھا کہ یہ بو مسکر کی ہے یا نہیں۔

اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ انہوں نے پوچھنا چاہا ہو کہ کیا پیا ہے اور طلاء کو نہ جانتے ہوں! اسی لئے امام ابو حنیفہؒ اور جمہور اس کے ترجمہ میں اختلاف کرتے ہیں، اس لئے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک طلاء میں قدر مسکر پر ہی حد واجب ہوگی، اور جمہور کے یہاں محض پینے پر حد واجب ہوگی۔

مذاہب ائمہ مع دلائل

کیا شراب کی بو سے حد جاری ہوگی

شراب کی بو کی وجہ سے حد کے وجوب میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ کے نزدیک فقط شراب کی بو کی وجہ سے حد لگائی جائیگی. اور امام ابو حنیفہؒ امام شافعی اور سفیان ثوریؒ اور اکثر اہلِ علم کے نزدیک محض بو کی وجہ سے حد واجب نہیں ہوگی۔

فریقِ اول کی دلیل: (۱) فریقِ اول کی ایک دلیل یہی مذکورہ حدیث ہے کہ حضرت عمرؓ نے بو کی وجہ سے حد جاری کرنے کا حکم دیا، اور حضرت عمرؓ ان لوگوں میں سے ہیں

جن کے فیصلوں کی شہرت دور دراز تک تھی اور کسی نے مخالفت نہیں کی ،جس سے ثابت ہوا کہ یہ حکم بالاجماع ہے۔

(۲) بوئے شراب شراب پینے پر دلالت کرتی ہے جس سے حد جاری ہوگی۔

فریقِ ثانی کی دلیل: (۱) فریق ثانی کا مستدل بھی یہی حدیث ہے، وہ اس طرح کہ حضرت عمرؓ کو اس بو میں اشتباہ تھا کہ آیا یہ شراب کی بو ہے یا دوسری چیز کی (مثلاً سیب کا عرق وغیرہ) یا اس نے اتنی مقدار میں پی ہے جس سے حد لازم آئے؟ جب دونوں احتمال ہیں اور اشتباہ ہے تو استدلال درست نہیں ہے۔ لأنّ الحدود تندرئ بالشبهات.

(۲) حضرت عمرؓ نے محض بو کی بنا پر حد نہیں لگائی اس لئے کہ اگر بو سے حد واجب ہوتی تو آپ سوال نہ کرتے بلکہ فوراً حد لگاتے۔

فریقِ اول کے دلائل کا جواب: (۱) ہوسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ حد اقرار کی وجہ سے لگائی ہو، محض بو کی بنا پر نہ لگائی ہو، لہٰذا اس کو استدلال میں پیش کرنا درست نہیں ہے۔

(۲) دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ بو اس بات کا احتمال رکھتی ہے کہ اس نے شراب سے مضمضہ کیا ہو، یا اس کو پانی سمجھا ہو پھر منہ میں ڈال کر کلی کی ہو یا اس نے غیر مسکر خیال کیا ہو یا وہ مکرہ ہو یا اس نے سیب کا رس پیا ہو (اس لئے کہ سیب کے رس کی بو شراب کی بو جیسی ہوتی ہے) لہٰذا محض شراب پر دلالت کرنے کے کوئی معنیٰ نہیں ہیں؛ بلکہ محتمل ہے، و اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔ (اوجز المسالک ص ۸۹ ج:٦ قدیم نسخہ)

نوٹ: شراب کی بو ختم ہو جانے کے بعد اگر شاربِ خمر اقرار کرے یا کوئی اس کے خلاف گواہی دے، تو شیخین کے نزدیک اس پر حد جاری نہیں ہوگی، برخلاف امام محمدؒ کے، کہ اس پر حد واجب ہوگی۔

(۲). عَنْ ثَوْرِبْنِ زَيْدِالدِّيْلِيْ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِؓ اِسْتَشَارَ فِي الْخَمْرِ يَشْرَبُهَا الرَّجُلُ فَقَالَ لَهُ عَلِيُّ بْنُ أَبِيْ طَالِبٍ: نَرىٰ أَنْ تَجْلِدَهُ

ثَمَانِيْنَ، فَإِنَّهُ إِذَاشَرِبَ سَكِرَ وَإِذَاسَكِرَ هَذٰى وَإِذَا هَذٰى اِفْتَرٰى. أَوْ كَمَا قَالَ. فَجَلَدَ عُمَرُ فِي الْحَدِّ ثَمَانِيْنَ.

ترجمہ: ثور بن زید الدیلی سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے خمر کے سلسلے میں مشورہ کیا جس کو آدمی پیتا ہے، تو حضرت علیؓ نے ان سے کہا کہ ہماری رائے ہے کہ آپؓ اس کو اسّی ۸۰ کوڑے لگائیں اس لئے کہ جب یہ شراب پیئے گا تو نشہ میں مست ہوگا، اور جب نشہ میں مست ہوگا تو بکواس کرے گا اور جب بکواس کرے گا تو بہتان باندھے گا (اور بہتان کی سزا اسّی کوڑے ہیں) یا جیسا کہ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ تو حضرت عمرؓ نے خمر کی حد میں اسّی کوڑے لگائے۔

لغات: اِسْتَشَارَ: (استفعال) مشورہ طلب کرنا۔ سَكِرَ: (س) سَكْرًا مست ہونا۔ هَذٰى: (ض) هذياً. هذياناً. بکواس کرنا. نامعقول باتیں کرنا۔

شرح حدیث: حضرت خالد بن ولیدؓ نے حضرت عمرؓ کو ان کے زمانۂ خلافت میں ایک خط لکھا کہ لوگوں کو شراب سے غیر معمولی شغف ہوگیا ہے، آپ اس کی حد کے سلسلے میں کوئی حتمی فیصلہ صادر فرمائیں۔ اور چونکہ نبی اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں اس کی حد کی کوئی مقدار متعین نہ تھی، تو حضرت عمرؓ نے صحابہ کرام سے اس سلسلے میں مشورہ کیا، جس میں حضرت علیؓ حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ بھی تھے تو حضرت علیؓ نے یہ مشورہ دیا جو حدیث میں مذکور ہے۔ (اوجز المسالک)

فقہاء کے مذاہب ودلائل

شارب خمر کی حد کی مقدار کے سلسلے میں فقہاء کے مابین اختلاف ہوا ہے۔ چنانچہ امام شافعیؒ کی مشہور روایت، امام احمدؒ کی ایک روایت، ابوثور اور داؤد ظاہری کے نزدیک شارب خمر کی حد چالیس کوڑے ہیں۔

اور جمہور ائمہ کے نزدیک شارب خمر کی حد اسّی کوڑے ہیں۔

امام شافعیؒ کی دلیل: (۱) روىٰ انس اتى النبيّ ﷺ برجل قد

شرب الخمر فجلدهٗ بجریدتین نحواً من اربعین. (۲) فعلهٗ ابوبکرؓ ای جلدهٗ ابوبکر اربعین. یعنی حضور ﷺ وابوبکرؓ کے زمانے میں عمل اربعین پر ہی تھا۔

دلائل جمہور: (۱) اجماع الصحابة فی زمن عمرؓ علی الثمانین فی حد الخمر ولامخالف لهم یعنی ثمانین کے متعلق اجماع صحابہ ایک نمبر کی دلیل ہے۔

(۲) حدیث مذکور جمہور کی دلیل ہے کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں سے مشورہ کیا تو حضرت علیؓ نے فرمایا: کہ میری رائے یہ ہے کہ آپ اس کو اسی کوڑے لگائیں۔

(۳) وفی البخاری من روایة عبیدالله بن عدی ان علیاً جلدهٗ ثمانین.

(۴) وقال علیؓ: فی قلیل الخمر وکثیرها ثمانون جلدةً.

(۵) اخرجهٗ الطبرانی فی الکبیر عن بن عمرؓ مرفوعاًمن شرب نصفة من خمر فاجلدوهٗ ثمانین. (اوجز المسالک۔ مرقات۔ باب حد الخمر)

امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب: (۱) امام شافعیؒ کی پیش کردہ دلیل کا جواب یہ ہے کہ آپ نے جس روایت کو دلیل میں پیش کیا ہے وہ کئی طرح سے مروی ہے مثلاً اس طرح بھی ہے: روی أنهٗ جلدهٗ بسوط لهٗ رأسان فضربهٗ برأسه اربعین. اب اگر دو، سرے والے سوط سے چالیس مرتبہ مارا جائے تو مجموعہ اسّی ہوگا۔

(۲) **دوسری دلیل کا جواب:** حضور ﷺ وابوبکرؓ کے زمانے میں اربعین پر عمل تھا، کما فی روایة مسلمٍ: عن انس فلمّا کان عمرؓ ودنا النّاس من الریف قال عمرؓ ما ترون فی جلد الخمر (الحدیث) رواهُ مسلم.

یعنی حضرت عمرؓ کے زمانے میں ملکِ شام، مصر، عراق اور ایران وغیرہ میں فتوحات کی کثرت سے جب عیش وعشرت میں مبتلا ہوکر شربِ خمر کی کثرت ہونے لگی تو بروایتِ مسلم حضرت عمرؓ نے حدّ خمر میں شدّت پیدا کرنے کے لئے صحابۂ کرام کے ساتھ مشورہ کیا تھا جس کے متعلق ابوعمروؒ نے کہا کہ: اجماع الصحابة فی زمن عمرؓ علی الثمانین فی حد الخمر ولا مخالف لهم. اب اس سے واضح ہوگیا ہے کہ شربِ خمر کی اصل حد تو

اربعین ہی ہے مگر حضرت عمرؓ کے زمانے میں ثمانین پر صحابہ کرام کا اجماع ہوگیا۔ اسی اجماع کی وجہ سے حضرت عمرؓ کے زمانے سے اب تک ثمانین ہی اصل ہوگیا۔ چنانچہ صاحب ہدایہؒ نے بھی تعیین ثمانین میں اجماع صحابہ ہی کو بطورِ حجت پیش کیا ہے۔

امام شافعیؒ جو اربعین کے قائل ہیں ان کے نزدیک بھی یہ حکم ہے کہ: **لو کان رأى الامام أن يجلدهٗ ثمانين جاز على الاصحِ.** اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اربعین کو ایسا حدفاصل نہیں مانتے کہ زیادتی جائز نہ ہو۔

کیا حدِ خمر میں کوڑا مارنا ہی متعیّن ہے؟

پھر اس بات میں اختلاف ہے کہ حد خمر کی سزا کوڑے کے ذریعہ ہی دی جائیگی یا ہاتھ چپل وغیرہ (اطرافِ ثوب) کے ذریعہ بھی دی جاسکتی ہے۔

تو بعض حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ ہاتھ، اطرافِ ثوب وغیرہ سے سزا دی جائیگی، بعض نے امام یعنی امیر المؤمنین کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے۔

جو حضرات ہاتھ، اطرافِ ثوب وغیرہ سے سزا کے قائل ہیں انھوں نے دلیل میں حضرت ابوھریرہؓ کی روایت پیش کی ہے۔ **روىٰ ابو هريرةؓ أن النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم اتى برجلٍ قد شرب فقال: اضربوهُ قال: فمنّا الضارب بيده، والضارب بنعله، والضارب بثوبه.**

احناف فرماتے ہیں کہ کوڑے ہی لگائے جائینگے، دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلدٌ کا لفظ استعمال فرمایا۔ چنانچہ فرمایا: **أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: اذا شرب فاجلدوهُ** اور جلد کے اطلاق سے ضرب بالسوط ہی مفہوم ہوتا ہے۔

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح زانی کو جلد یعنی کوڑے لگانے کا حکم دیا ہے اسی طرح شاربِ خمر کے لئے بھی کوڑے کا حکم دیا ہے۔ نیز خلفائے راشدین اور ان کے مابعد والوں نے بھی کوڑے ہی سے حد جاری کی ہے، لہٰذا جلد پر اجماع ہوگیا۔

فریقِ اوّل کا جواب: حضرت ابو ہریرہؓ والی روایت کا جواب یہ ہے کہ یہ صورت شروع مرحلے میں تھی مگر جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کوڑے لگائے تو یہ سزا مستقل

ہوگئی اور یہی چلی آرہی ہے۔

نوٹ: نشہ والے آدمی پر نشہ زائل ہونے کے بعد ہی باجماع ائمہ اربعہ حد جاری کی جائیگی، کیونکہ حد جاری کرنے کا مقصد اس کو اس سے باز رکھنا ہے، اور بحالتِ سکر حد لگانے سے وہ فائدہ حاصل نہ ہوگا۔

(۳). مَالِكٌ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ اَنَّهُ سُئِلَ عَنْ حَدِّالْعَبْدِفِي الْخَمْرِ فَقَالَ بَلَغَنِيْ أَنَّ عَلَيْهِ نِصْفَ حَدِّ الْحُرِّ فِي الْخَمْرِ وَأَنَّ عُمَرَبْنَ الْخَطَّابِ وَعُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ وَعَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ قَدْ جَلَدُوْاعَبِيْدَهُمْ نِصْفَ حَدِّ الْحُرِّ فِي الْخَمْرِ.

ترجمہ: حضرت امام مالکؒ ابن شہاب زہریؒ سے روایت کرتے ہیں کہ ان سے شراب میں غلام کی حد کے بارے میں پوچھا گیا تو ابن شہاب زہری نے کہا: کہ مجھے (سلف سے) یہ بات پہنچی ہے کہ خمر میں غلام پر آزاد آدمی کی حد کا آدھا ہے، اور حضرت عمر بن خطابؓ، عثمان بن عفان اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے اپنے غلاموں کو آزاد کی آدھی حد لگائی۔

کیا آقا اپنے غلام پر حد جاری کرسکتا ہے؟

اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے اور اس میں تین فریق ہیں:

(۱) امام شافعیؒ کے نزدیک آقا اپنے غلام پر مطلقاً حد جاری کرسکتا ہے خواہ حدِ زنا ہو یا حدِ سرقہ، یا حدِ قذف یا حد شرب خمر ہو۔

(۲) امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک آقا قطعِ ید اور قتل کے علاوہ باقی حدود جاری کرسکتا ہے۔

(۳) امام اعظمؒ کے نزدیک آقا اپنے غلام پر مطلقاً کسی قسم کی حد جاری نہیں کرسکتا ہے، بلکہ حد جاری کرنے کے لئے حاکم وقت یا اس کے نائب کا ہونا ضروری ہے۔

ائمہ ثلاثہؒ کے مابین اگرچہ جزوی اختلاف ہے مگر اس بات پر وہ متفق ہیں کہ حاکمِ وقت کے علاوہ آقا بھی اپنے غلام پر حد جاری کرسکتا ہے۔

دلیل: حدیث باب ان حضرات کا مستدل ہے کہ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ اور

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے اپنے غلاموں پر حد جاری کی ہے۔

دلیل امام اعظمؒ: (۱) امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے: کان ابو عبداللہ رجل من الصحابة يقول: الزكاة والحدود والفئ والجمعة الى السلطان. رواه الطحاوى.

مذکورہ چاروں معاملے حکام کے سپرد ہیں تا کہ انتظام سلطنت میں خلل نہ آئے۔

(۲) عقلی دلیل یہ ہے کہ حدود حقوق اللہ میں سے ہیں لہٰذا ان کے اجراء کا حق خلیفۃ اللہ کو ہوگا جیسا کہ آزاد کی حد کے سلسلے میں۔ (اعلاء السنن ج ۱۱ص ۵۵۱۔)

جواب أئمہ ثلاثہ: حدیث مذکور اور اس قسم کی جتنی احادیث ہیں جو بظاہر آقا کے اپنے غلام پر حد جاری کرنے پر دال ہیں، ان میں مخاطب حاکم وقت یا ان کا نائب ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ وغیرہ نے آپ ﷺ کے زمانے میں آپ ﷺ کے حکم کی بناء پر حد جاری کی۔ اور نبی ﷺ کا فرمان: أقيموا الحدود. الخ وغیرہ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حدیں قائم کراؤ یعنی اس کے جرم کی اطلاع کرو، اور شرعی شہادت کے ذریعہ اس جرم کو ثابت کرو۔ (اوجز المسالک)

شرح حدیث: اگر غلام شراب پی لے تو اس کو نصف حد لگائی جائیگی یعنی احناف کے نزدیک ۴۰ کوڑے ہیں. اور امام شافعیؒ کے نزدیک بیس کوڑے لگائے جائیں گے۔ تفصیل ماقبل میں گزر گئی۔

بلاغات مؤطا: قولہٗ: بلغني: مؤطا میں امام مالک نے لفظ "بلغ" سے (چار کے علاوہ) جتنی بھی روایات نقل کی ہیں، وہ تمام مسند کے درجہ میں ہیں، چنانچہ سفیان (ابن عیینہ) سے منقول ہے کہ امام مالک جب کوئی روایت لفظ "بلغني" سے بیان کریں تو سمجھ لو اس کی سند مضبوط ہے، اور ابن عبد البرؒ کے قول کے مطابق مسند کے درجہ میں ہوتی ہے۔ (مقدمہ اوجز المسالک ص: ۲۷)

(۴) مَالِكٌ عَنْ يَحْيَىٰ بْنِ سَعِيْدٍ أَنَّهُ سَمِعَ سَعِيْدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُوْلُ: مَامِنْ شَيْئٍ اَلَّا اللّٰهُ يُحِبُّ اَنْ يُّعْفٰي عَنْهُ مَا لَمْ يَكُنْ حَدًّا.

ترجمہ: امام مالکؒ سے مروی ہے وہ یحیٰی ابن سعید سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے سعید ابن مسیّب کو فرماتے ہوئے سنا کہ: کوئی گناہ نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ اس کو معاف کرنا پسند کرتا ہے جب تک حد نہ ہو۔

شرح حدیث: حضرت سعید ابن مسیّبؒ جلیل القدر اور مشہور تابعی ہیں، ان کے اس قول کے دو مطلب ہیں۔

(۱) حدود کا معاملہ جب امام وقت یا اس کے نائب تک پہنچ جائے تو اب ان کے لئے حد معاف کرنا یا پردہ پوشی کرنا جائز نہیں۔

(۲) بعض حدود وہ ہیں کہ اگر ان کا معاملہ حاکم یا اس کے نائب تک پہنچ جائے تو صاحب حق بھی معاف نہیں کرسکتا جیسے حد قذف۔ لہٰذا خلاصہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ غفار وستار ہے، معافی وستاری کو پسند کرتا ہے، مگر حد کا معاملہ جب حاکم یا نائب تک پہنچ جائے تو اس کا معاف کردینا پسندیدہ نہیں ہے۔

(۵) قَالَ مَالِكٌ: وَالسُّنَّةُ عِنْدَنَا أَنَّ كُلَّ مَنْ شَرِبَ شَرَابًا مُسْكِرًا فَسَكِرَ اَوْ لَمْ يَسْكَرْ فَقَدْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْحَدُّ.

ترجمہ: امام مالکؒ نے فرمایا: کہ ہمارے یہاں حکم یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو نشہ آور شراب پیئے، خواہ اس کو نشہ آئے یا نہ آئے تو اس پر حد واجب ہوگی۔

نوٹ: اس عبارت کی تشریح آئندہ باب تحریم الخمر کے تحت تفصیل سے آئیگی۔ ان شاءاللہ۔

باب ما یکرہ أن ینبذا جمیعاً

جن دو چیزوں کو ملا کر نبیذ بنانا مکروہ ہے

نبیذ: یعنی کھجور کشمش یا شہد وغیرہ کو پانی میں ڈال کر چھوڑ دینا تا آنکہ اس میں مٹھاس آجائے۔

عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍؓ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهىٰ أَنْ يُّنْبَذَ الْبُسْرُ

وَالرُّطَبُ جَمِيْعًا وَالتَّمَرُ وَالزَّبِيْبُ جَمِيْعًا.

ترجمہ: عطاء بن یسارؒ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے گدری اور پختہ کھجور کو، خرما اور کشمش کو ملا کر نبیذ بنانے سے منع فرمایا۔

عَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ الْاَنْصَارِيِّ ؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى أَنْ يُّشْرَبَ التَّمْرُ وَالزَّبِيْبُ جَمِيْعًا وَالزَّهْوُ وَالرُّطَبُ جَمِيْعًا.

ترجمہ: ابو قتادہ انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا خرما اور کشمش کو، گدری اور پختہ تازہ کھجور کو ملا کر (نبیذ) پینے سے۔

کھجور کے مختلف اسماء وانواع:

بسر: یعنی گدری کھجور جس کا کچھ حصہ پک گیا ہو اور کچھ باقی ہو۔ **رطب:** وہ کھجور جو پوری پک جائے۔ **تمر:** جو رطب بن جانے کے بعد خشک ہو جائے۔ **زھو:** (بسر ملوّن) وہ بسر جس پر رنگ آنا شروع ہو جائے۔

مسائل و مذاہب:

دو چیزوں کو باہم ملا کر نبیذ بنانا اور اس کو پینا جمہورؒ کے نزدیک ناجائز ہے۔ خواہ مسکر ہو یا نہ ہو، کیونکہ حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ پس اگر وہ غیر مسکر ہے تو اس کی حرمت صرف نہی کی وجہ سے ہے۔ اور اگر مسکر ہو تو اس کی حرمت دو وجہ سے ہے، یعنی نہی اور سکر کی وجہ سے، اور امام اعظمؒ کے نزدیک اگر نشہ نہ آئے تو ملا کر نبیذ بنانا اور پینا جائز ہے۔ ورنہ حرام ہے۔ دلیل یہ ہے کہ نہی جو وارد ہوئی ہے وہ بطور احتیاط کے تھی، اور غالبًا یہ حکم بھی آپ ﷺ نے اس زمانہ نے میں دیا تھا جب شراب کی حرمت کا قطعی حکم نازل ہو چکا تھا، اور آپ ﷺ امت کی تربیت کے لئے سخت احکام نافذ کر رہے تھے، جس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان شراب کے ادنیٰ شبہ سے بھی نفرت کرنے لگیں، لیکن جب یہ مقصد حاصل ہو گیا تو پھر وہ سخت احکام واپس لے لئے گئے۔

چنانچہ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے: عن عائشة ؓ أن رسول الله ﷺ كان ينبذ لهٗ زبيب فيلقي فيه تمر أو تمر فيلقىٰ فيه زبيب. (رواہ ابو داؤد)

باب في الخليطين)

ابوداؤدشریف کی اورایک روایت میں ہے:عن صفية بنت عطية قالت: دخلتُ مع نسوة من عبد قيس على عائشه فسألناها عن التمر والزبيب فقالت : كنتُ اٰخذ قبضة من تمر وقبضة من زبيب فسألقيه في اناء .فأمرسه ثم أسقيهُ النبي صلى الله عليه وسلم .

خلاصہ یہ ہے کہ ممانعت کاحکم سدًّا للذرائع دیا گیا تھا.بعد میں وہ حکم منسوخ ہوگیا، اورامام مالکؒ نے مؤطا میں جو حدیث نقل کی ہے۔وہ حدیث فقروفاقہ کے زمانے کی ہے جب تنگی تھی،اور یہ نہی عسرت وتنگی پرمحمول ہے کہ مالداروں کوآپ نے دونعمتوں کوجمع کرنے سے منع فرمایا تھا،اوران کے لئے یہ اخلاقی حکم دیا گیا کہ وہ ایک کھائیں اور دوسری نعمت اپنے پڑوسی کودے دیں تاکہ ان کاپڑوسی بھی شکم سیرہوجائے۔

كذا رُوي عن ابراهيم النخعيؒ قال:الزيلعي في نصب الراية :روي محمد في كتاب الأثار اخبرنا ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم قال:لا بأس بنبيذ خليط التمر والزبيب وانما كرها لشدةالعيش في الزمن الأوّل كما كره السمن واللحم وكما كره الأقران فلمّا اذا وسع على المسلمين فلا بأس به.

وأخرج ابن عدى في الكامل عن أمّ سليم وابى طلحة: كان يشربان نبيذالزبيب والبسر يخلطانه فقيل لهُ:يا ابا طلحة!انَّ رسول الله صلى الله عليه وسلم نهىٰ عن هٰذا .قال:انما نهىٰ عن الغوز في ذٰلك الزمان .

یعنی یہ نفی ایک زمانے کے ساتھ خاص تھی،جب قلت تھی،عسرت تھی۔

شیخ المشائخ حضرت گنگوہیؒ الکوکب الدری میں فرماتے ہیں: کہ نبیذ بنانے کے سلسلے میں ممانعت ایسی ہی ہے جیسا کہ برتنوں میں نبیذ بنانے کے سلسلے میں تھی یعنی ابتداء ممنوع تھی پھرجب وسعت پیداہوگئی تو مباح ہوگئی۔تفصیل اوجزالمسالک میں ملاحظہ ہو۔

(اوجزالمسالک قدیم نسخہ ص۹۴،۹۵ مکتبہ یحیوی.کتاب الأشربۃ.)

ما ينهى أن ينتبذ فيه

یہ باب ہے ان برتنوں کے بیان میں جن میں نبیذ بنانے سے منع کیا گیا ہے

(۱) مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ خَطَبَ النَّاسَ فِي بَعْضِ مَغَازِيْهِ قَالَ عَبْدُاللّٰهُ بْنُ عُمَرَ: فَأَقْبَلْتُ نَحْوَهُ فَانْصَرَفَ قَبْلَ أَنْ أَبْلُغَهُ فَسَأَلْتُ مَاذَا قَالَ. قَالَ: فَقِيْلَ لِيْ: نَهٰى أَنْ يُّنْبَذَ فِي الدُّبَّاءِ وَالْمُزَفَّتِ.

ترجمہ: حضرت امام مالکؒ عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو کسی ایک غزوہ میں خطبہ دیا، عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں اس جانب چلا تو میرے وہاں پہنچنے سے پہلے آپ ﷺ (خطبہ سے) فارغ ہو گئے میں نے پوچھا آپ ﷺ نے کیا کہا؟ تو عبداللہ نے کہا: کہ مجھ سے کہا گیا: کہ آپ ﷺ نے منع فرمایا کدو کے تونبے اور تارکول سے لیپے ہوئے برتن میں نبیذ بنانے سے۔ (بعض مغازی سے مراد غزوۂ تبوک ہے)

حنتم اور مزفت وغیرہ میں ممانعت کی علّت:

جیسا کہ ماقبل میں گذرا کہ عربوں کی شراب سے وابستگی غیر معمولی تھی، اور اسلام نے انسانی فطرت وجذبات کے پیش نظر بتدریج اس کو حرام قرار دیا، تو جب اس کی قطعی حرمت نازل ہوگئی تو حرمتِ خمر کو دلوں میں راسخ کرنے کے لئے جہاں بھی خمریت کا ادنیٰ شبہ ہوتا وہاں اس سے دور رہنے کے لئے کہا گیا، حتّٰی کہ ان برتنوں سے بھی جن میں وہ لوگ شراب

پیتے تھے یا نبیذ بنانے سے نشہ کا احتمال تھا جیسے کدّو کا تونبا یا تارکول سے لیپا ہوا برتن، چونکہ ان میں سکر جلدی سرایت کر جاتا ہے، اور ہوسکتا ہے پینے والا اس کو نبیذ سمجھ کر پیئے، اور حقیقت میں اس میں نشہ آگیا ہو تو آپ ﷺ نے ابتداءً شراب سے نفرت پیدا کرنے کے لئے ان برتنوں کو بھی ستعمال کرنے سے منع فرمادیا تھا لیکن جب پوری حقیقت واضح ہوگئی تو ان برتنوں کو استعمال کرنے کی اجازت دے دی گئی. اور منع کی روایت منسوخ ہوگئی۔

اختلاف و دلائل:

(۱) امام مالکؒ اور امام احمدؒ ممانعت کی عدم تنسیخ کے قائل ہیں، اور اب بھی ان برتنوں کے استعمال کرنے کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔

اور امام مالکؒ کا دوسرا قول یہ ہے کہ صرف دبّا اور مزفت میں حرمت باقی ہے، غالبًا یہی وجہ ہے کہ اس باب میں ایسی دو حدیثیں لائے ہیں جن میں انہی دو برتنوں کا ذکر ہے. اور حدیث باب ان کا متدل ہے. نیز حدیث وفد عبدالقیس بھی ان کا متدل ہے۔

(۲) جمہور ائمہ کے نزدیک (جس میں راجح قول کے مطابق امام احمدؒ بھی ہیں) ممانعت کا حکم وقتی تھا اور یہ حکم اب منسوخ ہوچکا ہے. جیسا کہ حضرت بریدہ اسلمیؓ سے روایت ہے: ان رسول اللہ ﷺ قال: کنت نهيتكم عن الأشربة أن لا تشربوا الا في ظروف الأدم فاشربوا في كل وعاءٍ ولا تشربوا مسكراً. (رواہ مسلم)

لہٰذا ان برتنوں میں نبیذ بنا کر پینا درست ہے بشرطیکہ سکر نہ آئے۔ (اوجز، قدیم نسخہ، ص: ۹۷. مکتبہ یحیوی)

نیز ترمذی میں روایت ہے: عن بريدة قال: قال رسول الله ﷺ واني كنت نهيتكم عن الظروف، وان ظرفاً لايُحِلُّ ولا يُحرِّمُهُ وكل مسكر حرامٌ. (وأخرجهٗ ابوداؤد ومسلم في الأشربة)

في الأوجز: عن بريدة الاسلمي: أن رسول الله ﷺ قال كنت نهيتكم عن النبيذ الا في سقاء فاشربوا واتقوا كل مسكر.

تشریح اوعیۃ یعنی برتنوں کی وضاحت

اوعیۃ مذکورہ کی تفسیر یہ ہے: **الدباء**: خشک کدو جس کے اندر سے گودا نکال لیا جاتا ہے اور پیالہ کی شکل دیدی جاتی ہے یعنی الیقطین الیابس کانت ینبذ فیہ التمر.

الحنتم : الجرة الخضراء : مٹی کا سبز روغن گھڑا۔

المزفت: مٹی کا وہ برتن جس پر تارکول نما چیز مل دی گئی ہو، مقیر اور مزفت ہم معنیٰ ہیں۔

النقیر: هو ما ینقر فی أصل النخلة فینبذ فیه التمر. یعنی کھجور کے تنے کا ایک ٹکڑا جس کے اندر کا گودا نکال کر اس کو کھوکھلا کر لیا جاتا ہے۔

باب تحریم الخمر

خمر کی حرمت کا بیان

اقسام شراب: شراب کی چند قسمیں ہیں، اور ہر قسم کا حکم علیحدہ علیحدہ ہے. چنانچہ اس باب میں ہر قسم کا حکم علیحدہ علیحدہ بیان کیا جائیگا۔

(۱) پہلی قسم خمر ہے، لغت میں خمر، ماخامر العقل (یعنی جو عقل کو چھپا دے) کو کہتے ہیں، اور اصطلاح میں انگور کا کچا شیرہ جب اس میں جوش اور تیزی آجائے اور جھاگ پھینکنے لگے۔

جمہور ائمہ کا اتفاق ہے کہ خمر مطلقاً حرام ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر، سکر آئے یا نہ آئے، اس کے شارب پر حد آئیگی اس کا مستحل کافر ہے۔

(۲) دوسری قسم: اشربہ محرمہ ثلاثہ ہیں:

(الف) **الطلاء**: انگور کا شیرہ جب اس کو پکایا جائے یہاں تک کہ دو تہائی سے کم جل جائے۔

(ب) **نقیع التمر** : تر کھجور کا کچا پانی جب اس میں تیزی آجائے خواہ جھاگ پھینکے یا نہ پھینکے۔

(ج) **نقیع الزبیب**: پانی میں ڈالی گئی کشمش کا کچا پانی جب میٹھا ہوکر تیزی آجائے۔

(۳) تیسری قسم نبیذ تمر، نبیذ زبیب، نبیذ عسل، نبیذ حنطہ، نبیذ شعیر۔

ان دونوں قسموں میں ائمہ مذاہب کے مابین اختلاف واقع ہوا ہے۔

اختلاف ودلائل:

ائمہ ثلاثہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ان سب کا حکم ایک ہے، ان حضرات کے نزدیک شراب چاہے انگور سے بنائی جائے، خواہ کھجور یا شہد وغیرہ سے مسکر ہونے کے بعد سب پر خمر کا اطلاق ہوتا ہے اور سب کا حکم برابر ہے۔

ان قسموں میں سے کسی کا ایک قطرہ بھی پینا جائز نہیں ہے خواہ بوجہ قلت سکر پیدا نہ ہو۔

شیخین کے نزدیک دوسری قسم کا حکم یہ ہے کہ اس کا پینا تو حرام ہے لیکن اس کی خمریت ظنی ہونے کی وجہ سے حد اسی وقت جاری ہوگی جب اتنی مقدار پیئے جس سے سکر پیدا ہوگیا ہو۔

اور تیسری قسم کا حکم یہ ہے کہ اس کی اتنی مقدار جو مفضی الی السکر نہ ہو نیک نیتی یعنی تقوی للعبادۃ کی نیت سے پینا جائز ہے، اور مستی کی نیت سے پینا حرام ہے اور حد اسی وقت جاری ہوگی جب شارب پر نشہ چڑھ جائے۔

ائمہ ثلاثہ کے دلائل:

(۱) کل مسکر خمر ہر نشہ آور خمر ہے۔ اور مذکورہ تمام شرابیں نشہ آور ہیں، لہٰذا تمام شرابیں خمر ہیں۔

(۲) الخمر من هاتين الشجرتين ،أشار الى النخل والكرم.

(۳) عن النعمان بن بشير قال: قال رسول الله ﷺ: إن من العنب خمراً وإن من التمر خمراً. وإن من العسل خمراً. وإن من البرِّ خمراً. وإن من الشعير خمراً. (ابو داؤد)

ان احادیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خمر انگور کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ہر نشہ

اور خمر ہے۔

(۴) لغت کے اعتبار سے بھی عام ہونا چاہئے کیونکہ خمر مخامرۃ العقل سے مشتق ہے، عقل کو ہر چھپا دینے والی چیز کو خمر کہتے ہیں، اور مذکورہ تمام شرابیں عقل کو چھپا دیتی ہیں، لہٰذا یہ بھی خمر ہیں اور خمر حرام ہے لہٰذا یہ بھی حرام ہیں۔

دلائل امام ابو حنیفہؒ: (۱) اخرج عبدالرزاق فی مصنفه عن ابن المسیّب مرسلاً قال: قال النبی ﷺ الخمر من العنب، والسکر من التمر، والمزر من الذرة، والغبیراء من الحنطة، والبتع من العسل، کل مسکر حرام. یہ حدیث صریح ہے کہ خمر صرف انگور کے رس کو کہا جاتا ہے۔

(۲) عن ابن عباسؓ: حرمت الخمر لعینها قلیلها وکثیرها، والسکر من کل شراب.

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں، (۱) جمیع اشربۂ مسکرہ کو خمر نہیں کہا جاتا، ورنہ خمر کو دوسرے اشربہ محرمہ سے الگ ذکر کرنے کا کوئی معنیٰ نہیں ہے۔ (۲) جس کا قلیل وکثیر حرام ہے وہ صرف خمر ہے اور دیگر علتِ سکر پائے جانے پر حرام ہوتے ہیں۔

(۳) عرب کے معاشرے میں خمر انگور کے شیرہ ہی کو کہا جاتا ہے۔

(۴) أخرج عبدالرزاق ایضاً فی مصنفه عن ابن عمر فی قصته قال: أما الخمر فحرام لا سبیل الیها، وأما ماسواها من الأشربة. فکل مسکر حرام.

اس حدیث میں حضرت ابن عمرؓ نے خمر کو دوسرے اشربۂ مسکرہ سے الگ ذکر فرمایا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ جمیع اشربۂ مسکر کو خمر نہیں کہا جاتا ہے۔

ائمۂ ثلاثہ کے دلائل کا جواب:

(۱) کل مسکر خمر: اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں لغت اور حقیقت بیان کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ حکم بیان کرنا مقصود ہے اور نبوت کا کام یہی ہے، نیز یہ حدیث ضعیف

ہے یحیٰ ابن معین نے اس کو ضعیف کہا ہے، كما في الهداية في كتاب الأشربة.

(۲) یہاں درحقیقت بتلانا یا حقیقت بتلانا مقصود نہیں ہے بلکہ حکم بتلانا مقصود ہے جیسا کہ ماقبل میں بحوالہ گذرا ہے۔

(۳) یہ حدیث بظاہر حنفیہ کے خلاف ہے مگر حقیقت میں اس سے حنفیہ کی تائید ہوتی ہے، اس لئے کہ لفظ ''خمر'' اگر ان تمام اشیاء کو لغۃً و استعمالاً شامل ہوتا تو آپ ﷺ کو اس کی تفسیر کی چنداں ضرورت نہ تھی چونکہ قرآن کریم میں خمر کی حرمت کا ذکر آچکا ہے، اس لئے یہی کہنا پڑیگا کہ آپ ﷺ کی غرض اس تفسیر سے حکم بیان کرنا ہے۔

(۴) اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ خمر، مخامرۃ العقل سے مشتق نہیں ہے بلکہ تخمر سے مشتق ہے جس کے معنیٰ شدت وقوت کے ہیں اور شدت وقوت پہلی قسم میں ہے نہ کہ باقی اقسام میں لہٰذا وہ خمر نہ ہونگی بلکہ پہلی قسم ہی حقیقتاً خمر ہوگی۔

خلاصۃ بحث: اس پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ احناف کے نزدیک خمر صرف ماء العنب ہے، باقی مسکرات کو خمر کہنا بر بنائے توسع ومجاز ہے، ہر مسکر کا قلیل بھی حرام ہے، البتہ خمر کے علاوہ دوسرے اشربہ کی خمریت چونکہ ظنی ہے اس لئے احناف کے نزدیک ان سب کے قلیل غیر مسکر پر حد جاری نہ ہوگی۔

ائمہ ثلاثہ بلکہ جمہور خلف وسلف کے نزدیک خمر العنب کی طرح غیر العنب کے خمر کا بھی وہی حکم ہے کہ قلیل وکثیر حرام ہے اور حد واجب ہوگی۔ تفصیل کے لئے دیکھئے أوجز المسالک، اعلاء السنن، بذل المجهود اور مرقات وغیرہ۔

نوٹ: شیخین کا مسلک اگرچہ دقتِ نظر پر مبنی ہے مگر بر بنائے فسادِ زمانہ، اور بر بنائے احتیاط وتقویٰ امام محمدؒ کے قول پر فتوی دیا جاتا ہے۔

(اعلاء السنن. ج. ۱۸ ص. ۲۵)

(۱) عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهَا قَالَتْ : سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْبِتْعِ فَقَالَ: كُلُّ شَرَابٍ اَسْكَرَ فَهُوَ حَرَامٌ.

ترجمہ: آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ سے بتع (نبیذ شہد) کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہروہ پی جانے والی چیز جو نشہ پیدا کرے حرام ہے۔

شرح حدیث : بظاہر حدیث شیخین کے مسلک کے خلاف ہے لیکن مشہور اور مسلمہ قاعدہ ہے کہ اسم مشتق پر جب کوئی حکم لگایا جاتا ہے تو ماخذ اشتقاق حکم کی علت ہوتا ہے، یہاں حرمت کی علت سکر ہے لہٰذا قدرِ مسکر حرام ہوگی نہ کہ قلیل مقدار۔

عن البتع: شوافع فرماتے ہیں کہ حدیث میں جنس کے بارے میں سوال ہے، ہم کہتے ہیں کہ اگر جنس حرام ہوتی تو آپ ﷺ ما اسکر فھو حرام. نہ فرماتے بلکہ براہِ راست ھو حرام کہہ دیتے جیسے یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیھما اثم. الخ ۔ اور چونکہ بتع میں نہی کی علت سکر ہے، اس لئے آپ ﷺ نے "ما اسکر" فرمایا، اور یہ محتمل ہے جنس شراب اور قدرِ مسکر کا، بلکہ دوسرے معنیٰ میں زیادہ واضح ہے ورنہ تو ھو حرام کہنا کافی تھا۔

(۲) عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ سُئِلَ عَنِ الْغُبَيْرَاءِ. فَقَالَ لَا خَيْرَ فِيْهَا وَنَهٰى عَنْهَا، قَالَ مَالِكٌ فَسَأَلْتُ زَيْدَبْنَ اَسْلَمَ .مَا الْغُبَيْرَاءُ فَقَالَ :هِيَ السُّكْرُكَةُ.

ترجمہ: عطاء بن یسار سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے جوار کی شراب کے متعلق پوچھا گیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس میں خیر نہیں ہے اور اس سے منع فرمایا، امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ میں نے زید بن اسلم سے پوچھا .غبیراء کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ وہ سکرکۃ ہی ہے۔

الغبیراء: نوع من الخمور یتخذ من الذرۃ ھی السکرکۃ.

(۳) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَؓ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ لَمْ يَتُبْ مِنْهَا حُرِمَهَا فِي الْاٰخِرَةِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے دنیا میں شراب پی، اور اس سے اس نے توبہ نہیں کی تو وہ آخرت میں اس سے محروم رہے گا۔

شرح حدیث: اہل سنت وجماعت کا اتفاق ہے کہ مؤمن خواہ وہ اہل کبائر میں سے ہو، ایک نہ ایک دن اپنی سزا بھگتنے کے بعد جنت میں جائیگا، نصوص میں اس کی صراحت ہے اور حدیث مذکور بظاہر دیگر نصوص کے خلاف ہے، لہٰذا حدیث مؤول ہے۔ چنانچہ اسکی تاویل میں کہا گیا ہے کہ:

(۱) اللہ تعالی اس کے گناہ کو معاف فرما کر جنت میں داخل فرمادیں، اور یہ جاننے کے باوجود کہ یہاں شراب ہے اس کا نفس اس کی خواہش نہ کرے، چنانچہ اس کی تائید میں عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت پیش کی جاسکتی ہے اور وہ روایت یہ ہے: من لبس الحرير في الد نيا لم يلبسهٔ في الأخرة وان دخل الجنة لبسه اهل الجنة ولم يلبسه هو. (اخرجه الطيالسي)

(۲) علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: کہ قانون تو یہی ہے کہ جنت میں نہ جائے لیکن کبھی حکم میں تخلف بھی ہوتا ہے اس طور پر کہ کوئی ایصال ثواب کردے، یا بیٹے کی دعاء باپ کے لئے یا پھر شفاعت وغیرہ سے، لہٰذا اس کے بعد جنت میں داخل ہوگا۔

(۳) حضرت گنگوہی قدس سرہٗ العزیز الکوکب الدری میں رقم طراز ہیں کہ یہ حدیث مستحل پر محمول ہے یعنی جو حلال سمجھ کر پیئے۔

(۴) یہ نفی غیر مؤبد ہے یعنی اپنی سزا کے ایام میں شراب سے محروم رہیگا پھر جونہی سزا کے ایام مکمل ہونگے تو وہ جنت میں ہر طرح کی نعمت سے محظوظ ہوگا۔ (تفصیل اوجز میں ملاحظہ ہو. ج.٦ص.٩٩، ١٠٠ قدیم نسخہ۔)

(۴) عَنْ ابْنِ وَعْلَةَ الْمِصْرِيِّ أَنَّهُ سَأَلَ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ عَمَّا يُعْصَرُ مِنَ الْعِنَبِ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَهْدٰى رَجُلٌ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ رَاوِيَةَ خَمْرٍ. فَقَالَ: أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهَا قَالَ: لَا، فَسَارَّهٗ اِنْسَانٌ اِلٰى جَنْبِه فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: سَارَرْتَهٗ، فَقَالَ: اَمَرْتُهٗ بِأَنْ يَّبِيْعَهَا فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الَّذِيْ حَرَّمَ شُرْبَهَا حَرَّمَ بَيْعَهَا، فَفَتَحَ الرَّجُلُ الْمَزَادَتَيْنِ حَتّٰى ذَهَبَ مَا فِيْهَا.

ترجمہ: ابن وعلہ مصریؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے انگور کے شیرہ کے متعلق پوچھا، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: کہ ایک شخص نے آپ ﷺ کو شراب کا ایک مشکیزہ ہدیہ میں دیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ اللہ تعالی نے اسے حرام کردیا ہے، اس نے کہا: نہیں، (مجھے معلوم نہیں) تو ایک شخص نے جو اس کی بغل میں تھا چپکے سے اس کے کان میں کچھ کہا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے چپکے سے کیا کہا؟ تو اس نے کہا: کہ میں نے اس کو شراب بیچنے کا حکم دیا، تو اس سے آپ ﷺ نے فرمایا: جس ذات نے اس کے پینے کو حرام کیا ہے اس نے اس کے بیچنے کو بھی حرام کیا ہے، تو اس شخص نے دونوں مشک کا منھ کھولا یہاں تک کہ ان میں جو شراب تھی بہہ گئی۔

شرح حدیث: المزادتین: مزادة کا تثنیہ ہے یعنی مشکیزہ، اس کو مزادة اس لئے کہتے ہیں اس میں پانی کو بطور زادہ سفر رکھا جاتا ہے تاکہ ضرورت کے وقت استعمال کر سکیں، اسی کو راویة کہتے ہیں، اس لئے کہ یہ اپنے مالک کی سیرابی کا سامان بنتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ وہ دو مشکیزے لائے تھے ایک کو آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا تھا، پھر جب حرمت معلوم ہوئی تو دونوں کو بہا دیا۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث جمہور کا مستدل ہے اس طور پر کہ برتنوں کو نہیں توڑا جائیگا بلکہ مظروف کو انڈیل دیا جائیگا۔

علامہ زرقانیؒ فرماتے ہیں افراغ واراقة واجب ہے، اس لئے کہ صحابی نے آپ ﷺ کی موجودگی میں یہ فعل انجام دیا، اور آپ ﷺ نے تقریر بھی فرمائی یعنی اس پر نکیر نہیں فرمائی۔

امام مالکؒ کے اس سلسلے میں دو قول ہیں: ایک جمہور کے مطابق ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ برتنوں کو توڑا جائیگا، اگر چمڑے کے ہیں تو پھاڑا جائیگا، یہ ضعیف ہے اس لئے کہ اس قول کی کوئی اصل نہیں ہے، اور حضرت ابوطلحہ (کی وہ حدیث جو آئندہ آرہی ہے) کہ انہوں نے برتنوں کو توڑ دیا، تو یہ ان کا ذاتی فعل ہے، آپ ﷺ نے ان کو اس کا حکم نہیں فرمایا تھا۔

شیخ ابوبکرؒ نے فرمایا: اگر ظرف اور برتنوں کو دھونے کے بعد بھی اندر کا اثر زائل نہ ہو تو

برتنوں کو توڑا جائیگا، اور اگر ایسا نہیں ہے بلکہ اثر دھونے سے زائل ہو جاتا ہے تو برتنوں کو توڑنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے، نیز ان سے انتفاع بھی درست ہے۔

اور یہ احتمال ہے کہ امام مالکؒ کی مراد برتنوں کو توڑنے سے یہ ہو کہ مسلمان شراب سے اپنے آپ کو روک لیں، یا پھر اس کی عقوبت وسزا کے لئے ہو۔ (تفصیل اوجز میں ملاحظہ ہو) (اوجز۔ج۔۶ص۔۱۰۲ قدیم نسخہ)

(۵) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّهُ قَالَ كُنْتُ أَسْقِي اَبَا عُبَيْدَةَ بْنِ الْجَرَّاحِ وَاَبَا طَلْحَةَ الْاَنْصَارِيّ وَاُبَيّ بنَ كَعَبٍ شَرَاباً مِنْ فَضِيْخِ تَمْرٍ. قَالَ فَجَاءَ هُمْ آتٍ. فَقَالَ اِنَّ الْخَمْرَ قَدْ حُرِّمَتْ فَقَالَ اَبُوْطَلْحَةَ: يَااَنَسُ قُمْ اِلٰى هٰذِهِ الْجِرَارِ فَاكْسِرْهَا .قَالَ: فَقُمْتُ اِلٰى مِهْرَاسٍ لَنَا فَضَرَبْتُهَا بِأَسْفَلِه حَتّٰى تَكَسَّرَتْ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ نے فرمایا: کہ میں حضرت ابو عبیدہ بن الجراح، ابو طلحہ انصاری اور ابی بن کعبؓ کو خشک کھجور کی شراب پلا رہا تھا، اتنے میں ایک آنے والا آیا اور اس نے کہا کہ شراب حرام ہوگئی ہے، تو حضرت ابوطلحہ انصاریؓ نے فرمایا: انس! اٹھو اور ان مٹکوں کو توڑ دو، حضرت انس کہتے ہیں کہ میں اپنی اوکھلی کی جانب بڑھا اور اس کے نچلے حصّے کو ان گھڑوں پر دے مارا، یہاں تک کہ وہ ٹوٹ گئے۔

مہراس: جمع، مہارس، اوکھلی، لکڑی، پتھر کی بنی اور زمین میں گڑی ہوئی کونڈی جس میں غلہ وغیرہ موسل سے کوٹتے ہیں۔

نوٹ: اس کی شرح ماقبل کی حدیث کے تحت گزر گئی۔

عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ لَبِيْدٍ الْاَنْصَارِيّؓ اَنَّ عُمَرَؓ بْنَ الْخَطَّابِ حِيْنَ قَدِمَ الشَّامَ فَشَكٰى اِلَيْهِ اَهْلُ الشَّامِ وَبَاءَ الْاَرْضِ وَ ثِقْلَهَا. وَقَالُوْا: لَايُصْلِحُنَا اِلَّاهٰذَاالشَّرَابُ، فَقَالَ عُمَرُ: اِشْرَبُوْا الْعَسَلَ.

فَقَالُوْا: لَايُصْلِحُنَا الْعَسَلُ. فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْاَرْضِ: هَلْ لَكَ أَنْ تَجْعَلَ لَنَا مِنْ هٰذِهِ الشَّرَابِ شَيْئًا لَا يُسْكِرُ قَالَ: نَعَمْ، فَطَبَخُوْا حَتّٰى

ذَهَبَ مِنْهُ الثُّلُثَانِ وَبَقِيَ الثُّلُثُ، فَأَتَوْا بِهِ عُمَرَ، فَأَدْخَلَ فِيْهِ عُمَرُ اِصْبَعَهُ، ثُمَّ رَفَعَ يَدَهُ فَتَبِعَهَا يَتَمَطَّطُ، فَقَالَ: هٰذَاالطِّلَاءُ، هٰذَا مِثْلُ طِلَاءِ الْإِبِلِ، فَأَمَرَهُمْ عُمَرُ أَنْ يَشْرَبُوْهُ. فَقَالَ لَهُ عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ، أَحْلَلْتَهَا وَاللّٰهِ. فَقَالَ عُمَرُ كَلَّا وَاللّٰهِ، أَللّٰهُمَّ اِنِّيْ لَا اُحِلُّ لَهُمْ شَيْئًا حَرَّمْتَهُ عَلَيْهِمْ وَلَا اُحَرِّمُ عَلَيْهِمْ شَيْئًا اَحْلَلْتَهُ لَهُمْ.

ترجمہ: محمود ابن لبیدؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ جب ملک شام آئے، تو لوگوں نے ان سے وباء اور آب وہوا کے بھاری ہونے کی شکایت کی، اور کہا، کہ یہی شراب ہمیں موافق آتی ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا: شہد پیو، تو لوگوں نے کہا: شہد ہمیں موافق نہیں آتا، تو شام کے ایک شخص نے کہا: کہ کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ ہم اسی شراب کو اس طرح بنالیں کہ نشہ آور نہ ہو، آپؓ نے کہا: ہاں! (بنالو) تو انہوں نے اس کو اتنا پکایا کہ دو تہائی جل گیا اور ایک تہائی رہ گیا، پھر لوگ اس کو حضرت عمرؓ کے پاس لائے، حضرت عمرؓ نے اس میں اپنی انگلی ڈالی، پھر اپنے ہاتھ کو اٹھایا تو وہ چپک کر اٹھنے لگا، تو آپؓ نے فرمایا: یہ طلاء ہے یہ طلاء تو اونٹ کے طلاء کے مشابہ ہے، حضرت عمرؓ نے اس کو پینے کا حکم دیا، حضرت عبادۃ بن صامتؓ نے کہا: خدا کی قسم آپ نے تو اس کو حلال کردیا، حضرت عمرؓ نے کہا: خدا کی قسم! بالکل نہیں!!!

یا اللہ! میں کوئی ایسی چیز لوگوں کے لئے حلال نہیں کرسکتا جس کو تو نے ان پر حرام کیا ہے، اور نہ میں ان پر کوئی ایسی چیز حرام کرسکتا ہوں جس کو تو نے ان کے لئے حلال کیا ہے۔

شرح حدیث: الا ھذا الشراب: اس سے مراد خمر ہے چونکہ وہ خمر ہی کے عادی تھے۔

اشربوا العسل: حضرت عمرؓ نے شہد پینے کا حکم دیا، چونکہ شہد کو قرآن کریم میں ہر بیماری کی شفاء قرار دیا گیا ہے۔

مثل طلاء الابل: یہ تشبیہ صرف چپکنے میں ہے چونکہ اہل عرب جب کوئی اونٹ خارش زدہ ہوجاتا تھا، تو اس پر ملنے کے لئے ایک تیل بناتے تھے جسمیں چپ چپاہٹ ہوتی تھی۔

طلاء الابل: تارکول کے مانند درخت سے نکالے ہوئے سیال مادّہ کو کہتے ہیں، جسکو عرب خارش زدہ اونٹ پر ملتے تھے۔

ماقبل میں طلاء کی تفصیلی بحث گذر چکی ہے لہٰذا تفصیل وہیں دیکھ لی جائے۔

حدیث مذکور کا محمل وہ شراب ہے جس میں سکر نہ ہو۔

(۷) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رِجَالاًمِّنْ أَهْلِ الْعِرَاقِ قَالُوْا لَهُ: يَا أَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ مَانَبْتَاعُ مِنْ ثَمْرِالنَّخْلِ وَالْعِنَبِ فَنَعْصِرُهُ خَمْرًافَنَبِيْعُهَا فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ: اِنِّیْ اُشْهِدُاللّٰهَ وَمَلٰئِكَتَهُ وَمَنْ سَمِعَ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ، اِنِّیْ لَا اٰمُرُكُمْ أَنْ تَبِيْعُوْهَا وَلَا تَبْتَاعُوْهَا وَلَا تَعْصِرُوْهَا وَلَا تَشْرَبُوْهَا وَلَا تَسْقُوْهَا فَاِنَّهَا رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ.

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ان سے عراق کے کچھ لوگوں نے کہا: کہ اے ابوعبدالرحمٰن! ہم کھجور اور انگور کے پھل خرید تے ہیں، پھر ان کو شراب بنا کر بیچتے ہیں، تو عبداللہ بن عمرؓ نے کہا: کہ میں اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور انسان و جنات میں سے جو سنے اس کو تم پر گواہ بناتا ہوں کہ میں تم کو نہ تو اسے بیچنے کی اجازت دیتا ہوں، نہ خریدنے کی، نہ نچوڑنے کی، نہ پینے کی، اور نہ پلانے کی۔ چونکہ شراب ناپاک ہے اور شیطانی کاموں میں سے ہے۔

شرح حدیث: خمر کا بیچنا حرام ہے اس پر اجماع ہے. البتہ ائمہ ثلاثہ نے ہر مسکر کو خمر قرار دیا ہے. لہٰذا حکم عام کر کے ہر مسکر کو بیچنا ان کے نزدیک ممنوع ہوگا، اور امام اعظم ابو حنیفہؒ نے خمر اور دیگر اشربہ کے مابین تفریق کی ہے لہٰذا خاص خمر کا بیچنا ان کے نزدیک حرام ہوگا۔ (دیکھئے باب تحریم الخ)

کتاب الجامع: الدعاء للمدینة واھلھا

مدینہ اوراہل مدینہ کے واسطے دعاء کا بیان

مناسبت باب: حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا قدس سرہٗ العزیز فرماتے ہیں: کہ اس سے پہلے مسائل کا بیان تھا جسمیں ضمناً فضائل کا ذکر ہے، اور یہاں سے آخر تک فضائل کا بیان ہے جسمیں ضمناً مسائل بھی بیان کئے جائیں گے۔

کتاب الجامع میں سب سے پہلے مدینہ کی فضیلت، عظمت اور اہمیت کا تذکرہ کیا، چونکہ مدینہ دین کا منبع اور مرکز ہے، اور صاحب رسالت کا مستقر ہے اور اطراف عالم میں مدینہ سے دین پھیلا ہے۔

مدینہ کے اسماء: مدینہ کے پانچ نام مشہور ہیں.(۱) مدینہ (۲) طابہ (۳) طیبہ (۴) الدار یعنی دار الہجرت، (۵) یثرب

مدینہ اصل میں بڑے شہر کو کہتے ہیں، (المصر الجامع) مگر یہ غلبہ کی بنا پر علم ہو گیا ہے. یہ مدن سے مشتق ہے جمع مدن و مدائن ہے۔

مکہ افضل ھے یا مدینہ؟ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مدینہ کی وہ جگہ جہاں آپ ﷺ مدفون ہیں، اور آپ کا جسدِ اطہر زمین کے جس حصہ سے متصل ہے وہ بقعہ بالا جماع تمام جگہوں سے حتی کہ کعبہ اور عرش و کرسی سے بھی افضل ہے۔

چنانچہ درِّ مختار میں ہے: الا ما ضمّ اعضاءہٗ علیہ الصلوۃ والسلام فانہٗ أفضل مطلقاً حتی من الکعبة والعرش والکرسيِ. (درمختار ج۴ ص۴۸)

نیز مکۃ مکرمہ کے علاوہ مدینہ کے باقی حصے کی تمام بلاد و شہر پر افضلیت مسلم ہے. البتہ امام مالکؒ کے نزدیک مدینہ منورہ مکہ مکرمہ سے افضل ہے، اور امام اعظمؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ بلکہ جمہور صحابہ و تابعین کے نزدیک مکہ مکرمہ مدینہ منورہ سے افضل ہے۔

امام مالکؒ نے مدینہ کی افضلیت پر اس باب اور اگلے باب میں کئی احادیث ذکر کی ہیں۔ہم وہیں پر حدیث کے تحت ان احادیث کا محمل ذکر کریں گے،انشاء اللہ۔

جمہور کے دلائل:

(۱)وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ اٰمِناًالخ ۔تمام ائمہ متفق ہیں کہ مکہ میں حدود کا قائم کرنا درست نہیں ہے، برخلاف مدینہ کے کہ وہاں حدود کے عدمِ اقامت کا کوئی قائل نہیں ہے لہٰذا مکہ افضل ہے۔

(۲)انّ اوّل بیت وضع للناس.الخ ۔اللہ تعالیٰ نے مکۃ المکرمہ میں ایک ایسا گھر بنایا ہے جو اہلِ اسلام کا کعبہ وقبلہ ہے.لہٰذا وہ افضل ہے۔

(۳)عن عبدالله بن عديٍّ قال:رأيت النبی ﷺ واقفاًعلی حزورة.فقال:والله انک لخير أرض الله وأحب أرض الله الی الله ولولا أن قومی أخرجونی ماخرجت.(رواہ الترمذی)

یہ حدیث مکہ کی افضلیت پر صریح ہے:

(۱) عَنْ اَنسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيْ مِكْيَا لِهِمْ وَبَارِكْ لَهُمْ فِيْ صَاعِهِمْ وَمُدِّهِمْ يَعْنِيْ اَهْلَ الْمَدِيْنَةِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:اے اللہ مدینے والوں کے لیے ان کے پیمانے میں اور ان کے صاع میں اور ان کے مد میں برکت عطا فرما۔

(۲) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ ؓ اَنَّهُ قَالَ: كَانَ النَّاسُ اِذَا رَأَوْ أَوَّلَ الثَّمَرِ جَاؤُا بِهٖ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ،فَاِذَا اَخَذَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ:اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ ثَمَرِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِيْ مَدِيْنَتِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِيْ صَاعِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِيْ مُدِّنَا.اَللّٰهُمَّ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ عَبْدُكَ وَخَلِيْلُكَ وَنَبِيُّكَ وَاِنِّيْ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ وَاِنَّهُ دَعَاكَ لِمَكَّةَ وَاِنِّيْ اَدْعُوْكَ لِلْمَدِيْنَةِ بِمِثْلِ مَادَعَاكَ بِهٖ لِمَكَّةَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ ثُمَّ يَدْعُوْ بَعْدَ الْفَرَاغِ اَصْغَرَ وَلِيْدٍ فَيُعْطِيْهِ ذٰلِكَ الثَّمَرَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ: جب لوگ پہلا پھل دیکھتے تو رسول اللہ ﷺ کے پاس لے کر آتے تو آپ ﷺ اس کو (ہاتھ میں) لیکر فرماتے: اے اللہ! ہمارے پھلوں میں، ہمارے شہر میں، ہمارے صاع میں، اور ہمارے مد میں برکت عطا فرما، اے اللہ! ابراہیم علیہ السلام جو تیرے بندے، تیرے دوست اور تیرے نبی ہیں، انہوں نے تجھ سے مکہ کے واسطے دعاء کی تھی، اور میں تیرا بندہ اور نبی ہوں، میں تجھ سے مدینہ کے لئے دعاء کرتا ہوں، جیسی کہ انہوں نے تجھ سے مکہ کے لئے دعاء کی اور اس کے ساتھ مزید (اتنی ہی) پھر دعاء سے فارغ ہونے کے بعد سب سے چھوٹے بچے کو جو موجود ہوتا، بلاتے اور وہ پھل اس کو دے دیتے۔

شرح حدیث: دونوں حدیثوں کا لب لباب اور ماحصل یہ ہے کہ جس طرح حضرت ابراہیم نے مکہ اور باشندگان مکہ کے لئے دعا کی تھی: کہ اے اللہ! اس میں بسنے والوں کے رزق میں وسعت عطا فرما، اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے اہل مدینہ کے رزق میں وسعت اور برکت بلکہ مکہ سے دوگنا ہونے کی دعا کی۔ اور چند دوچند کی دعا کرنا افضلیت کی دلیل ہے۔

جواب دلائل امام مالک: (۱) برکت کی دعاء کرنا فضیلت کو متضمن نہیں ہے، اسلئے کہ آپ محبت کی وجہ سے بھی دعاء کر سکتے ہیں۔ (۲) دعاء دونوں کے لئے کی ہے لیکن برکت کی دعا سے فضیلت ثابت نہیں ہوتی چونکہ برکت اور چیز ہے فضیلت اور چیز ہے (۳) یہ جزئی فضیلت ہے اور جزئی فضیلت سے کلی فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔ (۴) اور یہ جو فضیلت ثابت کی جاتی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے دنیوی نعمت کی دعاء کی اور آپ ﷺ نے مدینہ کے لئے دنیوی کے ساتھ اخروی نعمت کی بھی دعاء کی، جس سے مدینہ کی افضلیت کا ثبوت ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مدینہ کی مکہ پر امور آخرت میں فضیلت ثابت نہیں ہوتی ورنہ تو آپ نے شام ویمن کے لئے بھی دعائیں کی ہیں۔ اسی لئے علامہ ابن حزم فرماتے ہین: کہ مدینہ کے لئے برکت کی دعا سے مکہ پر حسنات میں فضیلت ثابت نہیں ہوسکتی ہے۔

صاع وغیرہ موجودہ وزن کے اعتبار سے:

صاع: جمع. اَصْوُعٌ و صِیْعَانٌ پیمانہ۔

اور اصطلاح فقہاء میں: صاع ایک ناپنے کا پیمانہ ہے جس سے شئی کی مقدار متعین کی جاتی ہے۔

صاع بغدادی: چار مُد یعنی آٹھ رطل کا ہوتا ہے، اور مُد دو رطل کا، اور ایک رطل ۱۶۰ درہم کا ہوتا ہے۔

پرانے وزن کے اعتبار سے ایک صاع تین سیر چھ چھٹانک کا، اور نصف صاع ڈیڑھ سیر تین چھٹانک کا ہوا، اور مُد پون سیر ڈیڑھ چھٹانک کا۔

موجودہ وزن کے اعتبار سے: رطل تین سوترانوے (۳۹۳) گرام، چھ سوساٹھ (٦٦۰) ملی گرام صـــاع: تین (۳) کلوایک سوانچاس (۱۴۹) گرام، دوسواسّی (۲۸۰) ملی گرام۔

مُد: سات سوستاسی (۷۸۷) گرام تین سوبیس (۳۲۰) ملی گرام، (مقادیر شرعیہ)

صاع اور مد کے وزن میں ائمہ کا اختلاف:

امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک آٹھ رطل کا ایک صاع ہوتا ہے، امام ابو یوسفؒ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک پانچ رطل اور ثلثِ رطل کا ایک صاع ہوتا ہے۔

چونکہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مُد ایک رطل اور ثلثِ رطل کا ہوتا ہے، اس حساب سے صاع انکے نزدیک پانچ رطل اور ثلثِ رطل ہوا، اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مُد دو رطل کا ہوتا ہے، اس حساب سے صاع آٹھ رطل کا ہوا۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ائمہ احناف کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے، بلکہ بالاتفاق آٹھ رطل کا ایک صاع ہوتا ہے اور یہی بات درستگی کے زیادہ قریب ہے، کیوں کہ امام محمدؒ نے اس میں امام ابو یوسف کا کوئی اختلاف نقل نہیں کیا ہے، اگر اختلاف ہوتا تو وہ ضرور ذکر کرتے کیونکہ وہ ان کے مذہب سے زیادہ واقف ہیں۔ (درمختار، اوزان شرعیہ ص ۱۴)

باب ماجاء
فی سُکنیٰ المدینةِ والخروج منها
مدینہ کی سکونت اور وہاں سے نکلنے کا بیان

مقصد باب: اس باب کا مقصد مدینہ منورہ میں قیام کی ترغیب، اور اس پاکیزہ شہر کی آب وہوا کی ناموافقت، گرمی کی شدت، تنگئ معیشت، اہل ہوا کی بدعت یا اہل اقتدار کی بربریت یا کسی اور وجہ سے باشندگان مدینہ کا مدینہ سے بدظن اور متنفر ہو کر نکلنے کی وعید کو بیان کرنا ہے، لہٰذا اگر کوئی مدینہ سے اس حال میں کہ وہ راضی ہے اور کوئی کدورت نہیں رکھتا بلکہ کسی مجبوری کی وجہ سے نکلتا ہے تو وہ اس وعید میں داخل نہیں ہے۔ (مرقات. ج.۵.ص.٦٢٠.)

(۱) عَنْ عُوَيْمِرِ بْنِ الْأَجْدَعِ أَنَّ يُحَنَّسَ مَوْلَى الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ كَانَ جَالِسًا عِنْدَ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ فِي الْفِتْنَةِ فَأَتَتْهُ مَوْلَاةٌ لَهُ تُسَلِّمُ عَلَيْهِ فَقَالَتْ: اِنِّي أَرَدْتُ الْخُرُوْجَ يَااَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ! اِشْتَدَّ عَلَيْنَا الزَّمَانُ فَقَالَ لَهَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ: أُقْعُدِيْ، لُكَاعُ! فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: لَا يَصْبِرُ عَلٰى لَاوَائِهَا وَشِدَّتِهَا اَحَدٌ اِلَّا كُنْتُ لَهُ شَهِيْدًا أَوْ شَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ.

ترجمہ: حضرت زبیر بن عوام کے آزاد کردہ غلام تحنس کہتے ہیں کہ میں فتنہ کے زمانے میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس بیٹھا تھا، تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ایک لونڈی آئی اور آپؓ کو سلام کر کے کہنے لگی: اے ابو عبدالرحمٰن! میں مدینہ سے جانا چاہتی ہوں چونکہ ہم پر حالات سخت ہو گئے ہیں، تو عبداللہ بن عمرؓ نے اس سے کہا: باؤلی! بیٹھ! میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: جو بھی مدینہ کی تکلیف اور سختیوں پر صبر کریگا قیامت کے

دن میں اس کا گواہ ہونگا اور سفارش کروں گا۔

لغات: اللاواء: سختی، رنج، تکلیف. ج آلاء. لکاع، لکع بیوقوف، کمینہ (س) لکع لکعا، کمینہ ہونا، بیوقوف ہوتا۔

شرح حدیث: یزید بن معاویہ کے دور میں سانحہ کربلا کے بعد دوسرا بڑا سانحہ مدینہ پر شامی افواج کی چڑھائی تھی، یہ افسوس ناک واقعہ ۶۳ھ میں پیش آیا، تقریباً دس ہزار سے زائد افراد کو شہید کیا گیا، خواتین کی بے حرمتی کی گئی اور تین دن تک مسجد نبوی میں نماز نہ ہوسکی، عام لوگوں کے پاس کھانے پینے اور دیگر سامان کی قلت ہوگئی، باہر سے بھی سامان لانے والا نہ آتا تھا، اس لئے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی آزاد کردہ باندی نے عراق یا اور کسی جگہ جانے کی اجازت چاہی تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس کو یہ حدیث سنائی کہ نبی ﷺ نے فرمایا: کہ مدینہ اور اہل مدینہ پر جب کسی قسم کی مصیبت آئے اور اہل مدینہ اس پر صبر کرکے جمے رہیں، چھوڑ کر نہ جائیں تو کل قیامت کے دن میں اس کے لئے سفارش کروں گا۔

اشتد علینا الزمان: یعنی فتنہ کی بناء پر معیشت کی قلت کی وجہ سے ہم پر زندگی گذارنا دوبھر ہوگیا ہے۔

فی الفتنة: اس سے مراد یزید بن معاویہ کا فتنہ ہے جو واقعہ حرۃ سے مشہور ہے۔

کیا ''أو'' شک کے لئے ہے؟

کنت شھیداً أو شفیعاً: (۱) ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ یہاں ''أو'' شک کے لئے ہونا بعید ہے چونکہ بہت سے صحابہ کرام سے یہ روایت منقول ہے اور ان تمام کا شک پر اتفاق بعید ہے، اس لے یہاں اُو تقسیم کے لئے ہے یعنی نافرمانوں کے لئے آپ شافع اور فرمانبرداروں کے لئے شاہد ہوں گے۔

(۲) یا آپ ﷺ کے زمانے میں جن کا انتقال ہوا، ان کے لئے شاہد، اور جن کا انتقال آپ ﷺ کے بعد ہوا ان کے لئے شفیع ہوں گے۔

(۳) یا اُو بمعنی واوٴ ہے۔ (مرقات. ج.۵.ص.۶۲۰. اُوجز. ج.۶.ص.۱۱۴.)

فائدہ: (۱) آپ ﷺ کا قیامت کے دن عام مذنبین کی شفاعت اور تمام امت کے لئے شہادت دیگر نصوص سے بھی ثابت ہے، لہٰذا یہ اہل مدینہ کے لئے اس عام پر مزید خصوصیت کے طور پر ہوگا۔

(۲) وعید کا یہ حکم آپ ﷺ کے زمانے تک خاص تھا یا عام ہے اس میں دو قول ہیں: (۱) یہ وعید آپ ﷺ کے زمانے تک خاص تھی، (۲) عام ہے ہر زمانے کے لئے۔

(مرقات ج ۵ ص ۶۲۰)

(۲) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ أَنَّ أَعْرَابِيًّا بَايَعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلَى الْإِسْلَامِ وَأَصَابَ الْأَعْرَابِيَّ وَعْكٌ بِالْمَدِيْنَةِ فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَقِلْنِيْ بَيْعَتِيْ فَأَبَى النَّبِيُّ ﷺ، ثُمَّ جَاءَهُ. فَقَالَ: أَقِلْنِيْ بَيْعَتِيْ فَأَبَى ثُمَّ جَاءَهُ. فَقَالَ: أَقِلْنِيْ بَيْعَتِيْ فَأَبَى فَخَرَجَ الْأَعْرَابِيُّ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: إِنَّمَا الْمَدِيْنَةُ كَالْكِيْرِ تَنْفِيْ خُبْثَهَا وَيَنْصَعُ طِيْبُهَا.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ ﷺ سے اسلام پر بیعت کی، اس دیہاتی کو مدینہ میں بخار آ گیا، وہ آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور کہا: یا رسول اللہ! میری بیعت فسخ کر دیجئے، آپ ﷺ نے انکار فرما دیا، پھر آیا اور کہا: میری بیعت فسخ کر دیجئے، آپ ﷺ نے انکار فرما دیا، تیسری بار آ کر کہنے لگا: میری بیعت فسخ کر دیجیے، آپ ﷺ نے انکار فرما دیا، تو وہ دیہاتی مدینہ سے نکل گیا، آپ ﷺ نے فرمایا: مدینہ بھٹی کی طرح ہے جو اپنے میل کچیل کو دور کر دیتا ہے اور اپنی پاکیزہ چیز کو اپنے لیے خاص کر لیتا ہے۔

لغات: الوعک: بخار، (ض) وعک، وعکة. الحر: گرمی تیز ہونا، الکیر: لوہار کی بھٹی، ج. اکیار. نصع: (ف) نصوعاً. خالص ہونا، واضح ہونا، ظاہر ہونا۔

شرح حدیث: اقلنی بیعتی: بیعت کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔

(۱) بیعتِ اسلام (۲) بیعتِ ہجرت (۳) بیعت قیام مدینہ۔

پہلی بیعت کو فسخ کرنے کی صورت میں مرتد ہو جائیگا، دوسری قسم کی فسخِ بیعت کی صورت میں باغی اور گنہگار ہوگا اور تیسری قسم کی فسخ کی صورت میں وعدہ خلافی ہوگی۔

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں: یہاں پہلی صورت ممکن نہیں ہے اس لئے کہ اس صورت میں مرتد ہونے کی وجہ سے وہ شخص واجب القتل ہے لہٰذا دوسری اور تیسری صورت ہی متعین ہے، اور ان دونوں صورتوں میں انکار حکم عدولی اور وعدہ خلافی کی وجہ سے ہے۔

اور پہلی صورت بھی ممکن ہے چنانچہ حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں: اس دیہاتی کا یہ خیال تھا کہ آپ جس طرح بیعت لینے میں مختار ہیں بیعت توڑنے میں بھی مختار ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ معاملہ اسلام لانے والے کے عقیدے پر ہے تو آپ کا انکار اس بناء پر تھا کہ بیعت توڑنا مرتد ہونا ہے، لہٰذا آپ اس کی اجازت کیونکر دیتے۔

فخرج الاعرابی الخ: آپ ﷺ نے فرمایا کہ مدینہ لوہار کی بھٹی کی طرح ہے جس طرح بھٹی زنگ آلود لوہے کو، فولاد اور سونے کے میل کچیل کو دور کر کے کندن بنا دیتی ہے، اسی طرح مدینہ کی سختی اور مصائب کو برداشت کر کے مخلصین ہی رہتے ہیں۔

تنفی خبثها: انصاف پسند لوگ جانتے ہیں کہ آپ ﷺ کے بعد مدینہ سے حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ جیسے حضرات صحابہ کرام کا نکلنا ثابت ہے، لہٰذا یہ حکم عام اور کلی طور پر نہیں ہے، بلکہ خاص لوگ اور خاص زمانے سے متعلق ہے۔ (اوجز ج۶ ص ۱۱۸)

(۳) سَعِيْدُ بْنُ يَسَارٍ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اُمِرْتُ بِقَرْيَةٍ تَأْكُلُ الْقُرٰى يَقُوْلُوْنَ يَثْرِبَ وَهِيَ الْمَدِيْنَةُ تَنْفِي النَّاسَ كَمَا تَنْفِي الْكِيْرُ خُبْثَ الْحَدِيْدِ.

ترجمہ: سعید بن یسار کہتے ہیں: میں نے حضرت ابوھریرۃؓ کو فرماتے ہوئے سنا ہے، کہ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے ایسی بستی (میں جانے) کا حکم دیا گیا ہے جو بہت سی بستیوں کو کھا جائیگی، لوگ اس کو یثرب کہتے ہیں جبکہ وہ مدینہ ہے وہ (برے) لوگوں کو دور کرتا ہے جیسے بھٹی لوہے کے میل کچیل کو دور کر دیتی ہے۔

شرح حدیث: تأكل القرٰى: (۱) لفظ اکل غلبہ سے کنایہ ہے، یعنی اہل مدینہ

دوسرے بلاد پر غالب ہونگے، اس لئے کہ آکل ماکول پر غالب ہوتا ہے چنانچہ مدینہ سے ہی تمام فتوحات ہوئی ہیں۔

(۲) مدینہ کی فضیلت کے مقابلے میں دوسرے بلاد کی فضیلت مضمحل ہے، جیسا کہ امام مالکؒ اسی کے قائل ہیں لیکن یہ ایک عارضی اور جزئی فضیلت ہے، جس سے ذاتی اور کلی فضیلت ثابت نہیں ہوتی ہے۔ (۳) مدینہ میں ساری دنیا سے غلے آئیں گے اور مدینہ والے بیٹھ کر کھائیں گے۔ (مرقات ج ۵ ص ۶۲۹)

یثرب: یا تو تَثْرِیْبٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنیٰ توبیخ وملامت کے ہیں، یا پھر ثِرْبٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنی فساد کے ہیں، اور مدینہ کو یثرب کہنے سے اس لئے منع کیا گیا کہ وہاں نہ فتنہ ہے نہ فساد ہے، اگر کوئی کہے کہ قرآن میں ''یٰاَھل یثرب'' کیسے کہا گیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن میں منافقین کے قول کو نقل کیا گیا ہے اور آپ ﷺ کا یثرب کہنا ممانعت سے پہلے کا ہے۔ (مرقات ج ۵ ص ۶۲۹)

(۴) عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَايَخْرُجُ اَحَدٌ مِنَ الْمَدِيْنَةِ رَغْبَةً عَنْهَا اِلَّا أَبْدَلَ لَهَا اللّٰهُ خَيْرًا مِنْهُ.

ترجمہ: حضرت عروہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: کوئی آدمی مدینہ سے نفرت کر کے نہیں نکلتا مگر اللہ تعالیٰ اس سے بہتر آدمی مدینہ کو دیتا ہے۔

شرح حدیث: رغبة عنها: یہ وعید مدینہ کے ان باشندگان کے لئے ہے جو مدینہ سے متنفر اور بدظن ہو کر نکل جائیں، اور دوسری جگہ کو وطن بنالیں، لہٰذا وہ افراد جو دوسری جگہ کے باشندے ہیں اور مسجد نبوی کی زیارت یا کسی اور کام سے مسافر بن کر آتے ہیں اور اپنی ضرورت پوری کر کے چلے جائیں وہ اس وعید میں داخل نہیں ہیں۔

الا أبدلها الله: اللہ تعالیٰ مدینہ میں ایسے لوگوں کو بسائیں گے جو بدظن ہو کر نکلنے والوں سے بہتر ہوں گے، یا تو وہ لوگ دوسرے مقامات سے نقل مکانی کر کے آئیں گے، یا مدینہ میں ہی ایسے بچوں کی ولادت ہوگی جو ان سے بہتر ہوں گے۔ (اُوجز ج ۶ ص ۱۱۸)

(۵) عَنْ سُفْيَانَ بْنِ أَبِيْ زُهَيْرٍ أَنَّهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ

يَقُوْلُ: تُفْتَحُ الْيَمَنُ فَيَأْتِي قَوْمٌ يَبُسُّوْنَ فَيَتَحَمَّلُوْنَ بِأَهْلِيْهِمْ وَمَنْ أَطَاعَهُمْ وَالْمَدِيْنَةُ خَيْرٌ لَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ، وَتُفْتَحُ الشَّامُ فَيَأْتِي قَوْمٌ يَبُسُّوْنَ فَيَتَحَمَّلُوْنَ بِأَهْلِيْهِمْ وَمَنْ أَطَاعَهُمْ وَالْمَدِيْنَةُ خَيْرٌ لَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ، وَتُفْتَحُ الْعِرَاقُ فَيَأْتِي قَوْمٌ يَبُسُّوْنَ فَيَتَحَمَّلُوْنَ بِأَهْلِيْهِمْ وَمَنْ أَطَاعَهُمْ وَالْمَدِيْنَةُ خَيْرٌ لَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ.

ترجمہ : سفیان بن ابی زہیرؓ کہتے ہیں: کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: کہ یمن فتح ہوگا تو ایک قوم اونٹوں کو ہانکتے ہوئے (مدینہ) آئیگی، تو اپنے گھر والوں کو اور جوان کے ساتھ جانا چاہیں گے ان کو لے کر جائیگی حالانکہ مدینہ ان کے لئے بہتر ہوگا، کاش! وہ لوگ جانتے، اور شام فتح ہوگا کچھ لوگ سواریاں ہانکتے ہوئے آئینگے، اور اپنے گھر والوں کو اور جوان کا کہنا مانیں گے (مدینہ سے) لے جائینگے حالانکہ مدینہ ان کے لئے بہتر ہوگا. کاش! وہ لوگ جانتے اور عراق فتح ہوگا (وہاں) سے کچھ لوگ آئیں گے اور اپنے گھر والوں کو اور جوان کا کہنا مانیں گے ان کو لے جائیں گے حالانکہ مدینہ ان کے لئے بہتر ہوگا، کاش! وہ لوگ جانتے۔

لغات: یبسون: (ن) بسًا. آہستہ آہستہ ہانکنا. یتحملون: (تفعل) اٹھانا اور جلدی جلدی چلنا۔

شرح حدیث: آپ ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ ایک وقت ایسا آئیگا کہ یمن، شام اور عراق فتح ہونگے اور مدینہ ہی کے کچھ باشندگان جب وہاں کی شادابی اور عیش وعشرت کو دیکھیں گے تو دوڑے دوڑے مدینہ آئیں گے، اور اپنے اپنے اہل وعیال اور ماتحتوں کو لے کر نکل جائیں گے، حالانکہ برکت، مہبط وحی اور روضۂ اطہر کی مجاورت کی وجہ سے مدینہ ان کے لئے بہتر ہوگا۔

اس حدیث سے مکہ کے علاوہ دیگر بلاد پر مدینہ کی فضیلت ثابت ہورہی ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ دراصل مکہ؛ پر مدینہ کی فضیلت ثابت کرنا ہے اور اسپر کوئی

دلالت نہیں ہے۔ (اُوجز ج ٦ ص ١١٩ مرقات ج ٥ ص ٢٢٨)

(٦) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَتَتْرُكُنَّ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى أَحْسَنِ مَا كَانَتْ حَتّٰى يَدْخُلَ الْكَلْبُ أَوِالذِّئْبُ فَيُغَذِّيْ عَلٰى بَعْضِ سَوَارِيْ الْمَسْجِدِ أَوْ عَلَى الْمِنْبَرِ. فَقَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَلِمَنْ تَكُوْنُ الثِّمَارُ ذٰلِكَ الزَّمَانَ. قَالَ: لِلْعَوَافِيْ الطَّيْرِ وَالسِّبَاعِ.

ترجمہ: حضرت ابوھریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم ضرور مدینہ کو (پہلے سے) بہتر حالت پر چھوڑ و گے، یہاں تک کہ کتا، یا بھیڑ یا داخل ہوگا پھر مسجد یا اس کے کسی ستون اور دیوار پر پیشاب کریگا، تو صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس زمانے میں مدینہ کے پھل کس کے لئے ہوں گے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: عوافی یعنی پرندوں اور درندوں کے لئے ہوں گے۔

لغات: یغذی: (تفعیل) (ن) الجمل ببولہ۔ تھوڑا تھوڑا پیشاب کرنا۔ العوافی: عافیۃ کی جمع ہے، ہر وہ مخلوق جو رزق کی تلاش میں سرگرداں ہوں، سواری: ساریۃ کی جمع ہے، ستون، کھمبا۔

شرح حدیث: یعنی مدینہ کی حالت پھل، سرسبز و شادابی کے اعتبار سے بہتر ہونے کے باوجود تم مدینہ چھوڑ کر چلے جاؤ گے حتّٰی کہ مدینہ میں رہنے والا کوئی نہ ہوگا، کتے یا بھیڑیے مسجد کی دیواروں اور منبر پر پیشاب کریں گے ان کو روکنے والا کوئی نہ ہوگا، صحابہ کرامؓ نے استفسار کیا: یارسول اللہ! جب مدینہ لوگوں سے خالی ہوگا اور پھل کثرت سے ہوں گے تو وہ پھل کون کھائے گا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ پرندے اور درندے جو رزق کی تلاش میں رہتے ہیں یا ویران جگہ کو اپنا مسکن بناتے ہیں۔

فائدہ: بعض علماء کے نزدیک وہ زمانہ گزر چکا ہے اور صحیح یہ ہے کہ قربِ قیامت میں ایسا ہوگا چنانچہ بخاری شریف کی روایت ہے ان چرواہوں کے سلسلے میں جو اپنی بکریاں لے کر مدینہ کی طرف چلیں گے جب مدینہ کے قریب پہنچیں گے تو منہ کے بل گر جائیں گے۔ (تفصیل کے لئے اُوجز دیکھئے، ص: ١٢٢)

(۷) مَالِکٌ أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ عُمَرَبْنَ عَبْدِالْعَزِیْزِ حِیْنَ خَرَجَ مِنَ الْمَدِیْنَةِ اِلْتَفَتَ اِلَیْهَا فَبَکٰی. ثُمَّ قَالَ: یَامُزَاحِمُ أَتَخْشٰی أَنْ نَکُوْنَ مِمَّنْ نَفَتِ الْمَدِیْنَةُ.

ترجمہ: امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ان کو یہ حدیث پہنچی ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ جب مدینہ سے نکلے تو مدینہ کی طرف متوجہ ہوکر رونے لگے، پھر فرمایا: اے مزاحم! کیا تم اس بات سے ڈرتے ہو کہ ہم (دونوں) ان لوگوں میں سے ہیں جن کو مدینہ نے نکال دیا ہو۔

شرح حدیث: حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا خوف کرنا اس حدیث کی وجہ سے تھا جو ماقبل میں گذری ہے: المدینة تنفی الناس. الخ. وہیں اس کی تفصیل گذر چکی ہے کہ وہ وعید ان لوگوں کے لئے ہے جو مدینہ سے بدظن ہوکر نکلیں گے اور یہاں آپ محبت اور مدینہ سے جدائی کی وجہ سے رو رہے ہیں اور اہل تقویٰ بظاہر سنت اور حدیث کی مخالفت سے دہل جاتے ہیں، کما قال ابن أبی ملیکة: أدرکت ثلاثین من اصحاب النبی ﷺ: کلهم یخاف النفاق علی نفسه.

باب ماجاء فی تحریم المدینة

مدینہ منورہ کی حرمت کا بیان

حرم مکی وحرم مدنی کا حکم اور ائمہ کا اختلاف:

اس میں شک نہیں کہ حرم دو ہیں، حرم مکہ، حرم مدینہ، اسی لئے حرمین شریفین کہا جاتا ہے، لیکن دونوں کے حرم ہونے کی نوعیت الگ الگ ہے، حرم مکہ میں باہر سے آنے والا بغیر احرام کے داخل نہیں ہوسکتا ہے، برخلاف حرم مدینہ کے، کہ اس میں بغیر احرام کے داخل ہونا بالاتفاق جائز ہے۔ البتہ بعض نوعیت واحکام مختلف فیہ ہیں۔

چنانچہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جس طرح حرم مکہ کے درختوں کو کاٹنا، وہاں شکار کرنا حرام

ہے اسی طرح حرم مدینہ کا حکم ہے کہ وہاں درختوں کو کاٹنا، شکار کرنا حرام ہے۔ لیکن اس میں جزا واجب ہوگی یا نہیں؟ اس میں ائمہ ثلاثہ کے مابین اختلاف ہے۔

چنانچہ امام مالکؒ کا مذہب، امام احمد کی ایک روایت اور امام شافعیؒ کا قولِ جدید یہ ہے کہ جزا واجب نہ ہوگی۔ اور امام شافعیؒ کا قولِ قدیم، اور امام احمدؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ اسی طرح جزا واجب ہوگی جس طرح حرم مکہ میں واجب ہوتی ہے۔ اور ایک قول: ''اخذ السلب'' ہے۔ (بدن کے ستر سے زائد کپڑے اور ساتھ کا سامان لے لینا) (اُوجز ج:۶ص:۳۳)

اور احناف کے نزدیک حرم مدینہ کا وہ حکم نہیں ہے جو حرم مکہ کا ہے کہ وہاں کے درختوں کو کاٹنا اور شکار کرنا حرام ہے، بلکہ مدینہ کے حرم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ معظم و محترم جگہ ہے، اس کی شان کے خلاف وہاں کوئی کام نہ کیا جائے۔

جمہور کے دلائل

(۱) عن عليؓ ان رسول الله ﷺ قال: المدينة حرام مابين عير الى ثور، (متفق عليه) نبی ﷺ نے مدینہ کا حرم دو پہاڑوں کے درمیان یعنی عیر اور ثور کے درمیان قرار دیا۔

(۲) انی احرم مابين لا بتي المدينة أن يقطع عضاضها. (رواه مسلم)

(۳) ان ابراهيم حرّم مكة واني حرمت المدينة. (حواله بالا)

اس قسم کی احادیث سے صراحتاً مدینہ کا حرم ہونا ثابت ہو رہا ہے اس کے علاوہ تحریم مدینہ پر دلالت کرنے والی احادیث امام مالکؒ نے مؤطا میں ذکر کی ہیں، اپنے اپنے موقع پر اس کی تفصیل اور جواب آئیگا، ان شاء اللہ۔

احناف کے دلائل:

(۱) ان رسول الله ﷺ قال: لاتخبط منها شجرة الا لِعلفٍ. (مسلم)
یعنی جانوروں کی خوراک کے لئے مدینہ کے درخت سے پتے جھاڑ سکتا ہے، حالانکہ حرم مکہ

کے درختوں کے پتے کسی حالت میں جھاڑنا درست نہیں۔

(۲) عن أنس كان النبي ﷺ أحسن الناس خلقاً و كان لي أخ يقال له: عمير وهو فطيم، كان اذاجاء قال: يا ابا عمير! مافعل النغير؟ (اعلاء السنن)

امام طحاویؒ نے فرمایا: یہ واقعہ مدینہ کا ہے، اگر مدینہ کے شکار کا وہی حکم ہوتا جو مکہ کا ہے تو آپ ﷺ اس سے کھیلنے کی اجازت نہ دیتے۔

جمہور کے دلائل کے جواب: (۱) امام طحاویؒ سے منقول ہے کہ جن احادیث میں مدینہ کے لئے حرم ثابت کیا گیا ہے ممکن ہے یہ حکم اس وقت کا ہو جب ہجرت الی المدینہ واجب تھی تاکہ مدینہ کی زینت باقی رہے، اور زینت کی بقاء ہجرت کا ذریعہ ثابت ہوئی، اور جب ہجرت منسوخ ہوگئی تو تحریم بھی منسوخ ہوگئی چنانچہ اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں آپ ﷺ نے مدینہ کی اونچی دیواروں کو منہدم کرنے سے منع فرمایا تھا، ان النبي ﷺ نهىٰ عن هدم اطام المدينة فانها من زينة المدينة.

(۲) نبی اکرم ﷺ نے جو ''احرم'' فرمایا وہ تحریم سے نہیں بلکہ حرمت بمعنی عظمت سے ماخوذ ہے، اور احناف اسی عظمت کے قائل ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ طَلَعَ لَهُ أُحُدٌ. فَقَالَ: هٰذَاجَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ، اَللّٰهُمَّ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ حَرَّمَ مَكَّةَوَاُحَرِّمُ مَابَيْنَ لَابَتَيْهَا.

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو احد پہاڑ نظر آیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ وہ پہاڑ ہے کہ وہ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں، اے اللہ! ابراہیم نے مکہ کو حرام کیا ہے اور میں مدینہ کے دونوں لابوں یعنی سیاہ پتھر والی زمین کے درمیان کی جگہ کو حرام کرتا ہوں۔

لغات: اَللَّابَةُ: سیاہ پتھر والی زمین، ج، لَابَاتٌ. والمراد بها طرفا المدينة. (مرقات؛ ج: ۵ ص ۶۳۳)

جب آپ غزوۂ خیبر، یا غزوۂ تبوک، یا سفرِ حج سے، (علی اختلاف الروایات) واپس مدینہ تشریف لا رہے تھے، تو جب مدینہ کے قریب پہنچے اور احد پہاڑ نظر آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے، اب سوال یہ ہے کہ پہاڑ غیر ذوی العقول ہے تو اس کی آپ ﷺ سے محبت کے کیا معنی ہیں؟

شراح حدیث نے اس کی مختلف توجیہات ذکر کی ہیں:

(۱) یہاں مضاف محذوف ہے "أي اهل أُحُد"، اور اس سے مراد انصار ہیں۔

(۲) جب ہر چیز تسبیح کر سکتی ہے تو محبت غیر ممکن نہیں ہے، وَاِنْ مِنْ شَيْءٍ اِلاَّ يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ، وَلٰكِنْ لاتَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ. (الآية) اسی لئے آپ ﷺ نے ذوی العقول کے درجہ میں اتار کر یہ جملہ ارشاد فرمایا۔

(۳) اللہ تعالیٰ بعض جمادات میں محبت پیدا کرنے پر قادر ہیں، جیسے اسطوانہ حنانہ کا آپ کی جدائی پر رونا۔ (أوجز. ج.۵ ص.۶۳۲.)

اللّٰهم ان ابراهيم .الخ، أئمہ ثلاثہؒ نے اس حدیث سے استدلال کیا، اور حرم مدنی کو بھی حرم مکی کی طرح قرار دیا، اور احناف کے یہاں تحریم بمعنی حرمت وعظمت ہے. جیسا کہ ماقبل میں گذرا۔

(۲) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَؓ أَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ: لَوْ رَأَيْتُ الظِّبَاءَ تَرْتَعُ بِالْمَدِيْنَةِ مَاذَعَرْتُهَا. قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَا بَيْنَ لاَ بَتَيْهَا حَرَامٌ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے تھے: اگر میں ہرن کو مدینہ میں چرتے ہوئے دیکھوں تو اس کو خوفزدہ نہیں کروں گا کیوں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: مدینہ کے دونوں (لابوں) سیاہ پتھر والی زمین کے مابین حرم ہے۔

لغات: اَلظِّبَاءُ، واحد ظَبيٌ، ہرن، ترتع (ف) مویشی کا آزادی کے ساتھ شاداب جگہ میں چرنا، سیر ہو کر چارہ کھانا. ذعرتها (ف) خوف زدہ کرنا۔

(۳) عَنْ أَبِيْ أَيُّوْبَ الْاَنْصَارِيِّؓ أَنَّهُ وَجَدَ غِلْمَانًا قَدْ اَلْجَأُوْا ثَعْلَبًا اِلٰى زَاوِيَةٍ .فَطَرَدَهُمْ عَنْهُ. قَالَ مَالِكٌ: لاَ أَعْلَمُ اِلاَّ أَنَّهُ قَالَ: أَفِيْ حَرَمِ رَسُوْلِ

اللهِ ﷺ يُصنعُ هذا.

ترجمہ: حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے چند لڑکوں کو پایا جنہوں نے مدینہ کے کسی کنارے میں ایک لومڑی کو گھیر رکھا تھا تو آپؓ نے ان لڑکوں کو ان بچوں کو دور کر دیا. (بھگا دیا)

امام مالکؒ نے فرمایا: میرا غالب گمان یہ ہے کہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے فرمایا: کیا حرم نبوی میں اس طرح کا کام ہوتا ہے؟

لغات: الجاوا (افعال) مجبور کرنا. ثعلب: ج. ثعالب لومڑی. طرد: (ن) دھتکارنا، غلمان: واحد، غلام، بچہ۔

(۴) مَالكٌ عن رجلٍ قال: دخل عليّ زيدُ بنُ ثابتٍ وأنا بالأسواف وقد اصطدتُ نُهَسًا فأخذه من يدي فأرسله.

ترجمہ: ایک شخص نے کہا: میرے پاس حضرت زید بن ثابت اس وقت تشریف لائے جب میں مقام اسواف میں تھا، اور میں ایک پرندہ شکار کیا ہوا تھا، انہوں نے میرے ہاتھ سے لیکر اس کو چھوڑ دیا۔

اسواف: اطراف مدینہ میں ایک جگہ کا نام ہے. نہسا: چڑیا اور چیل نے جانوروں کا شکار کرنے والا بڑے پیر اور بڑی چونچ کا ایک پرندہ جو لوریا سے بڑا ہوتا ہے، اور اس کی دم ہلتی رہتی ہے، رجل: اس کا مصداق شرحبیل ابن سعد ہیں۔

شرح حدیث: سابقہ احادیث کی طرح ان احادیث سے بھی ائمہ ثلاثہ نے استدلال کیا ہے کہ مدینہ کے حرم کا وہی حکم ہے جو حرم مکہ کا ہے کہ وہاں شکار وغیرہ کرنا درست نہیں ہے۔

احناف ان احادیث کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ حرم مدنی میں کسی جانور کو چھیڑنا، گھیرنا اور شکار کرنا مناسب نہیں ہے، اس لئے کہ یہ حرم نبوی کی عظمت واحترام کے خلاف ہے، نہ یہ کہ جائز نہیں ہے۔

خلاصہ: یہ ہے کہ حرم مدنی کا بعینہ حرم مکی کی طرح حکم نہیں ہے، اگر بعینہ حکم مانیں تو باب کی روایات کا ان تمام روایتوں سے تعارض لازم آئے گا جن سے مدینہ میں شکار وغیرہ کا جواز منقول ہیں، مثلاً "سلمة بن الاكوع انه كان يصيد وياتي النبي ﷺ من صيده فابطا عليه فجاء فقال رسول الله ﷺ من الذى حبسك فقال يا رسول الله! انتفى عنا الصيد فصرنا نصيد مابين تيت الى قناة فقال رسول الله ﷺ لو كنت تصيد بالعقيق لشيعتك" پس تطبیق کی صورت یہ ہے کہ جن احادیث میں لفظ احرم یا "اللهم انى احرم المدينه مثل ما حرم ابراهيم" ہے یا تو تشبیہ کے لئے ہے، اور تشبیہ میں مشبہ کی من کل الوجوہ مشبہ بہ سے موافقت ضروری نہیں ہے، یا حرمت بمعنی تعظیم ہے نہ کہ شکار وغیرہ کا حرام ہونا۔ (فتح الملہم ص:۳۹۹ ج:۳)

باب ماجاء فى وباء المدينة

مدینہ کی وباء کا بیان

وباء: عام پھیلنے والی بیماری، خواہ بخار کی صورت میں ہو یا اسہال وغیرہ کی صورت میں ہو. بعض حضرات کے نزدیک وباء اور طاعون ایک ہی ہے. ابن الاثیر فرماتے ہیں: الطاعون: المرض العام. طاعون عام پھیلنے والی بیماری کو کہتے ہیں، اور الوباء: الذى يفسد له الهواء، فتفسد به الامزجة والأبدان. اور وباء آب وہوا کی خرابی ہے جو مزاج اور صحت پر اثر انداز ہو۔

ہجرت کے وقت مدینہ میں بہت زیادہ وباء تھی اور حضرت عائشہؓ کی حدیثِ باب سے پتہ چلتا ہے کہ مدینہ کی عام وباء بخار تھی، معلوم ہوا کہ وباء طاعون سے عام ہے، چنانچہ آگے حدیث آرہی ہے کہ مدینہ میں طاعون داخل نہ ہوگا اور جس حدیث میں ولا الطاعون انشاء اللہ آیا ہے یہ استثناء تبرک کے لئے ہے، والدليل على ان الطاعون غير الوباء مافى

البخاری ان الطاعون لا یدخل المدینه وقد وردفی حدیث عائشه قدمنا المدینة وھی اوباء ارض اللہ وغیر ذلک من الروایات الدالة علی ان الوباء کان بالمدینة (الی قولہ) ومن اطلق علی کل وباء طاعونا فبطریق المجاز (اوجز ص:۱۴۳)

(۱) عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنَّهَا قَالَتْ: لَمَّا قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْمَدِيْنَةَ وُعِكَ أَبُوْ بَكْرٍ وَبِلَالٌ. قَالَتْ: فَدَخَلْتُ عَلَيْهِمَا فَقُلْتُ: يَاأَبَتِ كَيْفَ تَجِدُكَ قَالَتْ: فَكَانَ أَبُوْ بَكْرٍ إِذَا أَخَذَتْهُ الْحُمّٰى يَقُوْلُ:

كُلُّ امْرِءٍ مُصَبَّحٌ فِيْ أَهْلِهِ ☆ وَالْمَوْتُ أَدْنٰى مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ

وَكَانَ بِلَالٌ إِذَا أُقْلِعَ عَنْهُ يَرْفَعُ عَقِيْرَتَهُ فَيَقُوْلُ:

أَلَالَيْتَ شِعْرِيْ هَلْ أَبِيْتَنَّ لَيْلَةً ☆ بِوَادٍ وَحَوْلِيْ إِذْخِرٌ وَجَلِيْلُ

وَهَلْ أَرِدَنْ يَوْمًا مِيَاهَ مَجَنَّةٍ ☆ وَهَلْ يَبْدُوَنْ لِيْ شَامَةٌ وَطَفِيْلُ

قَالَتْ عَائِشَةُ فَجِئْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ، فَأَخْبَرْتُهُ، فَقَالَ اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ إِلَيْنَا الْمَدِيْنَةَ كَحُبِّنَا مَكَّةَ أَوْ أَشَدَّ، وَصَحِّحْهَا، وَبَارِكْ لَنَا فِيْ صَاعِهَا وَمُدِّهَا، وَانْقُلْ حُمَّاهَا وَاجْعَلْهَا بِالْجُحْفَةِ.

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ (ہجرت کرکے) مدینہ تشریف لائے تو حضرت ابو بکرؓ و بلالؓ سخت بخار میں مبتلا ہو گئے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں ان کے پاس گئی، اور کہا: ابا جان! کیا حال ہے؟ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں: کہ حضرت ابوبکرؓ کو جب بھی بخار چڑھتا تو کہتے: ہر شخص کو اپنے خاندان میں صبح مبارک کہا جاتا ہے، حالانکہ موت اس کے جوتے کے تسمہ سے بھی زیادہ قریب ہے، اور حضرت بلالؓ کا بخار اترتا تو اپنی آواز بلند کرتے اور کہتے: سنو! کاش! مجھے معلوم ہوتا کہ میں کوئی رات وادیٔ مکہ میں گذاروں گا، اور میرے اردگرد اذخر اور جلیل گھاس ہوگی، اور کیا میں کسی دن مجنہ نامی چشمہ پر اتروں گا اور کیا میرے لئے شامہ اور طفیل (پہاڑ) ظاہر ہونگے۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، اور اس کی اطلاع دی، (آپ نے دعاء فرمائی) اے اللہ! مکہ کی محبت کی طرح ہمارے دلوں

میں مدینہ کی محبت ڈال دے، اور اس کو صحت افزا بنادے اور ہمارے لئے اس کے صاع اور مد میں برکت عطا فرما، اور اس کے بخار کو منتقل فرما اور اس کو مقامِ جحفہ میں بھیج دے۔

شرح حدیث: ابتداء میں مدینہ منورہ کی آب وہوا صحت کے لئے سازگار نہ تھی، حضرت عائشہؓ کے قول کے مطابق یہ وباء کی بستی تھی، (بخاری) اور دنیا میں سب سے زیادہ خراب فضا یہیں کی تھی، صحابہ ہجرت کر کے آئے تو بیمار ہو گئے، حضرت ابو بکرؓ، بلالؓ اور عامر بن فہیرہؓ سخت بیمار ہو گئے چونکہ ابھی پردہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا لہٰذا حضرت عائشہؓ ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئیں اور حضرت ابو بکرؓ و بلالؓ سے ان کی خیریت دریافت کی۔

حضرت صدیقؓ کا حال تو یہ تھا کہ بیماری میں دنیا کی بے ثباتی کو یاد کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ لوگ صبح کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو دعاء دیتے ہیں، صبحک اللہ بخیر اور یہ خبر نہیں ہوتی کہ موت تسمہ سے بھی زیادہ قریب ہے۔

اور حضرت بلالؓ درد بھری آواز میں اشعار پڑھتے تھے جو مکہ مکرمہ کی یاد پر مشتمل تھے، ان کا مفہوم یہ ہے۔

کاش! مجھے یہ معلوم ہوتا کہ میں ایسی زمین پر رات گذاروں جہاں میرے اردگرد اذخر اور جلیل گھاس ہو، (یہ دونوں گھاس مکہ کے اطراف میں ہوتی ہے)۔

اور یہ معلوم ہوتا کہ میں کسی دن مجنہ کے چشمے سے پانی پی سکوں اور شام وطفیل پہاڑ دیکھ سکوں، (مجنہ مکہ کے قریب ایک مقام کا نام ہے، اور شام وطفیل مکہ کے قریب دو پہاڑیاں ہیں) الغرض مکہ کی زندگی کو یاد کرتے۔

حضرت عائشہؓ نے نبی اکرم ﷺ کو صورتِ حال کی خبر دی تو آپ ﷺ نے دعاء فرمائی، الٰہی! ہمارے دلوں میں مدینہ کی محبت پیدا کر دے، صاع اور مد میں برکت دے، آب وہوا درست فرما دے، اور اس کا بخار جحفہ کی طرف منتقل فرما دے، (اس وقت مقامِ جحفہ میں یہود رہتے تھے، حاشیہ ۸) اے اللہ! مکہ کے مقابلے مدینہ کو زیادہ محبوب بنا۔

آپ ﷺ کی دعاء کی برکت سے مدینہ کی آب وہوا درست ہو گئی اور مہاجرین کے دل جم گئے۔ (أوجز، مرقات، ایضاح البخاری)

(۲) مَالِكٌ وَحَدَّثَنِیْ يَحْيٰ بْنُ سَعِيْدٍ اَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ: وَكَانَ عَامِرُ بْنُ فُهَيْرَةَ يَقُوْلُ: قَدْ رَأَيْتُ الْمَوْتَ قَبْلَ ذَوْقِهٖ، اِنَّ الْجَبَانَ حَتْفُهٗ مِنْ فَوْقِهٖ.

ترجمه: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ عامر بن فہیرہ کہتے تھے کہ میں نے موت کو اس کا مزہ چکھنے سے پہلے دیکھ لیا، بزدل کی موت اوپر سے آتی ہے۔

شرح حدیث: بخار کی شدت اتنی تھی گویا مجھے موت سے پہلے موت کا احساس ہو گیا اور چند لوگ بزدلی کی وجہ سے موت کے اسباب سے بہت ڈرتے ہیں مگر موت جب آفت سماویہ کی طرح اترتی ہے تو انسان مجبور ہو جاتا ہے، گویا موت ہمہ وقت سر پر ہے۔

(۳) عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهٗ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَلٰى أَنْقَابِ الْمَدِيْنَةِ مَلٰئِكَةٌ لَا يَدْخُلُهَا الطَّاعُوْنُ وَلَا الدَّجَّالُ.

ترجمه: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مدینہ منورہ کے راستوں پر فرشتے مقرر ہیں، اس میں نہ طاعون داخل ہو سکتا ہے نہ دجال۔

لغت: أنقاب: نُقْبٌ کی جمع ہے، بمعنیٰ سوراخ (ن) الحائط: دیوار میں سوراخ کرنا، مراد مطلق داخل ہونے کا راستہ ہے۔

شرح حدیث: مدینہ منورہ کے تمام دروازوں پر فرشتے مقرر ہیں اس میں نہ طاعون داخل ہو سکتا ہے نہ دجال داخل ہو سکتا ہے، اس حدیث میں طاعون اور دجال دونوں کے بارے میں آیا ہے کہ مدینہ منورہ ان دونوں سے محفوظ کر دیا گیا ہے، ایک روایت میں ولا الطاعون ان شاء اللہ آیا ہے، یہ استثناء صرف طاعون سے متعلق ہے دجال سے متعلق نہیں ہے، بدبخت دجال مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے قاصر رہیگا۔ (اور تفسیر ماقبل میں گذر چکی ہے کہ وباء عام ہے وہ مدینہ میں آسکتی ہے، البتہ مدینہ میں طاعون داخل نہ ہوگا، اور استثناء تبرک کے لئے ہے)

فائدہ: قربِ قیامت میں مدینہ کے سات دروازے ہوں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مدینہ منورہ کا کوئی سور البلد یعنی شہر کا احاطہ کرنے والی کوئی دیوار نہ تھی، بعد میں سلاطین نے سور البلد تعمیر کیا۔

باب ماجاء
فی اجلاء الیهود من المدینة
مدینہ سے یہود کی جلاوطنی کا بیان

قال الزرقانی: الاجلاء أی اخراجهم من جزیرة العرب، ومنها المدینة التی الکلام فیها.

اجلاء: جزیرۃ العرب سے نکالنا اور مدینہ جزیرۃ العرب میں داخل ہے۔ (اوجز،ص:۱۳۳)
اس تاویل کی ضرورت اس لئے پڑی کہ اس باب میں احادیث جزیرۃ العرب سے نکالنے سے متعلق ہیں نہ کہ خاص مدینہ سے، اور مدینہ جزیرۃ العرب میں داخل ہے، لہٰذا باب کو مدینہ سے متعلق قرار دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

یہود کی جلاوطنی کا پس منظر:

نبی اکرم ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ پہنچے تو اسوقت وہاں کی آبادی مسلمان، یہود اور مشرکین پر مشتمل تھی، مشرکین کے دو مشہور قبیلے اوس وخزرج تھے جن کا لقب مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد انصار ہوا، اور یہود کے تین بڑے قبیلے وہاں آباد تھے، بنونضیر، بنوقریظہ اور بنوقینقاع، آپ ﷺ نے مدینہ پہنچنے کے بعد بالکل اوائل ہی میں یہودِ مدینہ سے امن وامان برقرار رکھنے کا معاہدہ کرلیا تھا مگر یہ لوگ اپنی سرشت کے مطابق عہد شکنی کرتے رہے چنانچہ سب سے پہلے بنوقینقاع نے عہد شکنی کی۔

یہ واقعہ ۲ ھ کا ہے، جب حضور ﷺ نے ان سے قتال کا ارادہ فرمایا تو وہ لوگ مقابلہ سے بچکر قلعہ بند ہوگئے، آپ نے ان کا محاصرہ فرمایا، جب وہ محاصرہ سے تنگ آگئے تو جلاوطنی منظور کر کے قلعہ سے نیچے اتر آئے اور ملکِ شام چلے گئے۔

اس کے بعد ۴ ھ میں بنونضیر نے مسلمانوں کے ساتھ بدعہدی کی، چنانچہ ان

سے مقابلے کی نوبت آئی تو وہ بھی قلعہ بند ہو گئے حتی کہ عاجز ہو کر جلا وطنی منظور کر لی، اور یہ لوگ مدینہ سے نکل کر خیبر میں جا بسے، اور خیبر یہود کا مرکز اور سازشوں کا اڈہ بن گیا، اس موقع پر بنو قریظہ سے مصالحت ہو گئی اور ان کو مدینہ میں برقرار رکھا گیا، لیکن ان لوگوں نے غزوۂ احزاب کے موقع پر مشرکین کا ساتھ دیا، چنانچہ آپ ﷺ نے غزوۂ احزاب سے فارغ ہو کر ۵ھ میں ان پر چڑھائی کی، تو وہ بھی قلعہ بند ہو گئے اور مجبور ہو کر قبیلۂ اوس کے مسلمانوں کو بیچ میں ڈالکر حضرت سعد بن معاذؓ کو حکم بنایا، انہوں نے ان کے مردوں کے قتل کا فیصلہ دیا اور تقریباً چار سو مردوں کو قتل کیا گیا، یہ بات پہلے آچکی ہے کہ بنو نضیر مدینہ سے اجڑ کر خیبر میں جا بسے تھے اور ہر وقت مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے، یہاں تک کہ ۷ھ میں آپ ﷺ نے ان پر چڑھائی کی، مسلمانوں کو فتح ہوئی غنیمت میں مسلمانوں کو بہت مال و دولت حاصل ہوئی، مگر ان کو وہاں سے نکالا نہیں گیا بلکہ ذمی بن کر رہے، اور مخابرۃ اور مساقات پر معاہدہ ہو گیا، اور اس بات پر معاہدہ ہوا کہ مسلمان جب چاہیں گے تمھیں یہاں سے نکال دیں گے، حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے زمانے تک وہ وہاں بسے رہے، پھر حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں ان کو اریحا اور تیماء کی طرف نکال دیا تھا۔ (مستفاد: الدر المنضود)

(۱) عَنْ اِسْمَاعِیْلَ بْنِ اَبِیْ حَکِیْمٍ اَنَّهُ سَمِعَ عُمَرَبْنَ عَبْدِالْعَزِیْزِ یَقُوْلُ کَانَ مِنْ اٰخِرِ مَاتَکَلَّمَ بِهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ قَالَ قَاتَلَ اللّٰهُ الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَائِهِمْ مَسَاجِدَ اَلاَ لاَیَبْقَیَنَّ دِیْنَانِ بِاَرْضِ الْعَرَبِ.

ترجمہ: اسماعیل بن ابی حکیم سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ کی باتوں میں سے آخری بات جسکا آپ ﷺ نے تکلم فرمایا، یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کو برباد کرے انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا، سنو! سرزمین عرب میں دو دین باقی نہ رہیں۔

شرح حدیث: آپ ﷺ کو مرض الموت میں یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں میرے اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد میری امت کے لوگ میری قبر کی عبادت نہ کرنے لگیں، جیسے یہود ونصاریٰ نے اپنے اپنے پیغمبروں کی قبروں کی عبادت کا رواج ڈال لیا تھا، لہٰذا آپ نے اس فعل کی حرمت، قباحت اور شناعت کو دلوں میں بٹھانے کے لئے یہود ونصاریٰ پر لعنت فرمائی، اور اپنی امت کو سختی سے منع کر دیا۔

قبر پر مسجد بنانا: قبورِ انبیاء کو سجدہ گاہ بنانے کے دو مطلب ہیں۔

(۱) قبر کی تعظیم کی غرض سے قبر ہی کو سجدہ کرنا یا اس طرح مسجد بنانا کہ دورانِ نماز قبر کا مواجہہ ہو، تو یہ شرک جلی ہے۔

(۲) مسجد اس طرح بنانا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ انبیاء کرام کی بھی تعظیم ہو جائے، تو یہ شرک خفی ہے۔ (مرقات. ج۲ص.۳۸۶.)

فائدہ: اگر قبرستان کے آس پاس زائرین کے قیام، نماز اور دیگر سہولتوں کے پیشِ نظر مسجد بنائی جائے، تو جائز ہے، بشرطیکہ مسجد بنانے سے مقصود اس بزرگ کی تعظیم یا اس کی روحانیت کی طرف توجہ کرنا نہ ہو۔ (تحفۃ الألمعی، ج:۲ص:۱۳۷)

علامہ تورپشتی نے قبر پرستوں کی مشابہت کی وجہ سے اس صورت کو بھی ناجائز لکھا ہے۔ (اور دورِ حاضر کی بدعات ورسومات کے لحاظ سے سدِ باب کے طور پر یہی مناسب معلوم ہوتا ہے) (أوجز ص۱۳۶.)

لا یبقین دینان: ارضِ عرب سے مراد جزیرۃ العرب ہے جیسا کہ آئندہ حدیث میں صراحت ہے۔

اس کی تفصیل وہیں آئیگی. انشاء اللہ تعالیٰ۔

(۲) عَنْ ابنِ شِهَابٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَا تَجْتَمِعُ دِيْنَانِ فِيْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ، قَالَ مَالِكٌ: قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَتَفَحَّصَ عَنْ ذٰلِكَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ حَتّٰى أَتَاهُ الثَّلْجُ وَالْيَقِيْنُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَا تَجْتَمِعُ دِيْنَانِ فِيْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ فَأَجْلٰى يَهُوْدَ خَيْبَرَ، قَالَ مَالِكٌ: وَقَدْ

أَجْلَى عُمَرُبْنُ الْخَطَّابِ يَهُوْدَ نَجْرَانَ وَفَدَكٍ. فَأَمَّا يَهُوْدُ خَيْبَرَ فَخَرَجُوْا مِنْهَا لَيْسَ لَهُمْ مِنَ الثَّمَرِ وَلاَ مِنَ الْأَرْضِ شَيْئٌ. وَأَمَّا يَهُوْدُ فَدَكٍ فَكَانَ لَهُمْ نِصْفُ الثَّمَرِ وَنِصْفُ الْأَرْضِ. لِأَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ كَانَ صَالَحَهُمْ عَلٰى نِصْفِ الثَّمَرِ وَنِصْفِ الْأَرْضِ فَأَقَامَ لَهُمْ عُمَرُ نِصْفَ الثَّمَرِ وَنِصْفَ الْأَرْضِ قِيْمَةً مِنْ ذَهَبٍ وَوَرِقٍ وَإِبِلٍ وَحِبَالٍ وَأَقْتَابٍ ثُمَّ أَعْطَاهُمُ الْقِيْمَةَ وَأَجْلاَهُمْ مِنْهَا.

ترجمہ: ابن شہاب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جزیرۂ عرب میں دو دین نہ رہیں، امام مالکؒ نے فرمایا: ابن شہابؒ نے کہا: کہ حضرت عمرؓ نے اس حدیث کی چھان بین کی جب ان کو اطمنان ویقین ہوگیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ جزیرۂ عرب میں دو دین نہ رہیں، تو انہوں نے خیبر کے یہودیوں کو وہاں سے نکال دیا، اور نجران وفدک کے یہودیوں کو بھی نکال دیا، لیکن خیبر کے یہودی تو وہ اسطرح سے نکلے کہ نہ تو ان کے لئے زمین تھی اور نہ پھل، رہی بات فدک کے یہودیوں کی تو ان کے لئے آدھا پھل تھا، اور آدھی زمین.

کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے آدھے پھل اور آدھی زمین پر صلح کرلی تھی، تو حضرت عمرؓ نے آدھے پھل اور آدھی زمین کی قیمت، سونا، چاندی، اونٹ، رسی اور پالان سے لگائی پھر وہ قیمت ان کے حوالے کردی، اور وہاں سے ان کو نکالدیا۔

لغات: أقام بمعنىٰ قوّم، تفحص: (تفعل) عن شيی، کھود کرید کرنا، اچھی طرح جانچنا، ثلج قلبه دل کا مطمئن ہونا، حبال: رسّی، واحد حبل، باندھنے کی چیز، أقتاب: واحد قتب، کجاوہ جو کوہان کے بقدر ہو، پالان: وہ گدگدا کپڑا جو گدھے یا اونٹ کی پیٹھ پر بچاؤ کے لئے ڈالتے ہیں۔ (فیروز)

شرح حدیث: آپ ﷺ نے اپنے زمانۂ حیات میں غیر مسلموں کو جزیرۃ العرب سے نہیں نکالا تھا، چونکہ اس وقت تک اسلامی حکومت جزیرۃ العرب سے باہر قائم

نہیں ہوئی تھی، (تفصیل آگے آرہی ہے) لیکن آپ ﷺ نے اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو وصیت کی کہ مشرکین کو جزیرۃ العرب سے باہر کیا جائے، جب حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں اسلامی حکومت دور دراز تک پھیل گئی تو حضرت عمرؓ نے اس پر عمل کیا، چونکہ یہودِ خیبر سے نبی اکرم ﷺ کا کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا بلکہ وہ از خود قلعہ سے اترے، یہ تو آپ ﷺ ہی کی ذاتِ گرامی تھی کہ ان سے مساقات ومخابرۃ کا معاہدہ کیا، (جیسا کہ ماقبل میں پس منظر کے تحت گذرا) اس لئے حضرت عمرؓ نے ان کو کچھ نہ دیا۔ اور فدک کے یہود سے نبی اکرم ﷺ یا آپ کے نمائندہ (محیصہ بن مسعود) کا نصف زمین اور پھل پر معاہدہ ہوا تھا، اس لئے حضرت عمرؓ نے اس وقت اسکی جو قیمت بنتی تھی ادا کر کے اس وصیت پر عمل کیا۔

جزیرۃ کا مفہوم: جزیرۃ زمین کے اس حصے کا نام ہے جس کے چاروں طرف پانی ہو، عرب کے تین جانب سمندر یا دریا ہے اور جانبِ شمال ملکِ شام سے متصل آبادی ہے، لہٰذا عرب کو جزیرۃ کہنا اکثر جانب کی وجہ سے ہے۔

جزیرۃ العرب کی تحدید اور مصداق: اس میں تین قول ہیں:

(۱) مکہ، مدینہ، یمامہ یہ قول امام مالکؒ کی طرف منسوب ہے۔ (اوجز ۱۳۸)

(۲) بحرِ ہند سے لیکر شام تک اور دجلہ وفرات کا درمیانی حصہ۔

(۳) عدن سے لیکر شام تک لمبائی میں اور جدہ سے لیکر عراق تک چوڑائی میں۔ (حاشیہ:۱۱)

تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ غیر مسلموں کو جزیرۃ العرب سے نکال دیا جائے گا اور ان کو اس کے کسی بھی خطہ میں مستقل سکونت اختیار کرنے کی اجازت نہ ہوگی، البتہ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک چونکہ جزیرۃ العرب کا مصداق مکہ، مدینہ، اور یمامہ ہے، لہٰذا ان کے نزدیک اخراج کا حکم بھی ان ہی تین جگہوں تک منحصر ہوگا، اور امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک جزیرۃ العرب کی تحدید میں وسعت (عدن سے شام تک، اور جدہ سے عراق تک) ہے، لہٰذا حکم بھی وہاں تک عام ہوگا۔

غیر مسلموں سے جزیرۃ العرب کا تخلیہ کرنا:

جزیرۃ العرب میں یہود و نصاریٰ اور مشرکین کو نہیں رکھا جائیگا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے فرمایا: غیر مسلموں سے جزیرۃ العرب کا تخلیہ تین وجوہ سے ضروری ہے۔

(۱) آنحضرت ﷺ جانتے تھے کہ زمانہ ہمیشہ ایک حالت پر نہیں رہتا ہے، کبھی اسلام کمزور پڑسکتا ہے اور اس کی جمعیت پراگندہ ہوسکتی ہے۔ ایسے وقت میں اگر اسلام کے مرکز اور جڑ میں غیر مسلم ہوں گے تو حرماتِ دین کی پردہ دری ہوگی اس لئے آپ ﷺ نے مدینہ کے اردگرد اور مکہ مکرمہ سے غیر مسلموں کو نکال باہر کرنے کا حکم دیا۔

(۲) غیر مسلموں سے اختلاط لوگوں کے دین کے فساد کا سبب ہے، اور وہ لوگوں کے مزاجوں میں تبدیلی پیدا کردیتا ہے، پس اگر مسلمانوں کے دیگر ممالک میں اختلاط ناگزیر ہے تو کم از کم حرمین شریفین کو ان سے پاک رکھنا ضروری ہے۔

(۳) نبی اکرم ﷺ پر وہ بات منکشف ہوئی جو آخر زمانہ میں پیش آنے والی ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ یقیناً ایمان مدینہ، کی طرف کو سمٹ کر آجائیگا جس طرح سانپ اپنے بل کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ باب الاعتصام)

یعنی خالص دین مدینہ منورہ ہی میں باقی رہیگا اور یہ بات اسی وقت ممکن ہے جب وہاں دیگر مذاہب کا کوئی شخص موجود نہ ہو۔ (مستفاد از تحفۃ القاری. ج.۶ ص ۴۴۶)

فائدہ: آنحضرت ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں غیر مسلموں کو جزیرۃ العرب سے نہیں نکالا تھا، اس لئے کہ اس وقت تک اسلامی حکومت جزیرۃ العرب سے باہر قائم نہیں ہوئی تھی، اور حکومت کسی ملکی یا مذہبی مصلحت سے غیر مسلموں کو ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں منتقل کرسکتی ہے مگر مملکت سے باہر نہیں نکال سکتی ہے، یہ ظلم ہے اس لئے آپ ﷺ نے غیر مسلموں کو حدودِ مملکت سے باہر نہیں نکالا۔

مگر آخر حیات میں فرمایا: اگر میں زندہ رہا تو ان شاء اللہ یہود و نصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے باہر کردونگا۔ (ابوداؤد. کتاب الجزا)

اور آپ ﷺ نے اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو وصیت کی کہ مشرکین کو جزیرۃ العرب سے باہر کیا جائے۔

پھر جب دورِ فاروقی میں اسلامی مملکت پھیل گئی تو آپ ﷺ نے جو وصیت کی تھی حضرت عمرؓ نے اس پر عمل کیا اور تمام غیر مسلموں کو جزیرۃ العرب سے باہر کیا، اور ان کو ملک شام میں آباد کیا۔ (تحفۃ القاری. ج.٦ ص٤٤٦. وتحفۃ الألمعی. ج ٢ ص ٥٤٥.)

جامع ماجاء فی امر المدینة

مدینہ کے بارے میں متفرق روایات

(١) عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيْهِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ طَلَعَ لَهُ أُحُدٌ. فَقَالَ: هٰذَا جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ.

ترجمہ: عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں: کہ نبی پاک ﷺ کے سامنے احد پہاڑ نمودار ہوا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے۔

تشریح: پہاڑ کا محبت کرنا حقیقت پر بھی مبنی ہوسکتا ہے اور مجاز پر بھی، آپ ﷺ نے یہ الفاظ کئی بار سفر سے واپسی پر فرمائے تھے، (تفصیل گذر گئی ہے)

(٢) عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ أَنَّ اَسْلَمَ مَوْلٰى عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ زَارَ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عَيَّاشٍ اَلْمَخْزُوْمِيَّ فَرَأٰى عِنْدَهُ نَبِيْذًا وَهُوَ بِطَرِيْقِ مَكَّةَ، فَقَالَ لَهُ اَسْلَمُ: اِنَّ هٰذَا الشَّرَابَ يُحِبُّهُ عُمَرُبْنُ الْخَطَّابِ فَحَمَلَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَيَّاشٍ قَدَحًا عَظِيْمًا فَجَاءَ بِهٖ اِلٰى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَوَضَعَهُ فِيْ يَدِهٖ فَقَرَّبَهُ عُمَرُ اِلٰى فِيْهِ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ عُمَرُ: اِنَّ هٰذَاالشَّرَابَ طَيِّبٌ فَشَرِبَ مِنْهُ ثُمَّ نَاوَلَهُ رَجُلاً عَنْ يَمِيْنِهٖ فَلَمَّا أَدْبَرَ عَبْدُاللّٰهِ نَادَاهُ عُمَرُبْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ: أَنْتَ الْقَائِلُ: لَمَكَّةُ خَيْرٌ مِّنَ الْمَدِيْنَةِ فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ: فَقُلْتُ: هِيَ حَرَمُ اللّٰهِ. وَأَمْنُهُ وَفِيْهَا بَيْتُهُ، فَقَالَ عُمَرُ: لاَ أَقُوْلُ فِيْ بَيْتِ اللّٰهِ وَلاَ فِيْ حَرَمِهٖ شَيْأً، ثُمَّ قَالَ عُمَرُ: أَنْتَ الْقَائِلُ: لَمَكَّةُ خَيْرٌ مِنَ الْمَدِيْنَةِ، قَالَ: فَقُلْتُ: هِيَ حَرَمُ اللّٰهِ وَأَمْنُهُ

وَفِيهَا بَيْتُهُ، فَقَالَ عُمَرُ: لَا أَقُولُ فِي حَرَمِ اللّٰهِ وَلَا فِي بَيْتِهِ شَيْئاً. ثُمَّ انْصَرَفَ.

ترجمہ: حضرت اسلم جو حضرت عمرؓ کے آزاد کردہ غلام ہیں، انہوں نے کہا: کہ وہ عبداللہ بن عیاش مخزومی سے ملاقات کے لئے گئے، تو انہوں نے ان کے پاس نبیذ دیکھی جبکہ وہ مکہ کے راستے میں تھے، اسلم نے کہا: کہ یہ مشروب حضرت عمرؓ کو بہت پسند ہے، عبداللہ بن عیاش نے ایک بڑا پیالہ بھر کر حضرت عمرؓ کے پاس لائے اور ان کے سامنے رکھ دیا، حضرت عمرؓ نے اس کو اپنے منہ سے قریب کیا پھر سر اٹھایا اور کہا: یہ مشروب بہت اچھا ہے، آپ نے اس سے (تھوڑا) پیا، پھر اس شخص کو جوان کی دائیں جانب بیٹھا تھا دیدیا، جب حضرت عبداللہ (واپس) جانے کے لئے مڑے تو حضرت عمرؓ نے ان کو بلایا اور کہا: تو کہتا ہے: کہ مکہ مدینہ سے بہتر ہے؟ تو عبداللہ بن عیاش کہتے ہیں کہ میں نے کہا: کہ وہ اللہ کا حرم ہے، اور امن کی جگہ ہے اور وہاں اللہ کا گھر ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا: کہ میں اللہ کے گھر اور حرم کے بارے میں کچھ نہیں کہتا، پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا، کہ مکہ مدینہ سے بہتر ہے؟ تو عبداللہ بن عیاش کہتے ہیں کہ میں نے کہا: کہ وہ اللہ کا حرم ہے اور امن کی جگہ ہے اور وہاں اللہ کا گھر ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں حرم اور اللہ کے گھر کے بارے میں کچھ نہیں کہتا، پھر عبداللہ بن عیاش چلے گئے۔

شرح حدیث: انت القائل الخ، حضرت عمرؓ کے اس سوال کے دو مقصد ہو سکتے ہیں۔

(۱) حضرت عمرؓ مکہ پر مدینہ کی افضیلت کے قائل ہوں اور بطور انکار سوال کر رہے ہوں۔

(۲) حضرت عمرؓ دونوں شہروں میں سے کسی کی کسی پر افضیلت کے قائل نہ ہوں، پہلا قول زیادہ بہتر ہے۔

فقال عمرؓ لا اقول الخ: جب حضرت عبداللہ بن عیاش نے مکہ کی افضیلت پر دلیل دی، کہ وہاں حرم الٰہی اور بیت اللہ ہے، تو جواب میں حضرت عمرؓ نے فرمایا: ان کی افضیلت کا کون انکار کر سکتا ہے، میرا سوال ان دونوں شہروں کے بارے میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عیاش نے آگے کچھ نہیں فرمایا، اور دونوں کی بحث کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔

نوٹ: بعض حضرات نے حضرت عمرؓ کی اس گفتگو سے یہ سمجھا ہے کہ حضرت عمرؓ مدینہ کی مکہ پر افضلیت کے قائل تھے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس گفتگو سے ان کا مقصد یہ ہو کہ ایک دوسرے کی فضیلت پر بحث نہیں کرنی چاہئے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ علی الاطلاق فضیلت کی بات مناسب نہیں ہے، اسی لئے حضرت عمرؓ نے بیت اللہ اور حرم کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔ (اوجز:۱۴۲)

باب ماجاء فی الطاعون

طاعون (پلیگ) کے بیان میں

طاعون فاعول کے وزن پر ہے، جمع طواعین ہے، یہ طعن بالرمح (نیزہ مارنا) سے ماخوذ ہے، اب اس بیماری کا نام ہوگیا ہے جسمیں کثرت سے اموات ہوں؛ چنانچہ معجم المعانی میں اس کی حقیقت یوں مذکور ہے: داء ورمی وبائی سببہٗ مکروب یصیب الفئران وتنقلہ البراغیث الی فئران اخریٰ والی الانسان.

طاعون وہ ایک ورم اور سوجن پیدا کرنے والی بیماری ہے، جو بے حد تکلیف دہ ہوتی ہے، اولاً کچھ مخصوص چوہوں کو لگتی ہے پھر مکھیاں دوسرے چوہوں اور انسانوں تک پھیلا دیتی ہے، صاحب نہایہ فرماتے ہیں کہ طاعون اس عام بیماری کا نام ہے جو آب وہوا کے بگڑنے کی وجہ سے صحت ومزاج کو متاثر کردے اور عام اموات ہو۔

طاعون اور وباء دونوں ایک ہیں یا الگ الگ ہیں؟

بعض حضرات کے نزدیک دونوں ایک ہی ہیں، قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں: طاعون اصل میں ان پھنسیوں کا نام ہے جو بدن میں نکلتی ہیں اور وباء عام بیماری کو کہتے ہیں، مگر کبھی کبھی ایک کو دوسرے کی جگہ استعمال کرلیتے ہیں، چونکہ دونوں سے اموات کثرت سے ہوتی ہیں۔

ورنہ حقیقت میں دونوں کے درمیان عموم وخصوص کی نسبت ہے، ہر طاعون وباء ہے مگر

ہر وباء طاعون نہیں ہے۔

طاعون کے بارے میں حدیث میں یہ بات بھی ملتی ہے کہ یہ بیماری جنات کے چھونے کی وجہ سے آتی ہے، اور رہی بات کہ رمضان میں شیاطین قید کر لئے جاتے ہیں، اور یہ بیماری رمضان میں بھی آتی ہے، تو اسکا جواب یہ ہے کہ رمضان سے پہلے چھوتا ہے اور اس کا اثر رمضان میں بھی ظاہر ہوتا ہے، یا شیاطین کو قید کر لیا جاتا ہے نہ کہ تمام جنات کو۔ (أوجز ص.۱۴۶)

(۱) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَيَّاشٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ خَرَجَ اِلَى الشَّامِ حَتّٰى اِذَا كَانَ بِسَرْغٍ لَقِيَهُ اُمَرَاءُ الْأَجْنَادِ أَبُوْ عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ وَأَصْحَابُهُ فَأَخْبَرُوْهُ أَنَّ الْوَبَاءَ قَدْوَقَعَ بِالشَّامِ فَقَالَ اِ بْنُ عَيَّاشٍ: قَالَ عُمَرُبْنُ الْخَطَّابِ: اُدْعُ لِيْ اَلْمُهَاجِرِيْنَ الْاَوَّلِيْنَ فَدَعَاهُمْ فَاسْتَشَارَهُمْ وَاَخْبَرَهُمْ اَنَّ الْوَبَاءَ قَدْ وَقَعَ بِالشَّامِ فَاخْتَلَفُوْا، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: قَدْخَرَجْتَ لِأَمْرٍ وَلَا نَرٰى أَنْ تَرْجِعَ عَنْهُ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: مَعَكَ بَقِيَّةُالنَّاسِ وَأَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَلَانَرٰى أَنْ تُقْدِمَهُمْ عَلٰى هٰذَا الْوَبَاءِ فَقَالَ: اِرْتَفِعُوْا عَنِّيْ ثُمَّ قَالَ: اُدْعُ لِيْ اَلْاَنْصَارَ فَدَعَوْتُهُمْ فَاسْتَشَارَهُمْ فَسَلَكُوْا سَبِيْلَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَاخْتَلَفُوْا كَاخْتِلَافِهِمْ فَقَالَ: اِرْتَفِعُوْا عَنِّيْ ثُمَّ قَالَ: اُدْعُ لِيْ مَنْ كَانَ هٰهُنَا مِنْ مَشْيَخَةِ قُرَيْشٍ، مِنْ مُهَاجِرَةِ الْفَتْحِ فَدَعَوْتُهُمْ فَلَمْ يَخْتَلِفْ عَلَيْهِ مِنْهُمْ رَجُلَانِ فَقَالُوْا نَرٰى أَنْ تَرْجِعَ بِالنَّاسِ وَلَا تُقْدِمْهُمْ عَلٰى هٰذَا الْوَبَاءِ فَنَادٰى عُمَرُ فِي النَّاسِ اِنِّيْ مُصْبِحٌ عَلٰى ظَهْرٍ فَأَصْبِحُوْا عَلَيْهِ فَقَالَ أَبُوْ عُبَيْدَةَ أَ فِرَارًا مِنْ قَدْرِاللّٰهِ، فَقَالَ عُمَرُ: لَوْ غَيْرُكَ قَالَهَا يَا أَبَاعُبَيْدَةَ! نَعَمْ! نَفِرُّ مِنْ قَدْرِاللّٰهِ اِلَى قدرالله، أَرَأَيْتَ لَوْكَانَتْ لَكَ اِبِلٌ فَهَبَطَتْ وَادِيًا لَهُ عُدْوَتَانِ اِحْدٰهُمَا مُخْصِبَةٌ وَأُخْرٰى جَدْبَةٌ، أَلَيْسَ اِنْ رَعَيْتَ الْخَصِبَةَرَعَيْتَهَا بِقَدْرِاللّٰهِ، وَاِنْ رَعَيْتَ الْجَدْبَةَ

رَعَيْتَهَا بِقَدْرِ اللّٰهِ، قَالَ: فَجَاءَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ وَكَانَ غَائِبًا فِيْ بَعْضِ حَاجَتِهِ، فَقَالَ: إِنَّ عِنْدِيْ مِنْ هٰذَا عِلْماً، سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: إِذَا سَمِعْتُمْ بِهِ بِأَرْضٍ فَلَا تَقْدَمُوْا عَلَيْهِ، وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوْا فِرَارًا مِّنْهُ، فَحَمِدَاللّٰهَ عُمَرُ ثُمَّ انْصَرَفَ.

ترجمہ: عبداللہ بن عیاشؓ سے روایت ہے: کہ حضرت عمر بن خطابؓ شام تشریف لے گئے، تو جب مقام ''سرغ'' میں پہنچے تو ان سے فوجیوں کے سپہ سالاروں نے ملاقات کی یعنی ابوعبیدہ بن الجراح اور ان کے ساتھیوں نے، انہوں نے حضرت عمرؓ کو بتایا کہ شام میں طاعون کی وباء پھیل گئی ہے، ابن عیاش نے فرمایا: کہ حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا: میرے پاس مہاجرین اولین کو بلا کر لاؤ، تو انہوں نے انکو بلایا اور ان سے مشورہ کیا اور ان کو بتایا کہ شام میں وباء پھیل گئی ہے، (لہٰذا وہاں جانا بہتر ہے یا نہیں) ان میں اختلاف ہوگیا، بعض نے کہا: آپ جس کام کے لئے آئے ہیں ہماری رائے یہ ہے کہ اس سے واپس پھر جانا ٹھیک نہیں ہے، بعض نے کہا: کہ آپ کے ساتھ انسانوں کا بہترین طبقہ ہے، اور رسول اللہ ﷺ کے اصحاب ہیں، ہماری رائے یہ ہے کہ ان کو اس وباء میں لے جانا ٹھیک نہیں ہے. حضرت عمرؓ نے فرمایا: آپ حضرات جا سکتے ہیں، پھر حضرت عمرؓ نے انصار کو بلانے کا حکم دیا (ابن عیاش کہتے ہیں) میں نے انصار کو بلایا ان سے حضرت عمرؓ نے مشورہ کیا، انہوں نے بھی مہاجرین کا راستہ اختیار کیا اور انہی کی مانند اختلاف کیا، حضرت عمرؓ نے ان سے بھی فرمایا: آپ لوگ جا سکتے ہیں، پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا: فتحِ مکہ کے زمانے کے جو بزرگ یہاں موجود ہیں انہیں بلاؤ، میں نے ان کو بلایا ان میں سے دو شخصوں کا بھی باہم اختلاف نہ ہوا (اور سب نے متفقہ رائے دی) کہ ہماری رائے یہ ہے کہ آپ لوگوں کو واپس لے جائیں اور وہاں اس (وباء) میں نہ لے جائیں، حضرت عمرؓ نے منادی کرادی کہ میں کل صبح مدینہ کے لئے سوار ہونے والا ہوں، لوگ صبح سوار ہو کر آ پہنچے۔

حضرت ابوعبیدہ بن جراح نے فرمایا: کہ کیا آپ لوگ خدا کی تقدیر سے بھاگ رہے ہو؟

تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: اے ابوعبیدہ! کاش تمھارے علاوہ کوئی اس بات کو کہتا!!!

ہاں! ہم اللہ کی تقدیر سے اللہ تعالیٰ کی تقدیر کی طرف بھاگ رہے ہیں، تم بتلاؤ: کہ اگر تمھارے کچھ اونٹ ہوں اور تم انکو لیکر ایسی وادی میں اترے جس کے دو کنارے ہوں، ایک سرسبز وشاداب ہو، اور دوسرا خشک بنجر ہو، تو کیا ایسا نہیں ہے کہ تم اگر شاداب جگہ پر چراؤ گے تو اللہ کی تقدیر سے ہی چراؤ گے، اور اگر بنجر پر چراؤ گے تو تقدیر الٰہی سے ہی چراؤ گے۔

عبداللہ بن عیاش کہتے ہیں: اتنے میں عبدالرحمٰن بن عوف تشریف لے آئے جو کسی ضرورت کی وجہ سے غیر حاضر تھے، انہوں نے فرمایا: اس معاملہ میں میرے پاس (منصوص) علم ہے، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: کہ جب تم کسی سرزمین کے متعلق سنو کہ وہاں طاعون ہے تو وہاں مت جاؤ، اور جب طاعون کسی علاقے میں آپڑے اور تم وہاں موجود ہو، تو اس سے بھاگ کر نہ نکلو۔

ابن عیاش کہتے ہیں: کہ حضرت عمرؓ نے اس پر اللہ تعالیٰ کی تعریف کی اور واپس تشریف لائے۔

لغات: سرغ: سین کا فتح اور راء کا سکون، اور راء کا فتح بھی منقول ہے، منصرف اور غیر منصرف دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے۔ ایک شہر کا نام ہے جو یرموک اور جابیہ کے قریب ہے، حضرت ابوعبیدہؓ نے اس کو فتح کیا تھا، ألأجناد: واحد جُنْدٌ، فوج لشکر۔ مشیخة: میم کا فتح اور شین کا کسرہ، شیخ کی جمع، وہ لوگ جن کی عمر پچاس سے تجاوز کر گئی ہو۔ مهاجرة: میم کا ضمہ اور جیم کا کسرہ، هبطت: (ض) هبوطاً، اترنا نیچے آنا۔ العدوة: عین کا ضمہ، کسرہ بھی، اور دال کا سکون، بلند جگہ، وادی کا کنارہ، گوشہ، مخصبة: میم کا ضمہ خاء کا سکون، اور صاد کا کسرہ، خصب (سمع) خصباً، ہرا بھرا ہونا زرخیز ہونا، جدبة: جیم کا فتح اور دال کا سکون اور کسرہ، جدب (ض) جدباً، قحط زدہ ہونا، بارش کا نہ ہونا۔

شرح حدیث: حدیث باب میں جو واقعہ مذکور ہے وہ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں پیش آیا تھا۔ غالباً ۱۷ھ یا ۱۸ھ میں، ملک شام اور اطراف میں یہ وباء پھیل گئی تھی جو طاعون عمواس سے مشہور ہے، صحابۂ کرام اس وقت اس طرف جہاد میں مصروف تھے، (اور بہت سے صحابہ اس وباء کی زد میں آکر شہید ہو گئے) حالات کے پیش نظر ان حضرات

نے خلیفۃ المسلمین کو خط لکھا، تو حضرت عمرؓ جائزہ لینے کے لئے بنفس نفیس شام کے لئے روانہ ہوئے، جب آپ ''مقام سرغ'' میں پہنچے تو ہر علاقے کے امیر (چونکہ اس وقت حضرت عمرؓ نے ہر علاقے کے لئے الگ الگ فوجی دستہ اور ہر دستہ کا الگ الگ امیر مقرر کردیا تھا) نے وہ مشورہ دیا جو حدیث میں مذکور ہے چونکہ آپ کے علم میں وہ حدیث نہ تھی جو بعد میں عبدالرحمٰن بن عوف نے پیش کی، اس لئے طاعون زدہ علاقے میں جانے اور نہ جانے کے بارے میں آپ متردد تھے، یہی وجہ تھی کہ آپ نے انصار ومہاجرین اور دیگر اصحاب سے مشورہ طلب کیا، لیکن نبی اکرم ﷺ کی حدیث آجانے کے بعد وہ تردد بھی ختم ہوگیا، اور آپ واپس مدینہ تشریف لے آئے۔

مہاجرین اوّلین: مہاجرین اوّلین سے وہ صحابۂ کرام مراد ہیں جو تحویل قبلہ سے پہلے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئے تھے۔

مہاجرین فتح مکہ: اور مہاجرینِ فتحِ مکہ سے مراد وہ حضرات ہیں جنہوں نے فتحِ مکہ سے پہلے ہجرت کی، یا وہ فتحِ مکہ کے موقع پر ایمان لائے، اور صرف ہجرت کی فضیلت کی خاطر انہوں نے ہجرت کی، ورنہ تو فتحِ مکہ کے بعد ہجرت فرض نہ تھی، یہ دوسرا قول قاضی عیاضؒ کے نزدیک ظاہر تر ہے، ان میں وہ حضرات داخل نہیں ہیں جنہوں نے فتحِ مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا اور مکہ ہی میں مقیم رہے۔ (أوجز ص ۱۴۷)

قولہٗ انی مصبح: میں کل صبح مدینہ کے لئے سوار ہونے والا ہوں، اصل میں انی مسافر فی الصباح راکبا علی ظھر ہے، پیٹھ پر یعنی سواری پر سوار ہوکر صبح سفر کرنے والا ہوں. اور ظاہر ہے، مسافر خود کو اور سامان کو، اونٹ، گھوڑے اور دوسری سواری پر لادتا ہے۔

لو غیرک قالھا یا أبا عبیدۃ!: اے ابوعبیدہ! کاش تمھارے علاوہ کوئی یہ بات کہتا، تو بہتر ہوتا، (اگر ''لو'' کو شرطیہ مانیں، اور اگر تمنیہ مانیں، تو جواب کی ضرورت نہیں ہے، اس وقت مفہوم ہوگا کہ مجھے تعجب ہے تم پر) اس لئے کہ تم اکابرین صحابہ اور علم وفضل میں ایک مقام رکھتے ہو، تمھاری طرف سے ایسی باتیں تعجب خیز ہیں۔

طاعون زدہ علاقہ سے بھاگنا: طاعون زدہ علاقہ سے بھاگنا نہیں چاہیئے اور وہاں جانا بھی نہیں چاہیئے، چونکہ اسباب مرض سے بچنا شریعت کی تعلیم ہے، اور طاعون زدہ علاقہ سے بھاگنے کی ممانعت تین وجوہ سے ہیں (۱) یہ اللہ کی تقدیر پر یقین نہ ہونے کی علامت ہے، جبکہ تقدیر پر راضی رہنا ایمان کا جز ہے، بھاگنے والے کا گمان یہ ہوتا ہے کہ یہاں رہیگا تو مر جائیگا اور یہاں سے نکل جائیگا تو بچ جائیگا، حالانکہ اگر تقدیر میں موت لکھی ہے تو ہر جگہ آئیگی، اور نہیں لکھی ہے تو کہیں نہیں آئیگی۔

(۲) اسلام کی بنیادی تعلیم یہ ہے کہ کوئی بیماری بالذات دوسرے کو نہیں لگتی اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو لگے گی ورنہ نہیں، پس طاعون زدہ علاقہ سے بھاگنا اس عقیدے کے منافی ہے۔

(۳) اگر سب تندرست بھاگ کھڑے ہونگے تو بیماروں کا کیا ہوگا؟ اور بیمار بھی بھاگ نکلیں جو وباء سے متأثر ہو چکے ہیں تو ان جراثیم کے ساتھ جائیں گے تو وہاں بھی طاعون شروع ہو جائیگا اس لئے وباء کا ایک جگہ رہنا مناسب ہے البتہ طاعون کے علاقے سے کسی ضرورت سے نکلنا جائز ہے، تفصیل کیلئے دیکھئے: (اوجز، ص:۱۴۹، مستفاد از تحفۃ القاری، ج:۷ص:۸۴)

(۲) عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِيْ وَقَاصٍ عَنْ أَبِيْهِ أَنَّهُ سَمِعَهُ يَسْأَلُ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ مَاذَا سَمِعْتَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ فِي الطَّاعُوْنِ فَقَالَ أُسَامَةُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلطَّاعُوْنُ رِجْزٌ أُرْسِلَ عَلٰى طَائِفَةٍ مِنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ أَوْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَاِذَا سَمِعْتُمْ بِهِ بِأَرْضٍ فَلَا تَدْخُلُوْا عَلَيْهِ وَاِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَاَنْتُمْ بِهَا فَلَاتَخْرُجُوْا فِرَارًا مِّنْهُ. قَالَ مَالِكٌ: قَالَ اَبُوْالنَّضْرِ: لَايُخْرِجُكُمْ اِلَّافِرَارًا مِّنْهُ.

ترجمہ: عامر بن سعد نے اپنے والد سعد بن ابی وقاص کو حضرت اسامہ بن زید سے سوال کرتے ہوئے سنا کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کو طاعون کے متعلق کیا فرماتے ہوئے سنا؟ تو حضرت اسامہ نے کہا: کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: طاعون ایک عذاب ہے جو بنی اسرائیل کی ایک جماعت پر یا تم سے پہلے لوگوں پر بھیجا گیا، تو جب تم کسی

علاقے کے متعلق سنو! کہ وہاں طاعون ہے تو اس جگہ مت جاؤ، اور جب کسی علاقے میں پھیل جائے جبکہ تم وہاں موجود ہو تو وہاں سے بھاگ کر نہ نکلو، مالکؒ نے فرمایا: کہ ابوالنضر نے فرمایا: نہ نکلو بھاگنے کے مقصد سے۔

شرح حدیث: اس حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طاعون کی تاریخ ذکر کی ہے کہ یہ وباء سب سے پہلے بنی اسرائیل پر آئی تھی، لیکن کس نبی کے زمانے میں؟ اس بارے میں روایات مختلف ہیں، ایک روایت میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں یہ وباء آئی تھی جب ان کی قوم حد سے زیادہ سرکشی کرنے لگی، تو اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ اپنی قوم کو بطورِ سزا تین باتوں کا اختیار دو! (۱) قحط کا (۲) دو ماہ تک دشمنوں کے تسلط کا (۳) تین دن طاعون کا، انہوں نے طاعون کو اختیار کیا۔

اسکے علاوہ حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کے ایک عابد بلعم ابن باعوراء کا واقعہ بھی حدیث میں ملتا ہے۔ بعض تفسیری روایات میں ہے، الم تر الی الذین خرجوا، الخ میں اسی طاعون کا واقعہ مذکور ہے۔ (أوجز، ص:۱۵۳)

قال ابوالنضر: لایخرجکم الا فراراً منه: موطا کے بعض نسخوں میں لفظ فرار نصب کے ساتھ ہے اور بعض میں رفع کے ساتھ، اور یہ دونوں صورتیں درست نہیں ہیں؛ کیوں کہ نصب کی صورت میں عربی قاعدہ کے خلاف ہے اور رفع کی صورت میں معنی بدل جائیں گے؛ کیوں کہ اب مطلب یہ ہوگا کہ فرار کے علاوہ کوئی بھی سبب تم کو نہ نکالے فرار ہی نکالے اور ظاہر ہے یہ مراد نہیں؛ لہٰذا اس کی تاویل ضروری ہے۔

اب یا تو الا زائدہ ہے یا یہ جملہ غلط ہے، چنانچہ ابوالنضر کی دوسری روایت ہے: لاتخرجوا فراراً منه. یہ عبارت صحیح ہے، اوپر والی غلط ہے، یا لفظ فرار حال کی بناء پر منصوب ہے اور الا ایجاب کے لیے ہے استثناء کے لیے نہیں اصل عبارت یوں ہے: لاتخرجوا اذا لم یکن خروجکم الا فراراً منه. جس کا حاصل یہ ہے لاتخرجوا فراراً منه، یعنی تمھارا نکلنا صرف بھاگنے کی وجہ سے ہو، بھاگنے کی حالت میں ہو (تو نہ نکلو)۔

(۳) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَامِرِ بْنِ رَبِيْعَةَ أَنَّ عُمَرَبْنَ الْخَطَّابِ خَرَجَ إِلَى

الشَّامِ فَلَمَّا جَاءَ سَرْغَ بَلَغَهُ أَنَّ الْوَبَاءَ قَدْ وَقَعَ بِالشَّامِ فَأَخْبَرَهُ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اِذَا سَمِعْتُمْ بِهٖ بِأَرْضٍ فَلاَ تَقْدَمُوْا عَلَيْهِ وَاِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا فَلاَتَخْرُجُوْا فِرَارًا مِّنْهُ فَرَجَعَ عُمَرُبْنُ الْخَطَّابِ مِنْ سَرْغٍ.

ترجمہ: عبداللہ بن عامر بن ربیعہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ شام کے ارادے سے نکلے، جب وہ مقامِ ''سرغ'' پر پہنچے تو انہیں خبر ملی کہ شام میں وباء پھیلی ہوئی ہے، تو ان کو عبدالرحمٰن بن عوف نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم طاعون کے متعلق کسی علاقے میں ہونے کی خبر سنو تو وہاں سے بھاگ کر نہ نکلو، اور جب کسی علاقے میں پھیلے اور تم وہاں موجود ہو تو بھاگ کر نہ جاؤ، پس حضرت عمرؓ مقام ''سرغ'' سے واپس ہو گئے۔

نوٹ: تفصیل ماقبل میں گذر گئی ہے.

(۴)عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ اِنَّمَا رَجَعَ بِالنَّاسِ عَنْ حَدِيْثِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ.

ترجمہ: سالم بن عبداللہؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ لوگوں کو لیکر عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی حدیث ہی کی وجہ سے واپس ہوئے۔

نوٹ: یہ روایت منقطع ہے، سالم بن عبداللہ کا لقاء نہ تو اپنے دادا عمر بن خطابؓ سے ہے اور نہ ہی عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے۔

شرح حدیث: امام مالک کا اس عبارت کو لانے کے دو مقصد ہو سکتے ہیں. (۱) ایک یہ ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے اجتہاد سے مدینہ واپسی کا ارادہ کر چکے تھے، جب عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حدیث سنائی تو اپنے اجتہاد کے مطابق حدیث ملنے پر اللہ کا شکریہ ادا کیا، اور اب بلا تردد حدیث کی وجہ سے واپس ہوئے تھے۔

(۲) دوسرا یہ کہ سالم کو اجتہاد کے واقعہ کا علم ہی نہ ہوا ہو لہٰذا انہوں نے کہہ دیا کہ حضرت عمرؓ حدیث ہی کی وجہ سے واپس ہوئے ہیں۔

(۵)مَالِكٌ أَنَّهُ قَالَ بَلَغَنِيْ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ: لَبَيْتٌ بِرُكْبَةَ

اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ عَشْرَةِ اَبْيَاتٍ بِالشَّامِ،قَالَ مَالِكٌ :يُرِيْدُ لِطُوْلِ الْأَعْمَارِ وَالْبَقَاءِ وَلِشِدَّةِ الْوَبَاءِ بِالشَّامِ.

ترجمه: حضرت امام مالکؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ عمرؓ بن خطاب نے فرمایا کہ مقام ''رکبہ'' میں ایک گھر، مجھے شام میں دس گھروں کی بہ نسبت زیادہ پسندیدہ ہے حضرت امام مالک نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ اس قول سے (رکبہ میں) طول عمر اور بقاء، اور شام میں وباء کی شدت مراد لیتے تھے۔

لغات: رکبة: راء کا ضمہ اور کاف کا سکون، مکہ اور عراق کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے .اور ایک قول ہے کہ طائف میں ایک جگہ کا نام ہے۔

شرح حدیث: دنیا میں ہر شخص ایک محدود عمر لے کر آیا ہے، نہ تو موت اس سے پہلے آسکتی ہے اور نہ ہی حیات اس سے زیادہ بڑھ سکتی ہے، لہٰذا حضرت عمرؓ کے اس قول کا مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص مقام رکبہ میں بود وباش اختیار کریگا وہاں کی آب وہوا کے صاف وشفاف ہونے کی وجہ سے اس کی صحت اچھی رہیگی ،اس کو طولِ عمر سے تعبیر کر دیا ہے، اور شام میں چونکہ وباء زیادہ ہے لہٰذا جو وہاں بود وباش اختیار کریگا وہاں کی آب وہوا کی وجہ سے کمزور اور بیمار رہیگا۔

باب النهي عن القول في القدر

تقدیر کے سلسلے میں گفتگو کرنے سے ممانعت کا بیان

قدر: (ن، ض) قَدَراً و قَدْراً (دال کا فتحہ اور سکون) اور قَدَّرَ تَقْدِيراً، بمعنی فیصلہ کرنا، حکم لگانا، کہا جاتا ہے قدر الله عليه الأمر، وقدر له الأمر، اللہ تعالی نے اس کے لیے کسی امر کا فیصلہ فرمایا اور شریعت کی اصطلاح میں تقدیر، قضا (فیصلہ) کا نام ہے یعنی اللہ تعالی نے کائنات کے بارے میں ازل سے جو خاکہ طے کر دیا ہے اس کا نام تقدیر الٰہی ہے۔

قضا و قدر میں فرق: قضا وقدر درحقیقت ایک ہیں؛ مگر کبھی دونوں میں فرق

کرتے ہیں، قضا حکم ازلی، اجمالی کا نام ہے، القضاء الحکم الکلي الإجمالي في الأزل، اور تقدیر اس حکم کی جزئیات اور اس کی تفصیلات کا نام ہے، والقدر جزئیات ذالک الحکم و تفاصیله۔ (اوجز، ص:۱۵٦)

بھلی اور بری تقدیر: حدیث جبرئیل میں ہے: أن تؤمن بالقدر خیره و شره، یعنی مؤمن ہونے کے لیے تقدیر پر ایمان لانا ضروری ہے، اس کے بھلے اور برے پر بھی، تو تقدیر الٰہی کا بھلا اور برا ہونا ہم انسانوں کے اعتبار سے ہے؛ ورنہ اللہ تعالی کی تجویز کے اعتبار سے ہر چیز بھلی ہے؛ لہٰذا بھلی، بری، مفید و مضر، سب پر ایمان لانا ضروری ہے؛ کیونکہ یہ اللہ تعالی کی تجویز کردہ ہے، جیسے دودھ اور گھی کے بارے میں تجویز الٰہی ہے کہ وہ صحت بخش ہے اور زہر کے بارے میں طے ہے کہ وہ مہلک ہے، اسی طرح ایمان اور اعمال صالحہ کے بارے میں طے ہے کہ وہ جنت میں لے جانے والے ہیں اور کفر و معاصی جہنم میں لے جانے والے ہیں، اول انسان کے لیے مفید ہے اور ثانی مضر ہے، کائناتی حد تک ہر شخص تقدیر الٰہی کا قائل بھی ہے اور پابند بھی، لوگ بڑی قیمت دے کر گھی، دودھ خریدتے ہیں اور زہر کے پاس کوئی نہیں بھٹکتا اور کسی کو اس کے معاملے میں تقدیر الٰہی پر اعتراض نہیں ہے؛ مگر جب ایمان اور اعمال صالحہ اور کفر اور اعمال طالحہ کا معاملہ آتا ہے تو انسان باتیں بناتا ہے۔

تقدیر کی ضرورت: اللہ تعالی مختار کل ہے، وہ جو چاہے کائنات میں تصرف کرے، وہ اپنی مشیت و ارادہ میں کسی کا پابند نہیں ہے؛ مگر یہ اس کا مخلوقات پر فضل و کرم ہے کہ اس نے اپنی مشیت کو آزاد اور بے قید نہیں رکھا؛ بلکہ ہر چیز کو تقدیر الٰہی سے وابستہ کر دیا ہے، ہر بات طے شدہ ہے، اگر اللہ تعالی ایسا نہ کرتے تو انسان بڑی الجھنوں میں پڑ جاتا، اس کی سمجھ میں نہ آتا کہ کیا کھائے اور کیا نہ کھائے؛ کیونکہ نتیجہ معلوم نہیں ہے، اس کو نہیں معلوم کہ اللہ تعالی کس، چیز میں کیا آثار پیدا کریں گے؛ کیونکہ آثار و نتائج طے شدہ نہیں ہیں، اسی طرح وہ ظلمت میں پڑا رہتا کہ کون سی زندگی اپنائے جس سے مولی خوش ہو جائے اور اس کی ناراضگی سے کیسے بچے، وہ کشمکش میں رہتا اور کوئی فیصلہ نہ کر پاتا اور اب چونکہ ساری

باتیں طے کردی گئی ہیں؛لہذا انسان ہر چیز کے متعلق آسانی سے فیصلہ کرسکتا ہے،عقلی روشنی یا معمولی رہنمائی بھی کافی ہے۔

تقدیر پر ایمان لانے کا فائدہ: جس شخص کا تقدیر الٰہی پر ٹھیک ٹھیک ایمان ہوگا وہ جانتا ہوگا کہ ہر چیز طے شدہ ہے ازل ہی سے یہ بات طے شدہ ہے، اس کی نگاہ ہر معاملہ میں اللہ پر ہی ٹکی ہوگی یعنی ہر چیز قضا و قدر سے ہے؛ یہاں تک کہ اختیاری اعمال میں بندوں کو جو اختیار ہے وہ اللہ تعالی ہی کی عطا ہے، انہوں نے ہی ازل میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ مکلف مخلوقات کو ایک جزوی اختیار حاصل ہے؛ اسی فیصلہ کی وجہ سے بندے مختار ہیں، جب بندہ اس طرح اللہ تعالی کی قدرت کاملہ پر یقین رکھے گا تو ہر معاملہ میں مطمئن رہے گا، کسی معاملہ میں اس کو غیر معمولی پریشانی لاحق نہ ہوگی۔

تقدیر کے ساتھ تدبیر ضروری ہے: تقدیر پر ایمان لانا معرفت خداوندی کے لیے ضروری ہے؛ مگر اس کے ساتھ ساتھ اپنا مقام پہچاننا بھی ضروری ہے، ہم بندے ہیں بندگی ہمارا وصف خاص ہے؛ لہذا اللہ کی جانب سے تقدیر بر نظر معرفت خداوندی کے لیے ضروری ہے، اللہ تعالی نے ہم کو جزوی اختیار رکھنے والی مخلوق بنایا ہے؛ لہٰذا ہمیں اپنے اختیار سے اپنے لیے مفید کام کرنا چاہئے اور اپنے اختیار سے مضر کاموں سے بچنا چاہئے، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اسی کی تعلیم دی، یہی تقدیر کے ساتھ تدبیر ہے، دنیاوی امور کی حد تک ہر شخص تدبیر کرتا ہے، ضرورت کا قائل ہے، اشکال صرف ایمان وکفر، اعمال صالحہ اور سیئہ میں پیش آتا ہے۔

تقدیر مبرم و معلق: اللہ تعالی کی جانب سے ہر تقدیر مبرم اور ملزم ہوتی ہے؛ اللہ کا ازلی فیصلہ لازم کرنے والا ہے جس کے مطابق کائنات کا وجود پذیر ہونا ضروری ہے اور تقدیر معلق صرف بندوں کے اعتبار سے ہوتی ہے جس کا ذکر حدیث پاک میں آتا ہے؛ والدین کے ساتھ حسن سلوک عمر بڑھاتا ہے، جھوٹ روزی گھٹاتا ہے وغیرہ، یہ باتیں معلق صرف بندوں کے علم اور ظہور حوادث کے اعتبار سے ہیں؛ ورنہ تو علم الٰہی کے اعتبار سے اسی طے شدہ ازل سے خدا کو معلوم ہے کہ کیا ہونا ہے: جیسے کہا جاتا ہے کہ اگر طالب علم محنت

کرے گا تو امتحان میں کامیاب ہوگا اور کھیلے گا تو فیل ہوگا یہ بات صرف بندوں کے اعتبار سے ہے اللہ کے علم ازلی کے اعتبار سے نہیں، ان کو ازل سے وہ پہلو معلوم ہے جو وجود پذیر ہونے والا ہے اور وہ پہلو بھی انہی کا طے کیا ہوا ہے؛ ورنہ علم الٰہی کا ناقص ہونا لازم آئے گا۔

(۱) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضي الله عنه أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه عليه وسلم قَالَ: تَحَاجَّ آدَمُ مُوسٰى فَحَجَّ آدَمُ مُوسٰى فَقَالَ لَه مُوسٰى: أَنْتَ آدَمُ الَّذِيْ أَغْوَيْتَ النَّاسَ وَأَخْرَجْتَهُمْ مِنَ الْجَنَّةِ فَقَالَ لَه آدَمُ: أَنْتَ مُوسٰى الَّذِيْ أَعْطَاکَ عِلْمَ كُلِّ شَيْءٍ وَاصْطَفَاکَ بِرِسَالَتِهٖ، قَالَ: نَعَمْ: قَالَ: أَفَتَلُوْمُنِيْ عَلٰى أَمْرٍ قَدْ قُدِّرَ عَلَيَّ قَبْلَ أَنْ أُخْلَقَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ آدم و موسیٰ کا مباحثہ ہوا تو آدمؑ موسیٰؑ پر غالب آ گئے موسیٰؑ نے ان سے کہا: آپ وہی آدمؑ ہیں جنہوں نے لوگوں کو بے راہ کر دیا اور ان کو جنت سے نکال دیا تو ان سے حضرت آدمؑ نے کہا کہ آپ وہی موسیٰؑ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے (ضروری) چیز کا علم دیا اور اپنی رسالت کے لیے منتخب کیا، موسیٰؑ نے جواب دیا ہاں: تو آدمؑ نے کہا پھر آپ مجھ پر ملامت کر رہے ہیں ایسی بات کی وجہ سے جو پہلے سے طے شدہ ہے۔

شرح حدیث: حضرت آدم و حضرت موسیٰ علیہما السلام کے درمیان یہ مناظرہ ہوا جس کی ابتداء حضرت موسیٰؑ کی طرف سے ہوئی، انہوں نے کہا آپ آدم ہیں، آپ نے شجر ممنوعہ کو کھا کر ہمیں خسارے میں ڈال دیا؛ اگر آپ سے یہ قصور نہ ہوتا تو ہم خسارے میں نہ پڑتے اور جنت سے نہ نکلتے، اس پر حضرت آدم نے موسیٰؑ سے جواباً فرمایا: آپ تو موسیٰؑ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت کے لیے منتخب کیا اور لوح محفوظ میں میری تخلیق سے چالیس سال پہلے یہ لکھ دیا گیا تھا کہ مجھ سے یہ کوتاہی سرزد ہوگی تو پھر آپ ایسے کام میں مجھ پر لعنت ملامت کر رہے ہو جو میرے لیے پہلے ہی سے مقدر فرما دیا گیا تھا کہ یہ واقع ہوگا، پس آپ کو سبب تو یاد ہے؛ لیکن اصل بھول گئے جو میرے لیے اللہ کی طرف سے متعین تھا۔ (مرقات، جلد:۱، ص:۲۴۴)

مناظرہ کہاں ہوا؟: اب سوال یہ ہے کہ یہ مناظرہ روحانی ہوا یا جسمانی ہوا تو شراح کے اس سلسلے میں دونوں قول ہیں، ایک یہ ہے کہ جسمانی ہوا اس طور پر کہ ان دونوں کے انتقال کے بعد اللہ تعالی نے ان دونوں کو زندہ کیا ہو یا موسی علیہ السلام کی حیات میں آدم علیہ السلام کو زندہ کیا ہو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ روحانی ہوا؛ چناں چہ مسلم شریف کی روایت ہے جس میں **عند ربهما** ہے کہ یہ مناظرہ عالم ارواح میں ہوا جہاں آدم اور موسیٰ کی ارواح جمع تھیں۔ (اوجز، ص ۱۵۷)

کیا نوشتۂ تقدیر کوتاہی کا عذر بن سکتا ہے؟

نوشتۂ تقدیر کوتاہی کا عذر نہیں بن سکتا؛ ورنہ انسان کو ملامت کرنا، سزا دینا، وعظ و نصیحت کرنا بے کار ہو جائے گا؛ البتہ اس کے ذریعہ الزام رفع کیا جا سکتا ہے؛ چناں چہ حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی اور عتاب خداوندی نازل ہوا، تو آپ نے فوراً توبہ کی، تقدیر کا عذر پیش نہیں کیا؛ مگر جب حضرت موسی علیہ السلام نے بہ طور الزام کہا تو آپ نے لغزش کا وہ پہلو مقدم رکھا جو نوشتۂ تقدیر تھا جس کے مطابق واقعات کا رونما ہونا ضروری ہے؛ چناں چہ حضرت موسیٰ لاجواب ہو گئے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ دنیا دار التکلیف والعمل ہے اور یہاں نافرمانی پر ملامت مفید بھی ہے، اور یہ مناظرہ چونکہ اس عالم میں پیش نہیں آیا؛ بلکہ عالم ارواح میں پیش آیا اور وہاں تقدیر کو عذر میں پیش کیا جا سکتا ہے، اور جبکہ اللہ تعالی کی طرف سے معافی بھی ہو چکی ہو اور اس کا اعلان بھی ہو چکا ہو، نیز حضرت آدمؑ نے اپنے جرم کی نفی نہیں کی؛ بلکہ اس واقعہ کے پیش آنے میں جو مصلحت تھی اس کو پیش کیا، یعنی نوع انسانی کو زمین میں خلیفہ بنانا اور ایسی مخلوق کو وجود میں لانا جس میں خیر و شر کی صلاحیتیں جمع ہوں۔

الذي أغويت الناس: سبب کی دو قسمیں ہیں (۱) سبب قریب (۲) سبب بعید، یہاں سبب بعید مراد ہے یعنی حضرت آدم علیہ السلام بہ قول حضرت موسی علیہ السلام، لوگوں کے بے راہ ہونے کے سبب بنے ہیں، اگر وہ شجر ممنوعہ نہ کھاتے تو جنت سے نہ نکالے جاتے، تو ہم انسان جنت ہی میں رہتے، اور خواہشات نفسانی اور شیطان ہم پر

غالب نہ ہوتا جو اللہ تعالی کی نافرمانی کا سبب قریب ہے۔(اوجز،ص:۱۶۰)

(۲) عَنْ مُسْلِمِ بْنِ يَسَارٍ الْجُهَنِيِّ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ سُئِلَ عَنْ هٰذِهِ الآيَةِ وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا: بَلٰى! شَهِدْنَا أَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غَافِلِيْنَ، فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ سَمِعْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يُسْأَلُ عَنْهَا، فَقَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: إِنَّ اللّٰهَ تعالى خَلَقَ آدمَ ثُمَّ مَسَحَ ظَهْرَه بِيَمِيْنِه فَاسْتَخْرَجَ مِنْه ذُرِّيَّةً فَقَالَ: خَلَقْتُ هٰؤُلاءِ لِلْجَنَّةِ وَبِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ يَعْمَلُوْنَ ثُمَّ مَسَحَ ظَهْرَه فَاسْتَخْرَجَ مِنْه ذُرِّيَّةً، فَقَالَ: خَلَقْتُ هٰؤُلاءِ لِلنَّارِ وَبِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ يَعْمَلُوْنَ، فَقَالَ رَجُلٌ: يا رسولَ اللّٰهِ! فَفِيْمَ الْعَمَلُ؟ فَقَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: إِنَّ اللّٰهَ إِذا خَلَقَ الْعَبْدَ لِلْجَنَّةِ اسْتَعْمَلَه بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ حَتّٰى يَمُوْتَ على عَمَلٍ مِنْ أَعْمَالِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيُدْخِلُه بِه الْجَنَّةَ، وَإِذَا خَلَقَ الْعَبْدَ لِلنَّارِ اسْتَعْمَلَه، بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ حَتّٰى يَمُوْتَ عَلٰى عَمَلٍ مِنْ أَعْمَالِ أَهْلِ النَّارِ فَيُدْخِلُه بِه النَّارَ.

ترجمہ: مسلم بن یسار جہنی سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ بن خطاب سے اس آیت کے متعلق پوچھا گیا، وإذا أخذ ربک من بنی آدم (إلی) غافلین (اور جب نکالا تیرے رب نے بنی آدم کی پیٹھوں سے ان کی اولاد کو اور اقرار کرایا ان کی جانوں پر: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ بولے: ہاں! ہم اقرار کرتے ہیں، کبھی کہنے لگو قیامت کے دن ہم کو اس کی خبر نہ تھی) (شیخ الہند) حضرت عمرؓ نے فرمایا: کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس آیت کی تفسیر کے متعلق سوال ہوتے سنا، آپ ﷺ نے فرمایا: کہ اللہ تعالی نے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا پھر ان کی پشت پر اپنا دایاں ہاتھ پھیرا اور اس سے کچھ اولاد نکالی اور کہا کہ میں نے ان کو جنت کے لیے پیدا کیا اور جنت والے کام کریں گے، پھر ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا

اور اس سے کچھ اولاد نکالی اور کہا کہ میں نے ان کو جہنم کے لیے پیدا کیا اور جہنم والے کام کریں گے تو ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول! پھر عمل کی کیا ضرورت ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جب کسی بندے کو جنت کے لیے پیدا کیا تو اس کو جنت والوں کے کام میں لگا دیا، یہاں تک کہ وہ جنت والوں کے اعمال میں سے کسی عمل پر مرے گا پھر اس کو اس کے سبب جنت میں داخل کرے گا، اور جب کسی بندے کو جہنم کے لیے پیدا کیا اور اس کو جہنم والوں کے کام میں لگا دیا؛ یہاں تک کہ وہ جہنم والوں کے اعمال میں سے کسی عمل پر مرے گا پھر اس کو اس کے سبب جہنم میں داخل کرے گا۔

شرح حدیث: حضرت عمرؓ سے اس آیت (جو حدیث میں مذکور ہے) کی تفسیر کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا ہے آپ نے ایک شخص کے سوال پر فرمایا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کر چکے تو اپنا دایاں ہاتھ ان کی پشت پر پھیرا اور ان کی پشت سے ان کی اولاد کی ایک مخصوص مقدار کو نکالا، اور کہا کہ ان کو جنت کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور یہ اہل جنت ہی کے اعمال کریں گے، اس کے بعد دوبارہ ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور اسی طرح کچھ اولاد کو نکالا اور کہا: کہ ان کو جہنم کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور یہ جہنمیوں کا عمل کریں گے۔

تقدیرِ الٰہی میں ہر چیز طے شدہ ہے

جب پہلے سے ہر چیز طے شدہ ہے حتی کہ جنتی اور جہنمی ہونا بھی تو سوال پیدا ہوگا کہ پھر عمل سے کیا فائدہ؟

پیچھے ابواب القدر کے تحت یہ بات گزر چکی ہے کہ بندوں کو تقدیر کی جہت سے نہیں سوچنا چاہیے؛ اگر وہ اس جہت سے سوچیں گے تو یہی سوال ہوگا؛ بلکہ بندوں کو اپنی جہت سے سوچنا چاہیے؛ کیونکہ جو نیک کام کرتا ہے وہ اپنے اختیار سے کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ اس کو اس کی توفیق دیتے ہیں، اور جو برا کام کرتا ہے اس کا بھی یہی حال ہے، دنیوی معاملہ میں ہر شخص اسی طرح سوچتا ہے کہ وہ محنت مزدوری کرے گا تو روزی روٹی ملے گی ورنہ نہیں، جس

طرح دنیوی امور میں اپنے اختیار سے محنت مزدوری کرتا ہے تو رزق ملتا ہے؛ اسی طرح اخروی معاملہ میں ہے کہ فلاں بندہ اپنے اختیار سے نیک عمل کرے گا اور اسی پر اس کی موت آئے گی تو نیک بندوں میں شامل ہوکر جنت میں جائے گا دوسرا اس کے برعکس ہے؛ لہٰذا ہر شخص کو اچھے کام کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور برے کاموں سے بچنا چاہیے۔

آیت اور حدیث میں مطابقت : آیت کریمہ میں یہ مضمون ہے کہ اللہ تعالی نے اولاد آدمؑ کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور حدیث میں ہے کہ آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالا؛ لہٰذا دونوں میں مطابقت نہیں ہے، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ آیت کریمہ میں آدم مع اولادہ مراد ہے اور حدیث میں آدم پر ان کی اصل ہونے کی وجہ سے اکتفا کیا گیا ہے۔

اور آدم کی پشت سے نکالنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تمام انسانوں کو براہ راست آدم کی پشت سے نکالا گیا ہے؛ بلکہ جس ترتیب سے دنیا میں پیدائش ہوتی ہے اسی ترتیب سے واسطہ در واسطہ نکالا، آدمؑ کی صلبی اولاد کو خود آدم سے پھر اولاد آدم سے اولاد کی اولاد کو الی آخرہ۔ (اوجز، ص: ۱۶۰)

ثم مسح ظهره بيمينه : اللہ تعالی نے اپنی قدرت کاملہ سے؛ حضرت آدمؑ کی پیٹھ میں سوراخ کیا، یا بالوں کے مسامات سے وادیٔ نعمان میں جو عرفہ کے قریب ہے پیدا کیا۔ (مرقات، ص: ۱۷۲، ج: ۱)

(۳) مَالِکٌ أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی الله علیه وسلم قَالَ : تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ .

ترجمہ: حضرت امام مالکؒ کو یہ حدیث پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں، جب تک تم انہیں مضبوطی سے تھامے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہوگے، اللہ کی کتاب اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت۔

شرح حدیث: حجۃ الوداع کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت، تمام اسلامی عقائد اور اعمال کی اصل بنیاد یہی دو چیزیں ہیں جو چیز اس کے خلاف ہو یا کسی چیز کا

ثبوت ان سے بہ طریق شرعی نہ ملے تو وہ مردود ہے، اجماع اور مجتہدین کا قیاس بھی دراصل انہی دو کی وضاحت کے لیے ہے، اور ان کا ثبوت وحدود بھی کتاب وسنت ہی پر مبنی ہے۔

باب سے مناسبت: مسئلہ تقدیر کو قرآن وسنت میں کثرت سے بیان کیا گیا ہے؛ لہذا اس کے جو جزئیات وتفاصیل قرآن و حدیث سے ثابت ہیں وہی اختیار کرنا چاہیے اور تقدیر کے مسئلہ میں اتنا ہی بولنا چاہیے جتنا قرآن و حدیث سے ثابت ہے، اسی لیے امام مالک نے اس حدیث کو ابواب القدر کے تحت ذکر کیا ہے۔ (اوجز، ص:۱۶۱)

اس کی مزید تفصیل دیکھنی ہو تو ابو داؤد ''باب لزوم السنہ'' کے تحت حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا مکتوب گرامی دیکھیے جو تقدیر سے متعلق ہے۔

(۴) عَنْ طَاوُوسٍ الْيَمَانِيِّ أَنَّه قَالَ: أَدْرَكْتُ نَاسًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُوْنَ: كُلُّ شَيْءٍ بِقَدَرٍ، قَالَ طَاوُوسٌ: وَسَمِعْتُ عَبْدَ اللّهِ بْنَ عُمَرَ يَقُوْلُ: قَالَ رَسُولُ اللّهِ صلى الله عليه وسلم: كُلُّ شَيْءٍ بِقَدَرٍ، حَتَّى الْعَجْزِ وَالْكَيْسِ، أَوِ الْكَيْسِ وَالْعَجْزِ.

ترجمہ: طاؤس یمانی (ذکوان بن کیسان) نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے چند کو پایا (صحبت اٹھائی) وہ (حضرات) کہتے تھے: ہر چیز تقدیر سے ہے، طاؤس نے کہا: میں نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کو کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ ہر چیز تقدیر سے ہے، یہاں تک کہ عاجزی اور ہوشیاری بھی۔

لغات: **العجز**: بے بسی، بے چارگی، **یعجز (ض) عن الشیء**، بے بس ہونا، عاجز ہونا۔ الکیس: کاف کا فتح اور یا کا سکون، جمع: اکیاس، بمعنی: زیرک، عقلمند، ہوشیار۔

شرح حدیث: ہر چیز تقدیر الٰہی سے ہے، موجودات کا نظام اور حوادث کا وقوع جس ترتیب سے اللہ کے علم ازلی میں ہے اسی ترتیب سے وقوع پذیر ہوں گے اور جس کے لیے جو مقدر ہے وہ ہو کر رہے گا حتی کہ اگر کسی کے لیے زیرکی اور ہوشیاری مقدر ہے تو اس کے لیے ہوشیاری اور جس کے لیے بے بسی اور بے وقوفی ہے تو اس کے لیے بے وقوفی ہوگی،

دراصل اس حدیث سے قدریہ کی تردید مقصود ہے جو تقدیر کے منکر ہیں، حضرات صحابہ نے ایسے لوگوں سے برأت کا اظہار کیا ہے۔

فائدہ: کل شیء بقدر : لفظ قدر مختلف معانی کا احتمال رکھتا ہے:

(۱) ہر چیز کو متعین مقدار میں پیدا کیا، نہ اس میں کمی ہو سکتی ہے اور نہ زیادتی۔

(۲) اللہ ہر چیز کے پیدا کرنے پر قادر ہے۔

(۳) اللہ نے ہر چیز کے پیدا کرنے کا ایک وقت مقرر کیا ہے، وہ چیز نہ آگے ہو سکتی ہے اور نہ ہی پیچھے۔

(۵) عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ أَنَّه قَالَ : سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الزُّبَيْرِ يَقُوْلَ فِيْ خُطْبَتِه : إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْهَادِيْ وَالْفَاتِنُ.

ترجمہ: عمرو بن دینار سے مروی ہے انہوں نے کہا ہے کہ میں نے عبداللہ بن زبیر کو خطبہ میں کہتے ہوئے سنا کہ: اللہ تعالیٰ ہی ہدایت دینے والے ہیں اور گمراہ کرنے والے ہیں۔

الفاتن: گمراہ کن (ض) فتن بشیء أو فیه: کسی چیز میں مبتلاء کرنا، آزمانا۔

شرح حدیث: اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے راہ راست سے بھٹکا دیتا ہے، وہی ہر اچھے اور برے کاموں کا خالق ہے، ہاں! بندے کو جزوی اختیار حاصل ہے اسی اختیار پر ثواب وعذاب مبنی ہے۔

(۶) مَالِكٌ عَنْ عَمِّه أَبِيْ سُهَيْلِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّه قَالَ: كُنْتُ أَسِيْرُ مَعَ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ فَقَالَ: مَا رَأْيُكَ فِيْ هٰؤُلَاءِ الْقَدَرِيَّةِ؟ قَالَ: قُلْتُ: رَأْيِيْ أَنْ تَسْتَتِيْبَهُمْ، فَإِنْ قَبِلُوْا ذَالِكَ وَإِلَّا عَرَضْتَهُمْ عَلَى السَّيْفِ، قَالَ: عُمَرُ: وَذَالِكَ رَأْيِيْ فِيْهِمْ، قَالَ مَالِكٌ: وَذَالِكَ رَأْيِيْ فِيْهِمْ.

ترجمہ: امام مالکؒ نے اپنے چچا سہیل بن مالک سے روایت کیا، انہوں نے فرمایا: میں عمر بن عبدالعزیز کے ساتھ جا رہا تھا تو آپ نے مجھ سے کہا: کہ ان قدریہ کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ میں نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ آپ ان سے توبہ کرائیں؛ اگر وہ توبہ کرلیں (تو بہتر ہے) ورنہ آپ ان کو تلوار کے حوالے کردیں، عمر بن عبدالعزیز نے

فرمایا: ان کے متعلق میری رائے بھی یہی ہے، امام مالکؒ نے فرمایا: میری بھی ان کے متعلق یہی رائے ہے۔

شرح حدیث: قدریہ تقدیر الٰہی کے منکر تھے اور مخلوق کو اپنے افعال کا خالق مانتے تھے، اہل تحقیق کا مسلک یہ ہے کہ یہ لوگ از راہ جہالت چونکہ تاویل کا سہارا لیتے ہیں؛ لہذا ان کو کافر نہیں کہا جائے گا اور نہ ہی قتل کیا جائے گا؛ بلکہ وہ مبتدع ہیں؛ اسی لیے حدیث مذکور میں ان سے توبہ کرانے کی بات ہے، اور قتل کرنے کی بات یہ فتنہ وفساد کو روکنے کے لیے بہ طور زجر وسیاست ہے۔

جامع ما جاء في أهل القدر

قدریہ سے متعلق متفرق احادیث

(۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: لَا تَسْأَلِ الْمَرْأَةُ طَلَاقَ أُخْتِهَا لِتَسْتَفْرِغَ صَحْفَتَهَا وَلْتَنْكِحْ فَإِنَّمَا لَهَا مَا قُدِّرَ لَهَا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت اپنی بہن کی طلاق کا سوال نہ کرے؛ تاکہ اس کے پیالے کو خالی کر دے اور اسے چاہیے کہ نکاح کرلے، بلاشبہ اس کے لیے وہی ہے جو اس کے مقدر میں ہے۔

لغات: استفرغ: قے کرنا، انڈیلنا، صحفة: پلیٹ، رکابی، جمع: صحاف

شرح حدیث: ایک شخص جس کے نکاح میں پہلے سے ایک عورت ہے اب وہ دوسرا نکاح کرنا چاہتا ہے تو جس عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے وہ یہ مطالبہ کرتی ہے کہ پہلے آپ اپنی بیوی کو طلاق دیں تب میں آپ سے نکاح کروں گی، آپ ﷺ نے اس کے اس مطالبہ کی مذمت کی ہے کہ وہ چاہتی ہے کہ پہلی بیوی کی پلیٹ کو خالی کر کے اس کے حصہ میں

جو کچھ آتا ہے وہ اپنے حصہ میں کر لے، مخطوبہ کو آپ ﷺ نے اس طرح کے مطالبہ سے روکا ہے اور فرمایا: جو عورت اس کے نکاح میں ہے وہ بھی تمہاری دینی بہن ہے اور ہر ایک کے حصہ میں اللہ تعالی نے جو مقدر کر دیا ہے وہی ملے گا، اس کے رہنے سے تمہارے حصہ میں کمی نہیں آئے گی اور اس کے نکاح سے نکل جانے سے تمہارے حصہ میں زیادتی نہیں ہوگی، امام مالکؒ نے اس حدیث کو اسی مناسبت کی وجہ سے ابواب القدر کے تحت ذکر کیا ہے کہ ایک کا رزق دوسرے کے رزق سے مزاحم نہیں ہے؛ بلکہ ہر شخص کو وہی ملے گا جو اس کے مقدر میں ہے۔ (اوجز، ص:۱۶۶)

فائدہ: حدیث مذکور میں لفظ "المرأة" کی مراد میں دو احتمال ہیں:

(۱) یا تو اس سے مراد مخطوبہ ہے یعنی وہ عورت جس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ (۲) یا اس سے مراد ضرة (سوکن) ہے یعنی شخص مذکور کی دو بیویوں میں سے ایک۔

ولتنکح: اس کو دو طرح پڑھا جا سکتا ہے (۱) اسکو منصوب پڑھا جائے "لتستفرغ" پر عطف کرتے ہوئے (۲) اس کو بصیغۂ امر مجزوم پڑھا جائے "لا تسأل" پر عطف کرتے ہوئے، اب کل چار صورتیں ہو گئیں:

(۱) لتنکح کو منصوب پڑھنا اور مرأة سے مخطوبہ مراد لینا۔ (۲) لتنکح کو منصوب پڑھنا اور مرأة سے ضرة (سوکن) مراد لینا، (۳) لتنکح کو مجزوم پڑھنا اور مرأة سے مخطوبہ مراد لینا۔ (۴) مجزوم پڑھنا اور مرأة سے ضرة (سوکن) مراد لینا۔

چاروں صورتوں میں مطلب اس طرح ہوگا:

پہلی صورت میں مطلب ہوگا: مخطوبہ، سابقہ بیوی کی طلاق کا سوال نہ کرے تاکہ اس کے حصہ کی چیز خود لے لے اور تاکہ اس شخص سے اپنا نکاح کر لے۔

دوسری صورت میں مطلب ہوگا: ایک سوکن دوسری سوکن کی طلاق کا سوال نہ کرے اس کے حصہ کی چیزوں کو لینے کے لیے تاکہ وہ سوکن اپنا نکاح دوسری جگہ کر لے۔

تیسری صورت کا مفہوم شرح حدیث کے تحت ذکر کیا گیا ہے۔

چوتھی صورت میں مطلب یہ ہوگا: کہ ایک سوکن دوسری سوکن کے بارے میں اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ نہ کرے اس کے حصہ کی چیزوں کو لینے کے لیے؛ بلکہ اس کو چاہیے کہ اسی طرح اس کے نکاح میں رہے، جس کے مقدر میں جو ہوگا وہ اس کو مل کر رہے گا اس صورت میں نکاح سے مراد نکاح میں باقی رہنا ہے۔ (مرقات:ص:۲۷۷ج:۶)

(۲)عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبِ الْقُرَظِيِّ أَنَّهُ قَالَ: قَالَ مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ وَهُوَعَلَى الْمِنبَرِ أَيُّهَا النَّاسُ !إِنَّهُ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَى اللّٰهُ وَلَامُعْطِيَ لِمَا مَنَعَ اللّٰهُ وَلَا يَنْفَعُ ذَاالْجَدِّ مِنْهُ الْجَدُّ، مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ ثُمَّ قَالَ مُعَاوِيَةُ سَمِعْتُ هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَلٰى هٰذِهِ الْأَعْوَادِ .

ترجمہ: محمد بن کعب قرظی سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: کہ حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان نے منبر پر خطبہ میں فرمایا: اے لوگو! جو اللہ عطا کرے اسے کوئی روکنے والا نہیں ہے اور جو اللہ روک دے اس کو کوئی دینے والا نہیں اور (کسی) نصیبہ ور کو اللہ سے (اس کا) نصیبہ نفع نہیں دے گا، جس کے ساتھ اللہ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی گہری سمجھ عطا کرتا ہے، پھر حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ میں نے یہ کلمات رسول اللہ ﷺ سے اسی منبر پر سنے تھے۔

لغت: عود :لکڑی، جمع:أعواد۔

شرح حدیث: اللہ تعالی نے جس کو دین و دنیا کی بھلائی دے دی اس کو کوئی روکنے والا نہیں؛ اور جس کو نہیں دی اس کو کوئی دینے والا نہیں اور کسی نصیبہ والے کو اس کا نصیبہ اور مالدار کو اس کی مالداری اللہ کے عذاب کے مقابلے میں کام نہ دے گی؛ بلکہ اطاعت اور عمل صالح ہی نفع دے گا، اور اللہ تعالی جس کے ساتھ خیر کا معاملہ کرتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا کرتا ہے؛ تاکہ وہ اپنے دین و دنیا کو شرعی قواعد کے مطابق درست کر سکے، اللہ تعالی نے ہر ایک کے لیے مقدر کر دیا ہے کہ کس کو کیا ملے گا، اور جو مقدر کر دیا ہے اس کو کوئی نہیں ٹال

سکتا، اسی مناسبت سے امام مالک نے ابواب القدر کے تحت یہ حدیث ذکر کی ہے۔

لفظ جد کا معنی: الجد: جیم کا فتح، بمعنی نصیبہ، مالداری اور دادا، نانا کے معنی میں عام ہے، اور جیم کا کسرہ: بمعنی کوشش واجتہاد، یہاں تینوں معنی لیا جا سکتا ہے، اللہ تعالی نے کسی کے حصہ میں دنیا میں، مال، اولاد، سلطنت، عظمت، خاندانی شرافت لکھ دی ہو تو اللہ کے عذاب کے مقابلے میں یہ چیزیں کام نہ آئیں گی، اطاعت اور عمل صالح سبب بن سکتا ہے اور حقیقت میں اللہ کا فضل ہی کام آئے گا۔

اسی طرح جتنا رزق لکھ دیا ہے اتنا ہی ملے گا، طلب رزق میں حد سے زیادہ انہماک اور کوشش سے اس کے رزق میں اضافہ نہ ہوگا؛ لہذا طلب رزق میں اتنی ہی کوشش کرنی چاہیے جس سے آخرت ضائع نہ ہو۔

(۴) مَالِكٌ أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ كَمَا يَنْبَغِيْ الَّذِى لَا يَعْجَلُ شَيْءٌ اَنَاهُ وَقَدَّرَهُ حَسْبِىَ اللّٰهُ وَكَفٰى سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ دَعٰى لَيْسَ وَرَاءَ اللّٰهِ مَرْمًى.

ترجمہ: امام مالک کو یہ خبر پہنچی کہ سلف کہا کرتے تھے کہ تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہے جس نے ہر چیز کو ویسا ہی پیدا کیا جیسا کہ اس نے چاہا (اور) جس کے مقرر کردہ وقت اور تقدیر سے کوئی چیز سبقت نہیں لے جا سکتی ہے میرے لیے اللہ ہی کافی ہے، اللہ تعالی اس کی سنتا ہے جو اس کو پکارے، اللہ کے علاوہ کوئی مقصود نہیں۔

لغات: أناہ: ہمزہ کا قصر اور مد کے ساتھ، وقت، رات کی گھڑیاں، مرمی: میم کا فتحہ اور راء کا سکون: مقصد، جمع: مرام۔

شرح حدیث: اللہ نے لوح محفوظ میں ہر چیز کے وجود میں آنے کے لیے ایک وقت مقرر کر دیا ہے، اس سے پہلے وہ چیز وجود میں نہیں آسکتی، یہی تقدیر ہے؛ اسی لیے ابواب القدر کے تحت ذکر کیا، اور فرقۂ قدریہ کی تردید کی جو تقدیر کا منکر ہے۔

(۵) مَالِكٌ أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّهُ كَانَ يُقَالُ إِنَّ أَحَدًا لَنْ يَّمُوْتَ حَتّٰى يَسْتَكْمِلَ رِزْقَهُ فَأَجْمِلُوْا فِي الطَّلَبِ.

ترجمه: حضرت امام مالکؒ کو یہ خبر پہنچی کہ کہا جاتا رہا ہے: ہرگز کوئی شخص اس وقت تک مر نہیں سکتا جب تک کہ وہ اپنا رزق پورا نہ کر لے؛ پس تم تلاش رزق میں خوش اسلوبی اختیار کرو۔

لغات: أجمل في الطلب: اعتدال کے ساتھ مانگنا۔

شرح حدیث: کسی کو بھی اس وقت تک موت نہیں آ سکتی جب تک کہ وہ اپنا مقرر کردہ رزق کھا نہ لے، انسان کو جس طرح موت تلاش کرتی ہے؛ اسی طرح رزق بھی تلاش کرتا ہے، رزق آگے آگے اور موت اس کے پیچھے پیچھے آتی ہے، جوں ہی اس کا رزق ختم ہوتا ہے، موت اس کو آ دبوچتی ہے؛ لہٰذا ہر شخص کو طلب رزق میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کرنا چاہیے، حلال روزی اختیار کرے، حرام اور مشتبہات سے بچے، ہمہ وقت رزق کی تلاش میں سرگرداں رہ کر اللہ کے احکامات سے منہ نہ موڑے؛ بلکہ اسباب اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ احکام شرعیہ کی پابندی کرے، ملے گا اتنا ہی جتنا مقدر میں ہے۔ (اوجز، ص:۱۶۹)

باب ما جاء في حسن الخلق

خوش اخلاقی کا بیان

الخلق: خاء کا ضمہ اور فتحہ، عادت، طبیعت، مزاج، فطرت، جمع: اخلاق

حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کو اچھے طریقے سے ادا کرنے کے ساتھ ساتھ ظاہری شکل وصورت اور باطن کے اچھے ہونے کا نام حسن خلق ہے۔ (ملخص از اوجز)

اخلاق کیا ہے؟: انسان کے اندرونی مادے اور قوتیں جن سے اعمال سرزد ہوتے ہیں اسے اخلاق کہتے ہیں، اخلاق عمل کی بنیاد ہوتے ہیں، جس کے جیسے اخلاق ہوں گے ویسے ہی اعمال سرزد ہوں گے؛ اگر کسی کے اندر شجاعت کا مادہ ہے تو حملہ آوری، اور اگر سخاوت کا مادہ ہے تو داد و دہش کے اعمال سرزد ہوں گے، اخلاق سب فطری اور جبلی ہیں، (اگرچہ اس میں بھی اختلاف ہے کہ اخلاق جبلی ہیں یا کسبی؛ لیکن ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ جبلی ہیں) قال القاري و الاظهر أن الاخلاق كلها باعتبار أصلها جبلية

قابلة للزيادة والنقصان في الكمية و الكيفية. (اوجز،ص:۱۷۰)

اور درجۂ فطرت میں نہ کوئی خلق محمود ہے اور نہ مذموم؛ بلکہ مواقع استعمال سے ان میں مدح وذم آتی ہے، من اعطى لله ومنع لله فقد استكمل الإيمان، اس میں إعطاء ومنع دونوں کے ساتھ للہ کی قید ہے جس سے معلوم ہوا کہ سخاوت مطلقاً محمود نہیں ہے، اور نہ بخل مطلقاً مذموم ہے، اگر خدا کے لیے ہے تو محمود ہے؛ ورنہ مذموم ہے۔

اخلاق کی دو قسمیں ہیں: (۱) اخلاق حسنہ (۲) اخلاق ذمیمہ ورذیلہ، باطنی قوتوں اور مادوں کے اعتدال کا نام اخلاق حسنہ ہے اور ان چیزوں کی بے اعتدالی اور افراط وتفریط کا نام اخلاق رذیلہ ہے۔

اخلاق حسنہ کی اہمیت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات میں ایمان کے بعد جس چیز پر بہت زیادہ زور دیا ہے وہ اخلاق حسنہ ہیں، ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اپنے آپ کو اخلاق حسنہ سے مزین کرے اور برے اخلاق سے بچے؛ چونکہ یہ بعثت نبوی کے اہم مقاصد میں سے ہے، اگر انسان کے اخلاق اچھے ہوں گے تو قلبی سکون حاصل ہوگا اور زندگی خوش گوار گزرے گی، اس کے برعکس اگر آدمی کے اخلاق برے ہوں گے تو خود بھی زندگی کے لطف سے محروم رہے گا اور دوسروں کی زندگی کو بھی بدمزہ اور تلخ کردے گا، یہ تو خوش خلقی اور بد خلقی کے دنیوی نتائج ہیں جو روزمرہ ہمارے سامنے آتے رہتے ہیں اور مرنے کے بعد کے نتائج ان سے زیادہ اہمیت کے حامل ہیں آخرت میں خوش اخلاقی کا نتیجہ ارحم الراحمین کی رضا و جنت ہے اور بد خلقی کا انجام اللہ تعالی کا غضب اور دوزخ ہے۔ (معارف الحدیث)

(۱) عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَنَّهُ قَالَ: آخِرُ مَا أَوْصَانِي بِهِ رَسُوْلُ اللّٰه عليه وسلم حِيْنَ وَضَعْتُ رِجْلِيْ فِي الْغَرْزِ، اَنْ قَالَ لِي: أَحْسِنْ خُلُقَكَ لِلنَّاسِ مَعَاذُ بْنَ جَبَلٍ!.

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جو

آخری وصیت فرمائی، جب میں نے اپنا پاؤں رکاب میں رکھا وہ یہ کہ آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ اے معاذ! لوگوں کے ساتھ اپنے اخلاق اچھے رکھنا۔

لغت: **الغرز:** غین کا فتحہ اور راء کا سکون، رکاب: وہ آہنی حلقہ جو گھوڑے کی زین میں دونوں طرف لٹکا رہتا ہے اور سوار اس پر پاؤں رکھ کر گھوڑے پر چڑھتا ہے، **معاذ بن الخ وفی المحلی معاذ بالضم علی انه منادی معرفه، وابن جبل بنصب النون کما هو المختار.** (اوجز)

شرح حدیث: سنہ ۹ھ میں نبی اکرم ﷺ نے جب حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو رسول اللہ ﷺ نے آخری وصیت یہ کی کہ لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرنا خندہ پیشانی، بردباری اور محبت سے پیش آنا، تندخوئی اور سختی سے پیش نہ آنا۔

یہ حکم عام لوگوں کے لیے عام حالت میں ہے؛ البتہ جو قاضی اور حاکم وقت ہوں، ان کے لیے جب کوئی شرعی معاملہ آجائے اور سختی کی ضرورت ہو تو سختی اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مرقات: ص:۲۸۶ ج:۲)

فائدہ: علماء کہتے ہیں کہ یہ مؤطا کی ان چار روایتوں میں سے ایک ہے جو کسی کتاب میں متصل نہیں ہیں، امام زرقانیؒ نے اس کا جواب دیا ہے کہ ممکن ہے وہ کتاب جس میں یہ حدیث متصل ہے امام مالک کے پاس ہو اور ہم تک نہ پہونچی ہو، حضرت سفیان بن عیینہ کہتے ہیں: "امام مالک کی تمام روایتیں متصل ہیں منقطع نہیں ہیں"۔

(۲) عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلی الله علیه وسلم أَنَّهَا قَالَتْ: مَا خُيِّرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِي أَمْرَيْنِ قَطُّ إِلَّا أَخَذَ أَيْسَرَهُمَا مَا لَمْ يَكُنْ إِثْمًا فَإِنْ كَانَ إِثْمًا كَانَ أَبْعَدَ النَّاسِ مِنْهُ وَمَا انْتَقَمَ رَسُولُ اللّٰهِ لِنَفْسِهِ إِلَّا أَنْ تُنْتَهَكَ حُرْمَةُ اللّٰهِ فَيَنْتَقِمُ لِلّٰهِ بِهَا.

ترجمہ: حضرت عروہ بن زبیر ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کو جب بھی دو چیزوں کا اختیار دیا گیا تو آپ نے ان

میں سے آسان کو اختیار فرمایا بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو، پس اگر وہ گناہ کی بات ہوتی تو آپ لوگوں میں اس (گناہ) سے سب سے زیادہ دور رہنے والے ہوتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے کبھی اپنی ذات کے لیے انتقام نہیں لیا؛ مگر یہ کہ اللہ تعالی کی حرمت کو پامال کیا جاتا ہو تو اللہ تعالی کی خاطر انتقام لیتے۔

شرح حدیث: دنیاوی امور میں جب کبھی آپ ﷺ کو دو باتوں کا اختیار دیا جاتا (خواہ یہ اختیار دینا من جانب اللہ ہو یا من جانب الکفار یا من جانب المؤمنین ہو) تو آپ اس کو اختیار فرماتے جس پر عمل آسان ہو بشرطیکہ وہ گناہ کے قبیل سے نہ ہو یا گناہ تک پہنچانے والی نہ ہو، اگر اختیار من جانب اللہ ہو تو دوسری صورت متعین ہوگی۔

اور جب تک معاملہ آپ کی ذات تک محدود رہتا اور آپ کو کوئی تکلیف پہنچاتا تو آپ درگزر کا معاملہ فرماتے، بدلہ نہ لیتے؛ چناں چہ اس طرح کے واقعات احادیث میں کثرت سے ملتے ہیں یہ آپ کی بردباری اور بلندی اخلاق کی واضح دلیل ہے، ہاں! اگر کوئی اللہ تعالی کے احکامات وحدود کی پامالی کرتا تو صرف اللہ کی عظمت کے خاطر آپ نے بہ حکم خداوندی انتقام لیا۔ (اوجز، ص:۱۷۳)

(۳) عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنِ بْنِ عَلِيِّ بن أبي طالب أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ.

ترجمہ: حضرت علی بن حسین بن علی بن ابوطالب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: آدمی کے اسلام کی خوبی میں سے اس کا؛ لایعنی (فضول اور بے کار) باتوں کو چھوڑنا ہے۔

شرح حدیث: ہر مسلمان پر لازم ہے اپنے آپ کو اچھے اخلاق سے مزین کرنا اور برے اخلاق سے بچانا اور عمدہ اخلاق میں یہ بھی ہے کہ وہ بے مقصد اور فضول باتوں سے پرہیز کرے، ایمان، اعمال اور وہ ضروریات زندگی جس سے دنیا یا آخرت میں فائدہ ہو، یہ سب کے سب یعنی اور بامقصد ہیں، اس کے علاوہ لایعنی اور فضول ہے، اور جو جیسا اپنے آپ کو عمدہ اخلاق سے مزین کرے گا وہ اتنا ہی کامل ایمان والا ہوگا؛ لہذا ہر مسلمان کو عمدہ

اخلاق اپنانا چاہیے، امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں: جن چار حدیثوں میں دین کی بنیادی باتیں ہیں ان میں سے ایک یہ حدیث ہے۔ (ملخص از اوجز، ص:۴/ ۱۷۴)

(۴) مَالِكٌ أَنَّه بَلَغَه عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهَا قَالَتْ اِسْتَأْذَنَ رَجُلٌ عَلَى رسولِ اللهِ ﷺ قَالَتْ عَائِشَةُ وَأَنَا مَعَه فِي الْبَيْتِ، فَقَالَ رسولُ اللهِ ﷺ بِئْسَ ابْنُ الْعَشِيرَةِ، ثُمَّ أَذِنَ لَه قَالَتْ عَائِشَةُ: فَلَمْ أَنْشَبْ أَنْ سَمِعْتُ ضِحْكَ رَسُوْلِ اللّهِ ﷺ مَعَه فَلَمَّا خَرَجَ الرَّجُلُ قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّهِ! قُلْتَ فِيْهِ مَا قُلْتَ ثُمَّ لَمْ تَنْشَبْ أَنْ ضَحِكْتَ مَعَه فَقَالَ رسولُ اللهِ ﷺ إِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ مَنِ اتَّقَاه النَّاسُ لِشَرِّه.

ترجمہ: حضرت امام مالکؒ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: مجھے ام المؤمنین حضرت عائشہ سے یہ بات پہنچی ہے کہ: انہوں نے کہا: کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے (حاضری کی) اجازت مانگی، جب کہ میں آپ کے ساتھ گھر میں موجود تھی، آپ ﷺ نے فرمایا: (اپنے) قبیلے کا بدترین شخص ہے؛ پھر اس کو اجازت دے دی حضرت عائشہ نے فرمایا: کہ تھوڑی ہی دیر میں میں نے سنا کہ رسول اللہ ﷺ اس کے ساتھ ہنس رہے ہیں، جب وہ شخص چلا گیا تو میں نے کہا کہ اللہ کے رسول! آپ نے اس کے متعلق کہا جو آپ نے کہا، پھر جلد ہی اس کے ساتھ ہنسنے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ بدترین آدمی وہ ہے کہ لوگ اس کے شر کی وجہ سے اس سے بچیں۔

فلم أنشب : أى لم أمكث: يقال : ولم ينشب أن مات(سمع) وہ فوراً مر گیا۔

شرح حدیث: پردے کا حکم نازل ہونے سے پہلے عتبہ بن حصین فزاری نامی ایک شخص نے (جو اب تک مسلمان نہیں ہوا تھا) نبی کریم ﷺ کے پاس آنے کی اجازت چاہی، حضرت عائشہ اس وقت آپ ﷺ کے ساتھ گھر میں موجود تھیں، آپ اس کی آواز سے پہچان گئے تو اسی وقت آپ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ: یہ اپنے قبیلے کا برا آدمی ہے، پھر آپ نے اندر آنے کی اجازت دے دی اور اس کے ساتھ خندہ پیشانی سے بات کرنے لگے؛ جب وہ چلا گیا تو حضرت عائشہ نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ اندر آنے سے پہلے

آپ نے اس کے سلسلے میں ایسی بات کہی؛ اور جب اندر آ گیا تو آپ نے نرمی اور خندہ پیشانی سے گفتگو کی، ایسا کیوں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عائشہ! قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے برا آدمی وہ ہوگا جس کو لوگ اس کی سخت گوئی اور بے ہودہ گوئی کی وجہ سے چھوڑ دیں۔ (بخاری میں اسی روایت میں یہ اضافہ ہے، إن من شر الناس عند الله منزلةً يوم القيامة الخ) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنے والا کتنا ہی برا کیوں نہ ہو جب وہ ہمارے پاس آئے تو حسن اخلاق سے پیش آنا چاہیے۔

إن من شر الناس من اتقاه الناس: اس جملے میں لفظ من کا مصداق کون ہے؟ اس میں دو احتمال ہیں (۱) ''من'' کا مصداق آپ کی ذات گرامی بھی ہو سکتی ہے اور (۲) آنے والا شخص بھی مراد ہو سکتا ہے؛ اگر آپ کی ذات گرامی مراد ہو تو مطلب ہوگا کہ میں نے اس شخص کے منہ پر اس کو برا بھلا اس لیے نہیں کہا تا کہ میں سخت گو اور تند خو قرار نہ دیا جاؤں اور میرا شمار ان لوگوں میں نہ ہونے لگے جن کی سخت کلامی اور بداخلاقی کی وجہ سے لوگ اس سے ملنا جلنا چھوڑ دیں۔

اور اگر ''من'' سے مراد آنے والا شخص ہو تو مطلب ہوگا کہ وہ شخص چونکہ بہت شریر اور بد باطن تھا؛ لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بد باطنی اور بدگوئی کی وجہ سے اس کے سامنے برا بھلا کہنے سے اجتناب کیا اور درحقیقت برا وہی شخص ہے جس کی برائی سے بچنے کے لیے لوگ اس سے اجتناب کریں۔ (اوجز، ص:۱۷۱)

فائدہ: آنے والے شخص کے بارے میں اس کے اندر آنے سے پہلے آپ ﷺ نے جو مذمت کے الفاظ ارشاد فرمائے اس کا مقصد اس کے احوال کو منکشف کرنا تھا؛ تا کہ لوگ اس کی حقیقت حال سے باخبر رہیں؛ لہذا اس کو غیبت نہیں کہا جائے گا یا وہ شخص فاسق معلن تھا اور جو کھلم کھلا فسق و فجور میں مبتلا ہو اس کی حقیقت حال کو واضح کر دینا غیبت نہیں ہے، یا یہ کہ نصیحت کے طور پر کسی کے عیب کو کسی کے سامنے ظاہر کرنا تا کہ وہ اس کے شر سے بچے یہ غیبت نہیں ہے، لہذا حضور ﷺ نے آنے والے شخص کے بارے میں حضرت عائشہؓ سے جو کچھ فرمایا وہ غیبت نہیں ہے، رہی بات نبی کریم ﷺ کا خندہ پیشانی سے ملاقات کرنا اور بات کرنا یہ مداہنت نہیں ہے؛ بلکہ مدارات ہے، مداہنت میں دنیا کے لئے دین کو

ترک کرنا ہوتا ہے اور مدارات میں دنیا کو دنیا کی صلاح کے لئے یا دین کی صلاح کے لئے یا دونوں کی صلاح کے لئے خرچ کرنا ہوتا ہے، پس آپ ﷺ کا اس کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کرنا حسن معاشرت کے طور پر تھا جو دنیا کے قبیل سے ہے۔

(۵) عَنْ عَمِّه أَبِي سُهَيْلِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَبِيْه عَنْ كَعْبِ الْأَحْبَارِ أَنَّه قَالَ إِذَا أَحْبَبْتُمْ أَنْ تَعْلَمُوْا مَا لِلْعَبْدِ عِنْدَ رَبِّه فَانْظُرُوْا مَاذَا يَتْبَعُه مِنْ حُسْنِ الثَّنَاءِ.

ترجمہ: سہیل بن مالک اپنے والد سے، وہ حضرت کعب احبار سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: جب تم یہ جاننا پسند کرو کہ بندے کے لیے اس کے رب کے یہاں کیا (مرتبہ) ہے تو دیکھو اس کے پیچھے (لوگ) کتنی تعریف کرتے ہیں۔

شرح حدیث: کسی آدمی کی پس پشت اس کی زندگی میں یا اس کے مرنے کے بعد لوگ تعریف کریں تو یہ دلیل ہے کہ اس کے اخلاق اچھے تھے یا ہیں اور جب کسی کے اخلاق اچھے ہوں تو اللہ تعالی لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دیتے ہیں اور ان کی زبان پر اس کا ذکر خیر جاری کر دیتے ہیں، اسی سے اللہ تعالی کے یہاں اس کے مقام و مرتبہ کا پتہ چلتا ہے اور ظن غالب یہی ہے کہ وہ مقبول بندہ اور جنتی ہے اور اگر لوگ اس کو برا کہیں تو ظن غالب یہی ہے کہ معاملہ برعکس ہے۔

امام زرقانی فرماتے ہیں ان لوگوں کے کہنے کا اعتبار ہے جو اہل علم اور صلحاء ہیں نہ کہ فساق و فجار کا۔ (اوجز، ص:۱۷۷)

(۶) عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ أَنَّه قَالَ بَلَغَنِي أَنَّ الْمَرْأَ لَيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِه دَرَجَةَ الْقَائِمِ بِاللَّيْلِ الظَّامِي بِالْهَوَاجِرِ.

ترجمہ: یحی ابن سعید نے کہا کہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ آدمی اپنی خوش خلقی کی وجہ سے رات کو تہجد پڑھنے والے، گرمیوں میں پیاس برداشت کرنے والے (روزہ دار) کا درجہ پا لیتا ہے۔

لغات: الظامي: (سمع) ظمأ سخت پیاس لگنا، پیاسا ہونا۔ الهواجر: واحد:

ھاجرۃ: سخت گرمی۔

شرح حدیث: نیکی صرف نماز روزہ ہی میں نہیں ہے؛ بلکہ خلق خدا کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی نیکی ہے، حسنِ اخلاق کی وجہ سے آدمی رات کو تہجد پڑھنے والے اور دن کو روزہ رکھنے والے کے درجے کو ثواب کے اعتبار سے پہنچ جاتا ہے؛ کیوں کہ جس طرح تہجد گزار اپنی نیند کو قربان کر کے نفس کے خلاف مجاہدہ کرتا ہے؛ اور جس طرح روزہ رکھنے والا (خاص کر سخت گرمی میں) بھوک پیاس اور جماع سے مجاہدہ کرتا ہے، اسی طرح حسن اخلاق والا مجاہدہ کرتا ہے کہ کوئی اس کو برا کہتا ہے پھر بھی برداشت کرتا ہے اور اس کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے، کوئی اچھا کہتا ہے تب بھی اپنا پاؤں زمین پر رکھتا ہے، اکڑتا نہیں ہے؛ لہذا اسی مجاہدہ کی وجہ سے وہ قائم باللیل اور صائم بالنہار کا درجہ پالیتا ہے۔ (اوجز، ص: ۱۷۸)

(۷) عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ أَنَّه قَالَ: سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُوْلُ: أَلا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرٍ مِنْ كَثِيْرٍ مِنَ الصَّلٰوةِ وَالصَّدَقَةِ قَالُوا: بَلٰى! قَالَ: إِصْلاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ إِيَّاكُمْ وَالْبِغْضَةَ فَإِنَّهَا هِيَ الْحَالِقَةُ.

ترجمہ: یحیٰ بن سعید نے سعید بن مسیّب کو فرماتے ہوئے سنا کہ: کیا میں تمہیں بہت سی (نفلی) نماز اور صدقہ سے بہتر بھلائی کی بات نہ بتاؤں؟ لوگوں نے کہا: کیوں نہیں؟ سعید ابن میسّب نے کہا لوگوں کے درمیان صلح کرا دینا، اور کینہ سے بچتے رہو؛ کیونکہ وہ (دین) کو مونڈنے والی چیز ہے۔

شرح حدیث: اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنا، صرف نفلی نماز اور روزے ہی میں منحصر نہیں ہے؛ (اگر چہ ان میں سے ہر کام بڑی فضیلت اور ثواب کا ہے) بلکہ خوش خلقی اور نیکی بھی اللہ کے تقرب کا ذریعہ ہے اور خوش خلقی یہ بھی ہے کہ جن دو کے درمیان عداوت اور حسد ہے یا کسی معاملہ میں دوری ہے ان کے درمیان صلح کرا دینا؛ ورنہ انسان عداوت و دشمنی میں حدود سے نکل جاتا ہے، آپس کی نفرتیں اور ناچاقیاں مونڈنے والی چیزیں ہیں، ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: کہ میں نہیں کہتا کہ آپس کے جھگڑے تمہارے بالوں کو مونڈنے والے ہیں؛ بلکہ یہ جھگڑے دین کو

مونڈنے والے ہیں؛ کیونکہ جب آپس میں جھگڑے ہوتے ہیں تو اس کی وجہ سے انسان بے شمار گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، ایک دوسرے کی غیبت، حسد، کینہ وغیرہ اور انہی چیزوں کی نحوست کی وجہ سے انسان دین سے بے گانہ ہو جاتا ہے اور دین کا نور جاتا رہتا ہے اور دل میں ظلمت پیدا ہوتی ہے؛ لہذا ہر مسلمان کو حسد، بغض اور آپسی جھگڑوں سے بچنا چاہیے۔(اوجز،ص:۱۷۹اور حاشیہ:۶)

(۸) مَالِکٌ أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ رسولَ اللهِ ﷺ قَالَ: بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ حُسْنَ الأَخْلاقِ.

ترجمہ: حضرت امام مالک کو یہ حدیث پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اس لیے بھیجا گیا؛ تاکہ میں اچھے اخلاق کی تکمیل کروں۔

شرح حدیث: حسن اخلاق دین کا بڑا شعبہ ہے، تمام انبیاء اچھے اخلاق کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں، چونکہ آپ ﷺ خاتم النبین ہیں آپ کے ذریعہ اللہ نے دین کی تکمیل فرمائی، اس طرح یہ شعبہ بھی تمام کو پہنچا، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں بھی عربوں کے اخلاق اچھے تھے، شجاعت تھی، سخاوت تھی وغیرہ وغیرہ، ملت ابراہیمی کی جو بھی صفات تھیں اس میں کمی آ گئی تھی، اللہ تعالی نے اس میں آپ کے ذریعہ کچھ اضافہ کراکے اور اس کو صحیح رخ دے کر آپ کے ذریعہ تکمیل کرادی، اس طرح آپ "بعثت لأتمم حسن الأخلاق" کے مصداق قرار پائے۔(مرقات،ص:۲۸۶،ج:۹)

خلاصہ: عقائد، اعمال، عبادات، معاشرتی اصلاحات ان سب کا حسن اخلاق سے گہرا تعلق ہے، حسن اخلاق کا معاشرے میں ہمیشہ ایک مقام رہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اچھے اخلاق کو بہترین نظم و ترتیب کے ساتھ پیش کیا، آپ کے اقوال و افعال سے اعلی درجے کے بلند اخلاق کا ظہور ہوا، احادیث میں اخلاق و سیرت کے ہر ہر گوشے کی تفصیلات موجود ہیں۔

باب ما جاء في الحياء

شرم وحیا کا بیان

الحياء في اللغة : تغير و انكسار يعترى الإنسان من خوف ما يعاب به .

انسان کی وہ کیفیت جو اس کو ملامت یا عیب کے خوف سے پیش آئے۔

وفي الشرع : خلق يبعث على اجتناب القبح ويمنع من التقصير في حق ذى الحق.

حیا آدمی کی اس خصلت کا نام ہے جو اس کو ناپسندیدہ کاموں کے ترک پر ابھارے اور حق دار کے حق کی ادائیگی میں کوتاہی سے روک دے۔

وقال الراغب: الحياء انقباض النفس عن القبح .

حیا انسان کی اس کیفیت کا نام ہے جو ہر ناپسندیدہ کام کے ارتکاب سے روک دے۔(اوجز،ص:۱۸۰)

شرم وحیا ایک بنیادی وصف ہے جس کا انسان کی سیرت سازی میں اور معاشرے کے سنوارنے میں بڑا دخل ہے، یہی وصف انسان کو بہت سارے برے کاموں سے روکتا ہے اور بری باتوں سے باز رکھتا ہے، اچھے اور شریفانہ کاموں پر آمادہ کرتا ہے، حیا حسن اخلاق ہی کا ایک حصہ ہے؛ مگر اس کی عظمت شان کی وجہ سے امام مالک نے مستقلاً علحدہ باب میں ذکر کیا ہے۔(اوجز،ص:۱۸۰)

(۱)عَنْ زَيْدِ بْنِ طَلْحَةَ بْنِ رُكَانَةَ يَرْفَعُه إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم :لِكُلِّ دِيْنٍ خُلُقٌ وَ

خُلُقُ الإِسْلامِ الْحَيَاءُ.

ترجمہ: زید بن طلحہ بن رکانہ اس حدیث کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع کرتے ہیں، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علی سلم نے فرمایا: ہر دین کی ایک خصلت ہوتی ہے اور اسلام کی خصلت حیا ہے۔

شرح حدیث: ہر دین کی ایک فطرت اور خصلت ہوتی ہے جس کو اس دین کے ماننے والے اختیار کرتے ہیں، یا اس دین والوں پر اس کا غلبہ ہوتا ہے اور اسلام کی فطرت حیا ہے؛ چونکہ حیا بہترین خصلت ہے اور اسلام بہترین دین ہے؛ لہٰذا دین اشرف کو خلق اشرف دیا گیا۔ (مرقات، ص:۲۹۴، ج:۲، اوجز، ص:۱۸۴)

(۲) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رسو لَ اللهِ صلى الله عليه وسلم مَرَّ عَلَى رَجُلٍ وَ هُوَ يَعِظُ أَخَاه فِي الْحَيَاءِ فَقَالَ رسو لُ اللهِ صلى الله عليه وسلم : دَعْه فَإِنَّ الْحَيَاءَ مِنَ الإِيْمَانِ .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ ایک شخص کے پاس سے گزرے جو اپنے بھائی کو کثرت حیا کے متعلق نصیحت کرر ہا تھا آپ ﷺ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو، اس لیے کہ حیا ایمان میں سے ہے۔

شرح حدیث: "وهو يعظ أخاه" یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک انصاری صحابی پر ہوا جو اپنے بھائی کو کثرت حیا کے متعلق یہ نصیحت کرر ہا تھا کہ اتنی شرم وحیا مناسب نہیں ہے؛ ورنہ بہت سے فوائد سے محروم ہو جاؤ گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ سنا تو فرمایا کہ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو، حیا تو ایمان کا ایک شعبہ ہے اور انسان کے اندر حیا ایک ایسی خصلت ہے جو رسوائی کے خوف کی وجہ سے دنیا وآخرت کے ہر اچھے کاموں کی طرف داعی اور برے کاموں سے مانع ہوتی ہے۔ (مرقات، ص:۲۶۸، ج:)

باب ما جاء في الغضب
غضب کا بیان

قال الراغب : هو ثوران دم القلب إرادة الانتقام . انتقام کی غرض سے خون کا ابلنا۔

(۱) عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمنِ بْنِ عَوْفٍ أَنَّ رَجُلا أَتَى إلى رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ : يَا رسولَ اللهِ! عَلِّمْنِي كَلِمَاتٍ أَعِيْشُ بِهِنَّ وَلا تُكْثِرْ عَلَيَّ فَأَنْسَى فَقَالَ: رسولُ اللّهِ صلى الله عليه وسلم: لَاتَغْضَبْ.

ترجمہ: حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے ایسی چند باتیں بتلایئے جن سے میں زندگی بھر فائدہ اٹھا سکوں اور وہ اتنی زیادہ نہ ہوں کہ میں بھول جاؤں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو غصہ مت کر۔

شرح حدیث: ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ مجھے ایک مختصر نصیحت فرما دیجئے جو میرے لیے پوری زندگی کام آئے، آپ نے ان کو ایک مختصر نصیحت فرمائی کہ تم غصہ نہ کیا کرو، یہ بہ ظاہر مختصر جملہ ہے؛ مگر بڑا کلیہ آپ نے بتلا دیا وہ اس طرح کہ شریعت کا دار و مدار اس پر ہے کہ آدمی اپنے نفس کی خواہشات پر عمل نہ کرے، بری باتوں سے اس کو روکے، حد سے زیادہ غصہ نہ کرے،

جس کی وجہ سے انسان حد اعتدال سے نکل جاتا ہے، غلط باتیں بکتا ہے، بغض، کینہ اور دیگر برائیاں اسی غصے پر مرتب ہوتی ہیں، گرچہ غصہ اپنے محل میں ایک اچھی صفت ہے؛ مگر ہر وقت غصہ کرنا یا غیر محل میں کرنا معاشرے کی خرابی کا باعث ہے؛ لہذا جب بھی کوئی غصہ کے وقت اپنے نفس کو روکنے اور زیادتی سے باز رکھنے پر قادر ہوگا تو وہ شخص بہ خوبی دوسرے اوقات میں نفس پر قادر ہوگا اور اس سے اعمال صالحہ صادر ہوں گے اور بری باتوں سے باز رہے گا۔

(۲) عَنْ أَبِيْ هريرةَ أَنَّ رسو لَ اللهِ صلى الله عليه سلم قَالَ: لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرَعَةِ، إِنَّما الشَّدِيْدُ الَّذِيْ يَمْلِكُ نَفْسَه عِنْدَ الْغَضَبِ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ آدمی زور آور (پہلوان) نہیں جو کشتی میں لوگوں کو پچھاڑ دے، زور آور تو وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھے۔

لغات: الصرعة: صاد کا ضمہ اور راء کا فتح، تا مبالغہ کے لیے ہے، بہت پچھاڑنے والا - پہلوان- (ف) زمین پر گرانا، اور ترکیب میں ''لیس'' کی خبر ہے با زائدہ ہے۔

شرح حدیث: ایک حدیث کا مضمون ہے کہ تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا نفس جو تیرے دو پہلوؤں کے درمیان ہے، نفس کے غلط مطالبے انسان کو روحانی موت مار دیتے ہیں؛ اگر اس کو روکا نہ جائے اور اصلاح نہ کی جائے تو نتیجہ دونوں جہاں کا خسارہ ہے؛ اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: طاقت ور وہ نہیں جو کشتی میں اپنے مدمقابل کو پچھاڑ دے یہ تو وقتی اور عارضی فائدہ ہے، اصل طاقت ور وہ ہے جو اپنے نفس کی اصلاح کرے اور غصہ کے وقت قابو میں رکھے؛ تاکہ اس سے اس وقت برے افعال صادر نہ ہوں اور دنیا وآخرت میں نقصان نہ اٹھانا پڑے۔

باب ما جاء في المهاجرة

ایک دوسرے سے قطع تعلق کا بیان

هجر: (ن) قطع تعلق کرنا، (مفاعلة) مهاجرة: ہجرت کرنا۔

الهجرة في الأصل ضد الوصل، ثم غلب على الخروج من أرض إلى أرض، يقال منه هاجر مهاجرة.

ہجرت دراصل وصل کی ضد ہے، پھر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کے معنی میں استعمال ہونے لگا اسی سے مہاجرۃ کہا جانے لگا۔

(۱) عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الأَنْصَارِيِّ أَنَّ رسولَ اللهِ ﷺ قَالَ: لاَ يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلاثِ لَيَالٍ يَلْتَقِيَانِ فَيُعْرِضُ هذَا وَ يُعْرِضُ هذَا وَ خَيْرُهُما الَّذِي يَبْدَأُ بِالسَّلامِ.

ترجمہ: حضرت ابوایوب انصاری سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کسی مسلمان کے لیئے حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرے، جب یہ ایک دوسرے سے ملیں تو یہ بھی منہ پھیر لے اور وہ بھی منہ پھیر لے اور ان دونوں میں بہتر وہ ہے جو سلام میں پہل کرے۔

شرح حدیث: جب انسان ایک ساتھ بود و باش اختیار کرتا ہے تو باہم کسی نہ کسی بات پر ناگواری ہو ہی جاتی ہے اور ایک دوسرے سے خفگی کی وجہ سے ترک تعلق اور سلام و کلام منقطع ہو ہی جاتا ہے؛ مگر اس کی تھوڑی دیر ہی کے لیے گنجائش ہے، اور اس کی حدحدیث باب سے، دن تین تک ہی معلوم ہوتی ہے اور تین دن سے زیادہ سلام و کلام کا ترک کرنا حرام ہے اور اتنی مدت کی گنجائش اس لیے رکھی گئی ہے کہ غیض و غضب اور غیرت

وحمیت انسان کی طبیعت میں مرکوز ہے؛ لہذا ان وجوہات کی بنا پر تین دن تک ملنا جلنا چھوڑے رکھے تو حرام نہ ہوگا؛ تاکہ انسان کے ان جذبات کی بھی کچھ رعایت ہو جائے اور تین دن کے عرصہ میں ناراضگی ختم ہو جائے یا کم ہو جائے، اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں ہے۔

وخير هما الذى يبدأ بالسلام: اور ان دونوں میں بہتر وہ ہے جو خفگی اور ناراضگی کو ختم کرنے کے لیے سلام کرنے میں ابتداء کرے اور تعلقات بحال کرنے میں پہل کرے، سلام کرنے سے مراد یہ نہیں ہے کہ سلام کر کے ناراضگی کے زمانے کی طرح جب بھی ایک دوسرے کا آمنا سامنا ہو تو ضرورت کے باوجود ترک کلام کا اہتمام کرے؛ بلکہ کچھ باتیں بھی کرے اور اعراض کر کے اسے تکلیف نہ دے؛ البتہ دوست واحباب کی طرح خوش وخرم ہو کر ملنا ضروری نہیں۔ (مرقات، ص: ۲۳۰، ج: ۹ -- تکملۂ فتح الملہم، ص: ۲۷۴، ج: ۱۱)

دینی حمیت کی وجہ سے ترک تعلق

تین دن سے زائد ترک تعلق اس وقت ممنوع ہوگا جب اس کا سبب نفسانی خواہش ہو اور دنیاوی اغراض ہو؛ اگر ترک تعلق کسی دینی معاملے کی وجہ سے ہو مثلاً وہ کھلم کھلا گناہ اور معصیت پر اصرار کرتا ہے اور منع کرنے کے باوجود اس سے باز نہیں آتا تو اللہ کے واسطے اس سے اس وقت تک ترک تعلق کر سکتا ہے تا آنکہ وہ توبہ نہ کرے۔ (اوجز، ص: ۱۸۵)

(۲) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: لَا تَبَاغَضُوْا وَلَاتَحَاسَدُوْا وَلَا تَدَابَرُوا وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا وَلَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاه فَوقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ.

ترجمه: حضرت انس ابن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کہ ایک دوسرے سے بغض مت رکھو، ایک دوسرے سے (دشمنی کی وجہ سے) مت جلو، باہم قطع تعلق مت کرو، اور اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ! اور مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے دینی بھائی سے تین دن سے زیادہ ترک تعلق کرے۔

شرح حدیث: حضور ﷺ نے اس حدیث میں پانچ احکام بیان فرمائیں

(۱) لاتباغضوا: (تفاعل) ایک دوسرے سے بغض مت رکھو، شدید نفرت مت کرو، بغض کے معنی نفرت اور دشمنی کے ہیں، جب انسان کو غصہ میں بدلہ لینے کی قدرت نہیں ہوتی تو ضبط کرنے کی وجہ سے اس شخص کی طرف سے دل پر ایک قسم کی گرانی ہوتی ہے اور اس کو حقد یعنی کینہ اور بغض کہتے ہیں، اس کے دو درجے ہیں ایک اختیاری یعنی قصد واختیار سے کسی کی برائی اور بدخواہی دل میں رکھی جائے، اس سے انتقام اور بدلہ لینے کی فکر اور تدبیر کرے یہ نا جائز ہے، دوسرے غیر اختیاری یعنی کسی سے رنج کی بات پیش آئے جس کی وجہ سے طبیعت اس سے ملنے پر آمادہ نہ ہو؛ مگر اس سے انتقام لینے کی نہ تو فکر ہو اور نہ ہی تدبیر تو یہ کینہ نہیں ہے؛ بلکہ انقباض ہے، جو گرچہ گناہ نہیں ہے؛ مگر اس کو بھی دفعہ کرنا چاہیے اور اس کی صورت یہ ہے کہ اس کو کہہ دے کہ آپ کی اس حرکت سے مجھے تکلیف ہے۔ (ملخص از شریعت وطریقت)

(۲) ولا تحاسدوا: دشمنی کی وجہ سے ایک دوسرے پر مت جلو، اس کی خوشحالی اور نصیبہ وری کے زوال کی تمنا مت کرو۔

حسد کہتے ہیں کہ کسی کی خوش حالی اور نصیبہ وری پر جلنا اور یہ تمنا کرنا کہ اس کی خوش حالی ختم ہو جائے، خواہ وہ نعمت حاسد کو ملے یا نہ ملے یہ حسد بہ اجماع امت حرام ہے اور صحیح وصریح نصوص سے ثابت ہے اور ایک ہے غبطہ اور رشک: یعنی یہ آرزو کرنا کہ دوسرے کو جو نعمت حاصل ہے وہ اسے بھی مل جائے، یہ دنیوی امور میں جائز اور عبادات میں پسندیدہ ہے۔

(۳) ولا تدابروا: اور باہم قطع تعلق مت کرو، الدبر کے معنی: پیٹھ، پیچھے اور باب تفاعل میں معنی ہوگا ایک دوسرے کی طرف پیٹھ کرنا (امام مالکؒ نے آخر میں تدابر کے یہی معنی بیان کیے ہیں، یعنی جب ملنے کا موقع آئے تو ایک دوسرے کی طرف منہ کرنے کے بہ جائے پیٹھ کر لے۔

(۴) کونوا عباد الله إخوانا: اللہ کے بندو بھائی بھائی بن جاؤ، یعنی تم سب اللہ کے بندے ہونے میں برابر ہو اور تمہارا مذہب ایک ہے؛ لہذا آپس میں حسد اور بغض سے دور رہو اور آپسی محبت اور بود وباش میں بھائی بن کر رہو، جس کو جو نعمتیں ملی ہیں وہ اللہ کی طرف سے ملی ہیں؛ لہذا ایک دوسرے سے جلنے کا کیا معنی ہے؟۔

(۵) ولا یحل لمسلم: اور مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے دینی بھائی سے تین دن سے زیادہ بے تعلق رہے، تفصیل ماقبل میں گزری ہے۔

قَالَ مَالِکٌ لا أَحْسِبُ التَّدَابُرَ إِلَّا الإِعْرَاضَ عَنْ أَخِيکَ الْمُسْلِمِ يُدْبِرُ عَنْکَ بِوَجْهِهِ فَتُدْبِرُ عَنْهُ بِوَجْهِکَ.

امام مالکؒ نے کہا کہ "تدابر" یہی ہے کہ تو اپنے مسلم بھائی سے روگردانی کرے، یعنی وہ تیری طرف سے اپنا چہرہ پھیرے پھر تو اس سے اپنا چہرہ پھیر لے۔

(۳) عَنْ أَبِي هريرةَ أَنَّ رسولَ اللهِ ﷺ قَالَ: إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ وَلاتَجَسَّسُوْا وَلا تَحَسَّسُوْا وَلا تَنَافَسُوْا وَلا تَحَاسَدُوْا وَلا تَبَاغَضُوْا وَلا تَدَابَرُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللهِ إِخْوَاناً.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: تم بدگمانی سے بچو؛ کیونکہ بدگمانی نہایت ہی جھوٹی بات ہے اور لوگوں کے عیب مت تلاش کرو اور ان کی ٹوہ میں مت رہو اور ایک دوسرے سے دنیوی حرص میں آگے مت بڑھو اور باہم حسد مت کرو اور ایک دوسرے سے کینہ مت رکھو اور ایک دوسرے سے منہ مت پھیرو، اللہ کے بندو بھائی بھائی بن جاؤ۔

شرح حدیث: اس حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ احکام بیان فرمائے (۱) ایاکم و الظن: ظن کے معنی گمان ہے خواہ اچھا ہو یا برا اور کبھی بدگمانی بھی اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے؛ چناں چہ امام ترمذیؒ نے اسی حدیث کو ذکر کر کے "ما جاء في ظن السوء" باب باندھا ہے۔

اس حدیث کا پہلا حکم یہ ہے کہ گمان سے بچو، یعنی دینی معاملوں میں جن چیزوں کی بنیاد قطعیات پر ہے، وہاں ظن پر عمل کرنے سے بچو۔ (مرقات، ص:۲۳۱، ج:۹) اور بہ ظاہر آپ صلی اللہ علیہ سلم کا اپنی امت کو اس کی ترغیب دینا مقصود ہے کہ بدگمانی سے بچو؛ کیونکہ اس سے اختلاف کے دروازے کھلتے ہیں، ایک فریق دوسرے فریق سے بدگمان ہو جاتا ہے تو وہ مخالف کی ہر بات کو اپنے خلاف سمجھتا ہے، اس کی بات میں اگرچہ ہزار بھلائی کا احتمال ہو؛ مگر

وہ اس میں برائی کا پہلو نکال لیتا ہے؛ پھر فریق مخالف پر الزام لگانا شروع کر دیتا ہے، اور اس جستجو میں رہتا ہے کہ دوسری طرف کے بھید معلوم ہوں، ان تمام برائیوں کی بنیاد ہی بد گمانی ہے؛ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بدگمانی سے بچو یہ نہایت ہی جھوٹی بات ہے۔

اور لفظ ''الحدیث'' سے اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ گمان جب تک دل و دماغ میں ہو تو گناہ نہیں ہے؛ اگر چہ وہ بھی ممنوع ہے، اس کو بھی دور کرنا ضروری ہے؛ البتہ جب وہ زبان پر آجائے اور وہ غلط اور واقعے کے خلاف ہو تو گناہ ہوگا؛ کیونکہ گمان پر اعتماد کر کے جو باتیں کی جاتی ہیں وہ عام طور پر الزامات کے قبیل سے ہوتی ہیں، امام ترمذی نے سفیان ثوری سے یہی تفسیر نقل کی ہے۔

(۲-۳) **ولا تجسسوا، ولا تحسسوا:** (پہلا جیم کے ساتھ اور دوسرا حائے مہملہ کے ساتھ) یعنی لوگوں کے عیوب تلاش مت کرو اور ان کی ٹوہ میں مت رہو، دونوں ایک ہی معنی میں ہے یا الگ الگ؟۔ شارحین کی اس میں مختلف آراء ہیں، امام خطابی اور ابراہیم حربی کے نزدیک دونوں ایک ہی معنی میں ہے اور دوسرا پہلے معنی کی تاکید کے لیے ہے، یعنی لوگوں کے عیوب کی تفتیش نہ کرو اور نہ انکے پیچھے پڑو۔

دوسرے حضرات دونوں کے درمیان فرق کرتے ہیں: (۱) **تحسس**: (حائے مہملہ) خیر کی چیز تلاش کرنا اور **تجسس** (جیم) شر کی چیز تلاش کرنا۔ (۲) **تحسس**: (حائے مہملہ) حواس خمسۂ ظاہرہ کے ذریعہ معلومات حاصل کرنا جیسے چوری چھپکے کسی کی بات سننا۔ **تجسس**: (یعنی جیم کے ساتھ) کسی لطیف حیلے سے معلومات حاصل کرنا وغیرہ۔

(مرقات، ص:۲۳۲--تکملہ، ص:۲۷۲--اوجز، ص:۱۹۰)

(۴) **ولا تنافسوا:** دنیا کی حرص میں ایک دوسرے سے آگے مت بڑھو، تنافس کہتے ہیں: کسی کو نقصان پہنچائے بغیر ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا؛ لہذا نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لینا مأمور بہ ہے اور یہاں دنیوی کاموں میں تقابل اور ایک دوسرے سے بڑھ کر حصہ لینے سے روکا گیا ہے، چنانچہ حافظ ابن عبد البرؒ نے فرمایا: کہ یہاں ظلم، تکبر اور حکومت طلبی میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لینے

سے روکا گیا ہے۔ (اوجز، ص:۱۹۱)

(۵) ولاتحاسدوا: (٦) ولاتباغضوا: (۷) ولا تدابروا: (۸) کونوا عباد الله إخوانا: ان سب کی تشریح ماقبل میں گزر چکی ہے۔

(۴) عَنْ عَطَاءِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْخُرَاسَانِيِّ قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم تَصَافَحُوا يَذْهَبُ الْغِلُّ وَ تَهَادَوْا تَحَابُّوا وَتَذْهَبُ الشَّحْنَاءُ .

ترجمہ: عطاء ابن عبداللہ خراسانی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم آپس میں مصافحہ کرو، کینہ دور ہوگا، ایک دوسرے کو ہدیہ دو، محبت بڑھے گی اور دشمنی ختم ہو گی۔

لغات: تصافحوا: (تفاعل) ایک دوسرے سے مصافحہ کرنا، الغل: کینہ، دھوکہ، فریب، (ض) غلاً: کینہ پرور ہونا۔

تھادوا: (تفاعل) بعض کا بعض کو ہدیہ دینا، تحابوا: (تفاعل) ایک دوسرے سے محبت کرنا، الشحناء: بغض، کینہ، دشمنی۔

شرح حدیث: حدیث مذکور میں پہلا حکم آپ نے یہ فرمایا کہ آپس میں مصافحہ کرو، کینہ دور ہوگا، ملاقات کرتے وقت مصافحہ کرنا سنت ہے، سنن ترمذی میں ایک روایت ہے "مامن مسلمين يلتقيان فيصافحان إلا غفر لهما قبل ان يتفرقا" اور اس سے آپسی رنجش اور کدورت ختم ہوگی۔

دوسرا حکم یہ دیا کہ ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو، محبت بڑھے گی اور دشمنی ختم ہوگی، ہدیہ قبول کرنا سنت ہے، اس پر تو لوگوں کا عمل ہے؛ مگر اس پر بدلہ دینا بھی سنت ہے، اس میں عام طور پر کوتاہی برتی جاتی ہے۔

ھدیہ کی تعریف: ہدیہ اس عطیہ کا نام ہے جو دوسرے کا دل خوش کرنے یا اس کے ساتھ اپنا تعلق ظاہر کرنے کے لیے دیا جاتا ہے اور اس سے اس کا مقصود لوجہ اللہ ازدیاد محبت ہو؛ لہٰذا اگر کسی ضرورتمند کو اللہ کے واسطے، ثواب کی نیت سے دیا تو ہدیہ نہیں ہے؛ بلکہ

صدقہ ہے ہدیہ اسی وقت ہوگا جب کہ اس سے اپنی محبت کا اظہار مقصود ہو؛ اگر یہ ہدیہ اخلاص کے ساتھ ہو تو اس کا ثواب صدقہ سے کم نہیں ہے اور دنیا میں اس کا فائدہ دشمنی کا ختم ہونا ہے؛ لہٰذا آپس میں ہدیہ کا اہتمام ہونا چاہیے۔

(۵) عَنْ أَبِي هريرةَ أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه سلم قَالَ: تُفْتَحُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَ الاثْنَيْنِ وَ الْخَمِيْسِ فَيُغْفَرُ لِكُلِّ عَبْدٍ مُسْلِمٍ لايُشْرِكُ بِاللهِ شَيْئًا إِلَّا رَجُلٌ كَانَتْ بَيْنَه وَ بَيْنَ أَخِيْه شَحْنَاءُ فَيُقَالُ: أَنْظِرُوا هذَيْنِ حَتّى يَصْطَلِحَا، أَنْظِرُوا هذَيْنِ حَتّى يَصْطَلِحَا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنت کے دروازے پیر اور جمعرات کو کھولے جاتے ہیں؛ پھر ہر اس مسلمان بندے کو بخش دیا جاتا ہے جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو سوائے اس شخص کے کہ اس کے اور اس کے دینی بھائی کے درمیان بغض ہو؛ پس ان دونوں کو مہلت دینے کے لیے کہا جاتا ہے؛ یہاں تک کہ وہ آپس میں صلح کر لیں۔

شرح حدیث: ہفتہ میں دو دن پیر اور جمعرات کو جنت کا دروازہ کھولا جاتا ہے اور ہر اس مسلمان کی مغفرت ہو جاتی ہے جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ گردانا ہو؛ سوائے ان دو شخصوں کے جن کے درمیان عداوت و دشمنی ہو، جنت کا دروازہ کھولنے سے مراد حقیقت میں کھولنا بھی ہو سکتا ہے اور اس سے مغفرت، بلندئ درجات کی طرف کنایہ بھی ہو سکتا ہے، جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں نے ہر کس و ناکس کے لیے داد و دہش کا دروازہ کھول دیا اور اس سے سخاوت مراد لیتے ہیں؛ اسی طرح اللہ تعالیٰ ان دو دنوں میں عام مسلمانوں کی مغفرت اور درجات میں بلندی فرماتے ہیں بشرطیکہ وہ شرک نہ کرتا ہو؛ علاوہ ان دو مسلمانوں کے جن کے درمیان بغض و عداوت ہو ان کی مغفرت روک دی جاتی ہے؛ جب تک آپس میں صلح نہ کر لیں؛ چناں چہ حدیث کا اگلا جملہ "فيغفر الى أخره" سے اسی معنی کا پتہ چلتا ہے۔

(٦) عَنْ أَبِي هريرةَ أَنَّه قَالَ تُعْرَضُ أَعْمَالُ الْعِبَادِ كُلَّ جُمُعَةٍ مَرَّتَيْنِ

يَوْمَ الاثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيْسِ فَيُغْفَرُ لِكُلِّ عَبْدٍ مُؤْمِنٍ إِلَّا عَبْدًا كَانَتْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَخِيْهِ شَحْنَاءُ فَيُقَالُ اُتْرُكُوْا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَفِيْئَا أَوْ أَرْكُوْا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَفِيْئَا.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا: کہ ہر ہفتے بندوں کے اعمال کو دو مرتبہ پیر اور جمعرات کو پیش کیا جاتا ہے تو ہر مؤمن بندے کی مغفرت کردی جاتی ہے سوائے اس بندے کی کہ اس کے اور اس کے بھائی کے درمیان بغض ہو، پس کہا جاتا ہے کہ دونوں کو چھوڑو؛ یہاں تک کہ باز آجائیں یا (کہا جاتا ہے کہ) ان دونوں کے معاملے کو مؤخر کرو؛ یہاں تک کہ باز آجائیں۔

لغات: فاء یفيء فيئا: لوٹنا، ارکو ا: ہمزہ اور کاف کا ضمہ رکی یر کو ،أو من الإفعال أرکی إرکائا: مؤخر کرنا۔

شرح حدیث: یہ تو مسلم ہے کہ کبائر کی بخشش کے لیے توبہ کی ضرورت ہے اور صغائر کی معافی کے لیے بہت سے اسباب ہیں، مثلاً: پانچوں نمازیں، ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک وغیرہ؛ لہذا حدیث شریف کا مطلب یہ ہوگا کہ جو لوگ توبہ کریں گے ان کی بخشش کا اعلان ان دونوں میں سے کسی ایک دن فرشتوں کے درمیان کیا جاتا ہے یا جو اس دن توبہ کرکے مرجائے یہ مغفرت اس کے لیے ہے؛ مگر وہ شخص جن کے درمیان بغض ہے ان کے صغائر بھی معاف نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ آپس میں اس کو دور نہ کرلیں۔ (تکملہ، ص: ۲۸۲، ج: ۱۱)

اعمال کی پیشی کا کیا مطلب؟

ہر ہفتہ دو دن بندوں کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں اس کی وضاحت کے لیے علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب جامع میں حکیم ترمذی کے حوالہ سے ایک حدیث نقل کی ہے، اس کو نقل کردینا مناسب سمجھتا ہوں، تعرض الأعمال یوم الاثنين و الخميس على الله تعالى وتعرض على الانبياء و الآباء والامهات يوم الجمعة فيفرحون بحسناتهم وتزداد وجوهم بياضا و اشراقا فاتقوا الله ولا تؤذوا

أموا تکم. یعنی ہر ہفتہ بندوں کے اعمال دو دن اللہ کے سامنے، انبیاء کے سامنے، اور آباء و اجداد کے سامنے (یعنی جو انتقال کر گئے ہیں) پیش کیا جاتا ہے؛ لہذا تم اللہ سے ڈرو اور اپنے مردوں کو تکلیف نہ دو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فرشتے اللہ کے دربار میں بندوں کے اعمال کو پیش کرتے ہیں، اللہ تعالی نیک بندوں کے اعمال کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور فخر کے طور پر کہتے ہیں (جبکہ اللہ کو ہر چیز کا علم ہے) کہ تخلیق آدم کے وقت تم نے نہیں کہا تھا کہ ایسی مخلوق پیدا کر کے کیا کرو گے جو فساد اور خونریزی کرے گی، اللہ تعالی نے اسی وقت کہا تھا کہ "إنـي أعـلـم ما لا تعلمون" اسی طرح انبیاء، آباء و اجداد دیکھ کر خوش ہوتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: برے اعمال کر کے اپنے مردوں کو تکلیف نہ دو۔

اس کے علاوہ دوسرا مطلب بھی بیان کیا گیا ہے، تفصیل کے لیے دیکھیے: (اوجز ص:۱۹۶ تکملہ، ص:۲۸۳)

دفـع تـعـارض: اس حدیث میں ہفتہ میں دو دن اعمال کے پیشی کا بیان ہے، اور دوسری حدیث میں ہے دن کا عمل رات سے پہلے اور رات کا عمل دن سے پہلے پیش کیا جاتا ہے، اس تعارض کے مختلف جوابات دیے جاتے ہیں:

(۱) ہر دن اور ہفتہ میں دو دن اور سال میں ایک دن شعبان میں مختلف پیشی ہوں اور ہر ایک کی حکمتیں الگ الگ ہوں جس کا علم اللہ کو ہی ہے۔

(۲) ہر دن تفصیلی اور ہر ہفتہ اجمالی ہو یا اس کے برعکس ہو۔

(۳) اس حدیث میں لفظ "یرفع" ہے أی: إن اللہ یرفع إلیه عمل اللیل قبل عمل النهار الخ، اور اعمال لے جانے والے فرشتے ہر دن لے جاتے ہوں؛ مگر فرشتوں کی ایک جماعت پیر سے جمعرات اور ایک جماعت جمعرات سے پیر تک باری باری پیش کرتی ہوں۔ (اوجز ص:۱۹۷ تکملہ ص:۲۸۴، ج:۱۱)

باب ما جاء في لبس الثياب للجمال بها

کپڑوں سے زینت حاصل کرنے کے لیے انہیں پہننے کا بیان

لباس کے متعلق قرآن کریم میں سورۂ اعراف میں آیت ۲۶ میں چار بنیادی مقصد اور درجات بیان کیے گئے ہیں۔

(۱) درجۂ ضرورت جو پوشیدہ اور شرم کی چیزوں کو چھپاتا ہے (۲) درجۂ آسائش، جو سردی گرمی سے بچاتا ہے (۳) درجۂ آرائش (زینت) (۴) درجۂ نمائش (دکھلانا)۔

پہلا درجہ : ستر چھپانا، یہ مردوں کے لیے اور ہے اور عورت کے لیے اور ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مردوں کے لیے ناف کے نیچے سے گھٹنے کے نیچے تک۔

امام مالکؒ کے نزدیک صرف آگے پیچھے کی شرمگاہ ہے، امام احمدؒ وہ کندھوں تک بدن چھپانے کو ضروری قرار دیتے ہیں۔

اور عورت کا پورا بدن سوائے چہرہ اور گٹوں تک ہاتھوں کے سب کا سب ستر ہے، جسم کے اس حصہ کو اس طرح چھپانا ضروری ہے کہ کپڑے کے اوپر سے بھی نہ جھلکتا ہو، گویا اتنا باریک نہ ہو کہ اس سے اندر کا بدن نظر آتا ہو، نیز اگر وہ لباس اتنا چست ہے کہ اعضاء کی ہیئت اور جسم کا ابھار نظر آرہا ہے اسی طرح اگر وہ اتنا چھوٹا ہے کہ لباس پہننے کے باوجود ستر کا کچھ حصہ کھلا رہ گیا ہے تو یہ تینوں صورتیں مقصد کی تکمیل نہیں کرتی ہیں۔

دوسرا درجہ آسائش ہے : دنیا کی تمام تہذیبوں کے اور ملکوں کی سردی گرمی کے احوال یکساں نہیں ہیں؛ اس لیے ہر زمانہ میں اور ہر جگہ جو نیک لوگوں کا لباس ہے وہ اختیار کرنا چاہیے، جس سے اس کو آرام رہے اور کسی خاص ہیئت پر اصرار نہیں کرنا چاہیے بشرطیکہ وہ لباس کسی قوم کا شعار نہ بن گیا ہو اور تشبہ لازم نہ آئے۔

تیسرا درجہ آرائش ہے : اللہ تعالیٰ نے لباس کو زینت اور خوبصورتی کی چیز بتایا ہے؛ لہذا انسان کا لباس ایسا ہونا چاہیے جسے دیکھ کر اس کو فرحت محسوس ہو خواہ قیمتی کیوں نہ ہو؛ البتہ اسراف نہ ہو۔

چوتھا درجہ نمائش: ایسا لباس پہننا حرام ہے جس کو پہن کر دل میں تکبر اور بڑائی پیدا ہو خواہ وہ سادہ اور موٹا ہی کیوں نہ ہو، مثلاً: ایک شخص موٹا اور سادہ پیوندلگا ہوا اس لیے پہن رہا ہے؛ تاکہ لوگ اس کو درویش اور متقی سمجھیں اور دوسروں پر اپنی بڑائی کا خیال دل میں آجائے؛ لہذا ایسا لباس بھی تکبر کا ذریعہ اور سبب ہے؛ اس لیے حرام ہے۔

(۱) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الأَنْصَارِيِّ أَنَّهُ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي غَزْوَةِ بَنِي أَنْمَارٍ قَالَ جَابِرٌ فَبَيْنَا أَنَا نَازِلٌ تَحْتَ الشَّجَرَةِ إِذَا رَسُولُ اللهِ ﷺ، قَالَ: فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ! هَلُمَّ إِلَى الظِّلِّ، قَالَ فَنَزَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ، فَقُمْتُ إِلَى غِرَارَةٍ لَنَا، فَالْتَمَسْتُ فِيهَا فَوَجَدْتُ فِيهَا جِرْوَ قِثَّاءٍ فَكَسَرْتُهُ ثُمَّ قَرَّبْتُهُ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ: مِنْ أَيْنَ لَكُمْ هٰذَا؟ قَالَ: فَقُلْتُ خَرَجْنَا بِهِ يَارَسُولَ اللهِ! مِنَ الْمَدِينَةِ، قَالَ جَابِرٌ وَعِنْدَنَا صَاحِبٌ لَنَا نُجَهِّزُهُ يَذْهَبُ يَرْعَى ظَهْرَنَا، قَالَ: فَجَهَّزْتُهُ ثُمَّ أَدْبَرَ يَذْهَبُ فِي الظَّهْرِ وَعَلَيْهِ بُرْدَانِ لَهُ قَدْ خَلِقَا، قَالَ فَنَظَرَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ: أَمَا لَهُ ثَوْبَانِ غَيْرَ هٰذَيْنِ فَقُلْتُ: بَلَى! يَا رَسُولَ اللهِ! لَهُ ثَوْبَانِ فِي الْعَيْبَةِ، كَسَوْتُهُ إِيَّاهُمَا، قَالَ: فَادْعُهُ فَمُرْهُ فَلْيَلْبَسْهُمَا قَالَ: فَدَعَوْتُهُ فَلَبِسَهُمَا ثُمَّ وَلَّى يَذْهَبُ، قَالَ: فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: مَالَهُ؟ ضَرَبَ اللهُ عُنُقَهُ أَلَيْسَ هٰذَا خَيْراً لَهُ، قَالَ: فَسَمِعَهُ الرَّجُلُ: فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! فِي سَبِيلِ اللهِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: فِي سَبِيلِ اللهِ، فَقُتِلَ الرَّجُلُ فِي سَبِيلِ اللهِ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ نے کہا: کہ ہم لوگ غزوۂ بنی انمار میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے، حضرت جابرؓ نے فرمایا: اسی دوران میں ایک درخت کے نیچے

اترا ہوا تھا، میں نے اچانک رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، میں نے کہا: یا رسول! سائے میں تشریف لائیے، حضرت جابرؓ نے کہا: تو رسول اللہ ﷺ وہاں تشریف لائے، پس میں اپنے توشہ دان (تھیلا) کی طرف اٹھا اور اس میں کچھ تلاش کیا، تو میں نے اس میں کچھ چھوٹی چھوٹی ککڑیاں پائیں، تو میں نے اس کو توڑ کر آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا: آپ ﷺ نے فرمایا: یہ تمہیں کہاں سے ملی ہیں؟ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ہم اسے مدینہ سے لے کر آئے تھے، حضرت جابرؓ نے کہا: ہمارے پاس ایک ساتھی تھا جس کو سامان سفر دیکر ہم نے تیار کیا تھا، وہ ہمارا جانور چرانے جاتا تھا حضرت جابرؓ نے کہا میں نے اس کو تیار کیا تو جب وہ جانور چرانے جانے کے لیے مڑا؛ جبکہ اس پر دو چادریں تھیں، جو بوسیدہ ہو چکی تھیں، حضرت جابرؓ نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف دیکھ کر کہا: کیا اس کے پاس ان دو کپڑوں کے علاوہ اور دو کپڑے نہیں ہیں؟ میں نے کہا: کیوں نہیں! اے اللہ کے رسول! اس کے دو کپڑے گھٹری میں ہیں، میں نے اس کو پہننے کے لیے دیئے تھے آپ ﷺ نے فرمایا: اسے بلاؤ، اور حکم دو کہ ان دونوں کپڑوں کو پہن لے، حضرت جابرؓ کہتے ہیں میں نے اسے بلایا، اس نے ان دونوں کپڑوں کو پہنا، پھر جانے کے لیے مڑا، آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو کیا ہوا؟ اللہ اس کی گردن مارے کیا یہ اس کے لیے بہتر نہیں ہے، جابرؓ کہتے ہیں کہ اس شخص نے یہ بات سن لی تو کہا: اے اللہ کے رسول! (اس جملے کے ساتھ) فی سبیل اللہ (بھی فرما دیجیے) یعنی اللہ کی راہ میں آپ ﷺ نے فرمایا: یعنی اللہ کی راہ میں: پس وہ شخص راہ خدا میں قتل کیا گیا۔

لغات: الظل: سایہ، جمع: ظلال، اظلال، غرارة: تھیلا، چمڑے کا وہ برتن جس میں کھانا رکھا جاتا ہے، جمع: غرائر، قال الزرقاني: بكسر الغين، وفي المحلى: بفتح الغين والراء المكررة و بكسر الغين.

جرو: جیم کا کسرہ فصیح ہے، اور ایک لغت ضمہ بھی ہے، خم دار پھل، جیسے ککڑی، ہر پرندہ کا چھوٹا بچہ، ابتداء نکلا ہوا پھل، جمع: جـراء و أجـرا ۔ (القاموس الوحید): ہر چیز کا چھوٹا حصہ۔ (اوجز)

قثاء: قاف کا کسرہ اور ضمہ بھی۔

جهز تجهيزا: (تفعیل) تیار کرنا، سامان ضرورت دینا۔

برد: دھاری دار کپڑا، چادر، جمع: برد.

العيبة: عین کا فتحہ اور یا کا سکون، چمڑے کا تھیلا، ٹوکری، جمع: عيب و عياب.

كسوته: اى: أعطيته: (ن) پہنانا۔

شرح حديث: امام مالکؒ نے اس باب کی پہلی حدیث میں لباس کا تیسرا درجہ زیبائش و آرائش کو ذکر کیا ہے، اور یہ ترغیب دی کہ اچھا لباس پہننا چاہیے، اور اسی باب کی آخری حدیث میں ہے کہ لباس سادہ اور پیوند لگا ہوا ہو، اس سلسلے میں احادیث بھی مختلف ہیں، بعض روایت میں اچھا لباس پہننے کی ترغیب ہے، اور بعض میں سادہ اور موٹا، نبی اکرم ﷺ نے لوگوں کو مختلف احوال میں مختلف حکم دیا، زینت والا اور سادہ دونوں لباسوں کی اجازت دی؛ چناں چہ صاحب لمعات نے اس بارے میں عمدہ بحث کی ہے: اگر کوئی زینت کو ترک کرتا ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں یا تو بخل اور خست کی وجہ سے، یا فقر کو ظاہر کرنے کے لیے، یہ دونوں مذموم ہیں، اور اگر تواضع، زہد و تقوی کی وجہ سے سادہ لباس پہنتا ہے تو محمود ہے اور اگر تزین اختیار کرتا ہے تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں یا تو تکبر اور بڑائی جتانے کے لیے ہے، تو یہ مذموم ہے اور اگر اللہ کی نعمت کا اظہار اور اپنی حالت کو چھپانا مقصود ہے (جب کہ اس کی حالت بہت اچھی نہ ہو) تو یہ محمود ہے۔ (اوجز، ص: ۱۹۸)

في عزوة بني انمار: ہمزہ کا فتحہ اور نون کا سکون، نجد کے قریب ایک علاقہ ہے اور اس کو غزوۂ غطفان بھی کہتے ہیں، یہ غزوہ ۳ھ میں پیش آیا، اس غزوہ میں لڑائی کی نوبت نہیں آئی، اس غزوہ کا سبب یہ بنا کہ قبیلۂ بنو ثعلبہ اور محارب دونوں جمع ہو گئے اور ان کا ارادہ تھا کہ ہم چاروں طرف سے آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب پر حملہ کر دیں جب آپ کو اطلاع ملی تو آپ نے صحابۂ کرام کو تیار کیا اور ان پر آگے بڑھ کر حملے کا ارادہ کیا، جب ان لوگوں کو یہ خبر ملی تو وہ لوگ آپ ﷺ کے رعب کی وجہ سے بھاگ گئے اور پہاڑوں میں جا چھپے۔

وعندنا صاحب لنا: یعنی ہمارے پاس ایک خادم تھا، ہم ضرورت کا سامان اس کوفراہم کر دیتے تھے اور وہ ہماری سواریوں کی دیکھ ریکھ کرتا تھا، حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نے اس کا سامان تیار کیا اور وہ سواریوں کو چرانے کے لیے جانے لگا تو آپ ﷺ کی نظر اس پر پڑی کہ وہ بہت ہی بوسیدہ چادر اوڑھے ہوئے ہے، آپ ﷺ نے اس کو دیکھ کر فرمایا کیا اس کے علاوہ اس کے پاس اور دوسرا کپڑا نہیں ہے؟ حضرت جابرؓ نے فرمایا: ہاں! ہے، اور دو چادر ہیں جو اس کے صندوق میں ہیں، میں نے اسے دے رکھے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا اسے بلاؤ اور اچھا کپڑا پہننے کا حکم دو، جب اللہ نے وسعت دی ہے تو اس وسعت کا اظہار کرو، خواہ مخواہ فقر کیوں ظاہر کر رہے ہو؟

''أما له ثوبان'' پوچھنے کا مقصد: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پوچھنے کے دو مقصد ہو سکتے ہیں، (۱) یا تو واقعی اس کے پاس اس کے علاوہ کپڑا نہیں ہے؛ تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدد کریں، (۲) اور اگر کپڑے ہیں اور قدرت کے باوجود بوسیدہ کپڑا پہنتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم منع کر دیں اور اچھا پہننے کا حکم دیں۔

(۲) مَالِكٌ أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ: إِنِّي لَأُحِبُّ أَنْ أَنْظُرَ إِلَى الْقَارِيْ أَبْيَضَ الثِّيَابِ.

ترجمہ: حضرت امام مالکؒ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا کہ: میں پسند کرتا ہوں کہ قاری (عالم) کو سفید کپڑوں میں دیکھوں۔

شرح حدیث: یہ آپ ﷺ کے زمانے کی بات ہے کہ قاری عالم ہوا کرتے تھے، اب اگرچہ اصطلاحات بدل گئے ہیں؛ مگر مراد اہل علم اور دیندار ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سفید کپڑا پسند فرماتے تھے، آپ نے فرمایا: خیر ثیابکم البیاض، تمہارا بہترین لباس سفید ہے؛ لہذا علی الاطلاق مستحب ہے اور اہل علم کے لیے زیادہ بہتر ہے، چونکہ سفید میں زیب و زینت بڑھ جاتی ہے، تھوڑا بھی گندہ ہو فوراً پتہ چل جاتا ہے اور گندگی سے بچنا آسان ہو جاتا ہے۔

(۳) مَالِكٌ عَنْ أَيُّوبَ بنِ أَبِي تَمِيمَةَ عَنْ ابْنِ سِيرِينَ قالَ قالَ عُمَرُ

بْنُ الْخَطَّابِ إِذَا أَوْسَعَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَأَوْسِعُوا عَلٰى أَنْفُسِكُمْ جَمَعَ رَجُلٌ عَلَيْهِ ثِيَابَهُ.

ترجمہ: ابن سیرینؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا: جب اللہ نے تم پر (مال میں) وسعت دی ہے تو تم بھی اپنے آپ پر وسعت کرو، آدمی کو اپنے اوپر اچھا لباس سجا کر رکھنا چاہیے۔

شرح حدیث: جمع رجل الخ: یہ خبر بمعنی امر ہے، اصل میں ہے لیجمع رجل، یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر اپنی نعمت کا اثر دیکھنا چاہتے ہیں؛ لہذا جب اللہ تعالیٰ کسی کو مال ودولت عطا کرے تو اس کو بلا ضرورت اور بلا سبب پھٹا، پرانا لباس نہیں پہنا چاہیے، یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری ہے۔

ماجاء في لبس الثياب المصبغة و الذهب

رنگین کپڑا اور سونا پہننے کا بیان

المصبغة: اسم مفعول، افعال وتفعیل: گہرا رنگنا (ن-ض) کپڑے کو رنگنا، تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ سفید لباس پسندیدہ ہے اور رنگین جائز ہے؛ البتہ مردوں کے لیے کچھ خاص رنگ کے لباس کے متعلق ائمہ کے درمیان اختلاف واقع ہوا ہے، جس کو حدیث کے تحت انشاء اللہ بیان کیا جائے گا۔

(۱) مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَ اللهِ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَلْبَسُ الثَّوْبَ الْمَصْبُوْغَ بِالْمِشْقِ وَالْمَصْبُوْغَ بِالزَّعْفَرَانِ، قَالَ مَالِكٌ وَ أَنَا أَكْرَهُ أَنْ يَلْبَسَ الْغِلْمَانُ شَيْئًا مِنَ الذَّهَبِ لِأَنَّهُ بَلَغَنِي أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم نَهٰى عَنْ تَخَتُّمِ الذَّهَبِ وَأَنَا أَكْرَهُهُ لِلرِّجَالِ الْكَبِيْرِ مِنْهُمْ وَ الصَّغِيْرِ، قَالَ مَالِكٌ فِي الْمَلَاحِفِ الْمُعَصْفَرَةِ فِي الْبُيُوْتِ لِلرِّجَالِ وَ فِي الْأَفْنِيَةِ قَالَ لَا أَعْلَمُ مِنْ ذَالِكَ شَيْئًا حَرَامًا وَغَيْرُ ذَالِكَ مِنَ اللِّبَاسِ

أَحَبُّ إِلَيَّ .

ترجمہ: حضرت نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ گیرو (مٹیالے رنگ) سے رنگا ہوا اور زعفران سے رنگا ہوا کپڑا پہنتے تھے، امام مالک نے فرمایا کہ میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ لڑکوں کو سونے کی کوئی چیز پہنائی جائے؛ کیونکہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا اور میں اس کو مردوں کے لیے ناپسند کرتا ہوں، بڑا ہو یا چھوٹا، امام مالک نے فرمایا: کسم سے رنگا ہوا لحاف (بڑی چادریں) گھروں میں اور صحنوں میں مردوں کے لیے جائز ہے، امام مالک نے فرمایا: ان میں سے کسی کو میں حرام نہیں سمجھتا (البتہ) اس کے علاوہ لباس میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔

لغات: المشق ،میم کا کسرہ اور فتحہ اور شین کا سکون، گیرو، سرخ مٹی، جمع مِشَقٌ۔ **العصفر**: ایک قسم کی بوٹی جس سے رنگائی کی جاتی ہے، زرد رنگ۔ المعصفر: عصفر سے رنگا ہوا کپڑا۔ الملاحف: واحد: ملحفة ،چادر، اوپر کا لباس۔ افنئة : واحد: فناء ، صحن، گھر کے سامنے کا میدان

شرح حدیث: مشق گیرو کو کہتے ہیں، ایک قسم کی سیاہی مائل مٹی ہوتی ہے اس کو براؤن کہنا غلط نہ ہوگا اس سے رنگا ہوا کپڑا بالاتفاق جائز ہے؛ البتہ تیز سرخ رنگ کے کپڑے کے پہننے میں اختلاف ہے، مردوں کے لیے ناپسندیدہ ہے۔

المصبوغ بالزعفران و المعصفر الخ: امام ابوحنیفہ کے نزدیک زعفران سے رنگا ہوا اسی طرح عصفر سے رنگا ہوا کپڑا مردوں کے لیے پہننا مکروہ تحریمی ہے، اس بارے میں احادیث حلت اور حرمت دونوں طرح کی ہیں، ابن ہمام فرماتے ہیں جب حلت اور حرمت میں تعارض ہو تو حرمت کو ترجیح ہوتی ہے، اور بخاری کی روایت میں ہے ''نهى النبي صلى الله عليه وسلم أن يتزعفر الرجل '' اور ترمذی کی روایت میں ہے ''نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن لبس المعصفر ؛ لہٰذا امام ابوحنیفہؒ ان احادیث کی بنا پر مردوں کے لیے ان دو رنگوں کو مکروہ قرار دیتے ہیں؛ نیز اس قسم کے کپڑے سادھو سنت وغیرہ پہنتے ہیں؛ اس لیے ان کی مشابہت کی وجہ سے ممنوع ہوگا۔

امام شافعي کے نزدیک زعفرانی رنگ تو مردوں کے لیے مکروہ تحریمی ہے، مذکورہ حدیث کی وجہ سے؛ البتہ ان کے نزدیک معصفر ممنوع نہیں ہے وہ فرماتے ہیں کہ معصفر کے ممنوع ہونے کی کوئی حدیث مجھے نہیں ملی، صرف حضرت علی کی ایک روایت ہے کہ:"نهاني ولاأقول نهاكم الخ" امام شافعی فرماتے ہیں: صرف حضرت علی کو منع فرمایا نہ کہ دوسروں کو؛ لیکن امام بیہقی جو امام شافعی کے مقلد ہیں وہ فرماتے ہیں کہ مسلم شریف میں ایک روایت جو عبداللہ بن عمرو بن عاص سے مروی ہے: " رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم علي ثوبين معصفرين فقال إن هذه من ثياب الكفار فلا تلبسهما " اگر ان کو یہ روایت مل جاتی تو وہ بھی حرام کے قائل ہو جاتے۔ (مرقات، ص:۲۰۴--او جز، ص:۲۰۲)

امام مالکؒ کے اس بارے میں تین قول ہیں: (۱) اگر گھر میں یا صحن میں معصفر یا مزعفر پہنے تو مباح ہے (۲) مطلقا جائز ہے اور حضرت عبد اللہ بن عمر کی بھی یہی رائے ہے (۳) مطلقاً مکروہ ہے، ان کے نزدیک یہی زیادہ مشہور ہے۔ (تکملہ، ج:۱۰، ص:۹۸)

قال مالك وأنا أكره أن يلبس الغلمان الخ: ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ مردوں کے لیے سونے کی انگوٹھی پہننا حرام ہے؛ البتہ چاندی کی انگوٹھی بہ قدر چار گرام (تقریباً) پہننا درست ہے اور عورتوں کے لیے سونے چاندی کے زیورات استعمال کرنا درست ہے، نہ کہ برتن، سرمہ دانی وغیرہ۔

امام زرقانی فرماتے ہیں: بالغ مرد کے لیے سونے کی انگوٹھی مکروہ تحریمی ہے اور نابالغ کے لیے مکروہ تنزیہی، امام مالک اور امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں: بالغ مردوں کے لیے جو حرام ہے، وہ نابالغ اور چھوٹے کو بھی پہنانا حرام ہوگا؛ چنانچہ درمختار میں ہے "كره إلباس الصبي ذهبا أو حريرة".

اور امام شافعیؒ کے اس بارے میں مختلف اقوال ہیں، امام نووی نے امام شافعیؒ کا راجح قول یہ نقل کیا ہے کہ بچوں کو عید وغیرہ میں سونا اور ریشم پہنا کر سجانا اور سنوارنا درست ہے۔

ماجاء فی لُبسِ الخَزِّ

خز پہننے کا بیان

" خــز " کی تفسیر میں کسی قدر اختلاف ہے، اس کا اطلاق تین قسم کے کپڑے پر ہوتا ہے، ایک یہ کہ خز وہ کپڑا ہے جو ابریشم اور اون سے مخلوط بنا ہوا ہو، ابن العربی فرماتے ہیں: خز وہ کپڑا ہے جس کا تانا یا بانا کوئی ایک ریشم کا اور دوسرا غیر ریشم کا ہو، دوسرا قول یہ ہے کہ خز خالص ریشم کو کہتے ہیں، تیسرا قول اس لفظ کی اصل کے بارے میں ہے کہ خــز، خُــزَز بروزن عمر سے ماخوذ ہے اور خزز کہتے ہیں نرخرگوش کو اور خز اس کی اون کو کہتے ہیں۔

خلاصــہ: خز کے بارے میں تین قول ہوئے (۱) جو ریشم اور غیر ریشم سے بُنا گیا ہو۔ اگر اون غالب ہو مثلاً: بانا اون کا اور تانا ریشم کا تو جائز ہے؛ ورنہ نہیں (۲) خالص ریشم مرد کے لیے حرام ہے (۳) خرگوش کی اون، اس کے جواز میں شبہ نہیں ہے۔

(۱) عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَنَّهَا كَسَتْ عَبدَ اللّٰهِ بْنَ الزُّبَيْرِ مِطْرَفَ خَزٍّ كَانَتْ عَائِشَةُ تَلْبَسُهُ.

تــرجــمــہ: حضرت عروہ ام المؤمنین حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ نے عبداللہ بن زبیر کو خز کی ایک جھالردار چادر پہنائی جسے خود حضرت عائشہ پہنا کرتی تھیں۔

مــطــرف: میم کا کسرہ اور طاء کا سکون اور راء کا فتحہ، نقش ونگار والی ریشم کی چادر، جمع: مطارف۔

شــرح حدیث: خز کے بارے میں روایات مختلف ہیں، بعض سے جواز معلوم ہوتا ہے جیسا کہ حدیث باب اور بعض سے حرمت، ابوداؤد میں حضرت عامرؓ سے ایک

روایت منقول ہے، "انه سمع رسو ل الله صلی الله علیه وسلم یقول: لیکونن من امتي اقوام یستحلون الخز والحریر الخ"

خز کے بارے میں متعارض روایات میں تطبیق:

ان دو مختلف روایات کے مابین تطبیق مختلف طور سے دی گئی ہے (۱) منع کا تعلق خالص حریر (ریشم) سے ہے اور جواز والی روایت مخلوط پر محمول ہے؛ کیونکہ خز کا اطلاق دونوں پر ہوتا ہے (جیسا کہ گزرا) کپڑے کی بناوٹ میں دھاگہ دو طرح رکھ کر بنتے ہیں، ایک سدی جو طولا ہوتا ہے جسے تانا کہا جاتا ہے اور دوسرا لحمہ جو عرضا ہوتا ہے یعنی بانا، بانا کپڑے کی بناوٹ میں اصل ہوتا ہے؛ لہذا یہاں نہی محمول ہے اس خز پر جس کا بانا غیر ریشم ہو اور جواز اس خز پر محمول ہے جس کا تانا ریشم کا ہو۔

ما یُکْرَہُ لِلنِّسَاءِ لِبَاسُہُ مِنَ الثِّیَابِ

ان کپڑوں کا بیان جن کا عورتوں کو پہننا مکروہ ہے

(۱) مَالِكٌ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ أَبِي عَلْقَمَةَ عَنْ أُمِّهِ أَنَّهَا قَالَتْ: دَخَلَتْ حَفْصَةُ بِنْتُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَلٰى عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلی الله علیه وسلم وَعَلٰى حَفْصَةَ خِمَارٌ رَقِيقٌ فَشَقَّتْهُ عَائِشَةُ وَكَسَتْهَا خِمَارًا كَثِيفًا.

ترجمہ: علقمہ اپنی ماں سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا کہ حفصہ بنت عبد الرحمٰن (حضرت عائشہ کی بھتیجی) ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کے پاس گئیں؛ جبکہ حفصہ (کے سر) پر ایک باریک دوپٹہ تھا، حضرت عائشہ نے وہ دوپٹہ پھاڑ دیا، اور ایک موٹا دوپٹہ اوڑھا دیا۔

شرح حدیث: عورت کا سر بھی عورت (ستر) ہے غیر محرم سے اسے چھپانا ضروری ہے اور پیچھے یہ بات گزر چکی ہے کہ اتنا باریک لباس جس سے بدن کا اندرونی حصہ

جھلکتا ہو درست نہیں ہے؛ چونکہ حفصہ باریک دوپٹہ اوڑھ کر گھر سے باہر نکلی تھیں جس سے سر کے بال نظر آرہے تھے؛ اس لیے حضرت عائشہ نے موٹا دوپٹہ اوڑھا دیا تاکہ غیر سے پردہ ہو جائے، اور پھاڑ دیا تاکہ آئندہ دوبارہ اس کو استعمال نہ کریں۔ (اوجز،ص:۲۰۵)

(۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ قَالَ نِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مَائِلَاتٌ مُمِيلَاتٌ لَايَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدْنَ رِيحَهَا وَرِيحُهَا يُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ خَمْسِ مِائَةِ سَنَةٍ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ کپڑے پہننے والیاں (درحقیقت) لباس سے عاری عورتیں مردوں کی طرف مائل ہونے والیاں، مردوں کو مائل کرنے والیاں جنت میں داخل نہ ہوں گی اور نہ اس کی خوشبو پائیں گی؛ حالانکہ اس کی خوشبو پانچ سو سال کی مسافت سے پائی جاتی ہے۔

لغات: کاسیات :اسم فاعل جمع مؤنث، کسي کسا: کپڑا پہننا، عاریات:واحد :عارية ، عری عریاً :ننگا ہونا، مائلات: (ض) رغبت کرنا، محبت کرنا، جھکنا، ممیلات: اسم فاعل جمع مؤنث (افعال) جھکانا۔

شرح حدیث: بہت سی عورتیں لباس پہننے کے باوجود، لباس کے بنیادی مقصد (ستر پوشی) سے عاری اور خالی ہوتی ہیں، یا تو ان کا لباس باریک ہوتا ہے، یا چست ہوتا ہے، یا مختصر ہوتا ہے، جس سے ان کے اعضاء اور بدن کی نمائش ہوتی ہے، درحقیقت یہ لباس میں ملبوس ہونے کے باوجود ننگی ہی ہوتی ہیں۔ (اوجز،ص:۲۰۵)

مائلات: اس کے تین معانی ہیں (۱) مردوں کی طرف مائل ہونے والی (۲) حق بات سے اعراض کرنے والی (۳) اترا کر چلنے والی۔

ممیلات: اسی طرح اس لفظ میں بھی تین معانی کا احتمال ہے: (۱) مردوں کو اپنی طرف مائل کرنے والی (۲) دوسری عورتوں کو حق سے اعراض کی دعوت دینے والی (۳) مونڈھا ہلا کر چلنے والی۔

لایدخلن الجنۃ: اہل سنت و جماعت کے نزدیک مرتکب کبائر جنت میں

جائے گا اور اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نہیں جائے گا، پیچھے ابواب القدر میں اس جیسی حدیث کی تاویل وتوجیہ گزر چکی ہے کہ دخول اولی کی نفی مراد ہے، یا سزا بھگتنے کے بعد دخول نصیب ہوگا یا اللہ کی مشیت پر موقوف ہے " **إن شاء عفى وإن شاء عذب ثم دخل الجنة**" .

لایجدن ریحھا : جنت کی خوشبو پانچ سو سال کی مسافت پر پائی جاتی ہے، یہاں تکثیر مقصود ہے تحدید مقصود نہیں ہے۔

وریحھا یوجد: اہل کبائر کو اللہ تعالی جنت سے اتنا دور رکھیں گے کہ اس کی خوشبو بھی نہ سونگھ پائیں، جنت میں دخول نصیب نہ ہوگا؛ مگر اللہ کے فضل سے " قال الباجي : يقتضي أن ريح الجنة منتفع به من تفضل الله جل ذكره ". (اوجز،ص:۲۰۶)

(۳) عَنْ اِبْنِ شِهَابٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَامَ مِنَ اللَّيْلِ فَنَظَرَ فِي أُفُقِ السَّمَاءِ فقالَ : مَاذَا فَتَحَ اللّٰهُ اللَّيْلَةَ مِنَ الْخَزَائِنِ وَمَاذَا وَقَعَ مِنَ الفِتَنِ كَمْ مِنْ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، أَيْقِظُوْا صَوَاحِبَ الحُجَرِ .

ترجمہ :ابن شہاب زہری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو بیدار ہوئے (تہجد کے لیے) تو آپ نے آسمان کے کنارے نگاہ ڈالی پھر فرمایا: آج رات اللہ نے کتنے خزانے کھولے اور کس قدر فتنے واقع ہوئے ، بہت سی عورتیں دنیا میں لباس پہنے ہوتی ہیں (مگر) قیامت کے دن لباس سے عاری ہوں گی ، حجروں والیوں (ازواج مطہرات) کو جگاؤ۔

شرح حدیث :"ماذا فتح الله الخ" آپ کو بہ طور کشف یا فرشتوں کے ذریعہ ان خزانوں پر دنیاوی نعمتوں کا علم دے دیا گیا جو آپ کی امتوں کو حاصل ہونے والی ہیں اور دنیوی نعمت حاصل ہوگی تو فتنہ بھی ہوگا چونکہ دنیا کی چکاچوند فتنہ کا سبب ہے، اسی فتنے سے حفاظت کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کو بیدار کرنے کا حکم دیا؛ چونکہ وہاں ازواج مطہرات ہی موجود تھیں اور اس کے واسطے سے تمام امت کو حکم دیا کہ ان

فتنوں سے بچنے کا راستہ اللہ کی طرف متوجہ ہونا ہے۔ (تلخیص از اوجز، ص: ۲۰۷)

کم من کاسیة: یعنی بہت سی عورتیں ایسی ہوں گی کہ شریعت کے منع کردہ لباس پہننے کی وجہ سے آخرت میں ثواب سے عاری اور محروم رہیں گی، علامہ طیبی نے ایک اور مطلب بیان کیا ہے کہ قرآن کریم میں زوجین کو ایک دوسرے کا لباس کہا ہے " هن لباس لكم و أنتم لباس لهن"، تو مطلب یہ ہوگا کہ بہت سی عورتیں نیک مرد کے نکاح میں ہونے کی وجہ سے بہترین اور عمدہ لباس میں ہوں گی؛ لیکن خود عمل سے عاری ہونے کی وجہ سے آخرت میں ثواب اور نیکی سے عاری ہوں گی؛ لہذا نیک اور صالح شوہر کا ہونا ان کو فائدہ نہ دے گا اور اس مقام کے مناسب یہ توجیہ زیادہ بہتر ہے۔

باب ما جاء في إسبالِ الرَّجلِ ثوبَهُ

مرد کا اپنا کپڑا نیچے لٹکانے کا بیان

اسبال: باب افعال سے، کہا جاتا ہے " أسبل الستر " پردہ لٹکانا، الثوب: کپڑا لٹکانا۔

(۱) مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ عَبدِ اللّٰهِ بنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قال: الَّذِیْ يَجُرُّ ثَوْبَهُ خُيلاءَ لايَنْظُرُ اللّٰهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو (مرد) اپنا کپڑا تکبر کے طور پر لٹکائے، اللہ تعالی قیامت کے دن، اس کی طرف نہیں دیکھیں گے۔

لغت: خیلاء: تکبر، بڑائی، خود پسندی (س) خال يخال خيلاً: تکبر کرنا۔

(۲) مَالِكٌ عن أبي الزِّنادِ عنِ الأعْرَجِ عن أبي هريرةَ أنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قال: لايَنْظُرُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلٰى مَن يَجُرُّ

إِزَارَهُ بَطِراً.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کی طرف نہیں دیکھیں گے جو تکبر کے طور پر اپنا تہ بند (پائجامہ اور کپڑا) نیچے لٹکاتا ہے۔

لغت: بطراً: باء اور طا کا فتحہ، قال عیاض جائت الروایة بفتح الطا علی المصدر و بکسرها علي الحال من فاعل یجر :(س): اترانا، زیادتی نعمت کی وجہ سے حیران ہونا۔

(۳) مالکٌ عن نافعٍ وَ عبدِ اللهِ بنِ دِینارٍ وزَیدِ بنِ أسلمَ کُلُّهُمْ یُخبِرُهُ عَنْ عَبدِ اللّٰهِ بنِ عُمرَ أَنَّ رَسو لَ اللهِ صلی الله علیه وسلم قالَ : لایَنظُرُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ إلی مَنْ یَجُرُّ ثَوْبَهُ خُیَلاءَ.

ترجمہ: نافع، عبداللہ بن دینار، اور زید بن اسلم، تینوں حضرات امام مالک کو نقل کرتے ہیں، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کی طرف نہیں دیکھیں گے جو اپنا کپڑا تکبر کے طور پر لٹکاتا ہے۔

(۴) مَالکٌ عنِ العَلاءِ بنِ عبدِ الرحمنِ عن أبیهِ أنَّهُ قالَ سَأَلْتُ أبَا سَعِیدِ الخُدرِيَّ عنِ الإزَارِ فقالَ أنا أُخبِرُکَ بِعِلْمٍ سَمِعْتُ مِن رَسُو لِ اللّٰهِ صلي الله علیه وسلم یَقُوْلُ: أُزْرَةُ الْمُؤمنِ إلٰی أَنصَافِ سَاقَیهِ لَا جُنَاحَ عَلیهِ فِي مَابَینَهُ وَ بَینَ الْکَعْبَینِ وَمَا اَسفَلَ مِن ذالک ففِي النَّارِ لَایَنظُرُ اللّٰهُ یَومَ الْقِیَامَةِ إلٰی مَن جَرَّ إِزَارَهُ بَطِرًا.

ترجمہ: عبدالرحمٰن نے کہا: میں نے ابوسعید خدریؓ سے تہ بند کے متعلق پوچھا (کہاں تک ہونا چاہیے) تو انہوں نے فرمایا: میں تجھے اس علم کی خبر دیتا ہوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا، آپ فرماتے تھے: مومن کا تہ بند اس کی دونوں پنڈلیوں کے نصف تک ہے، اس پر کوئی حرج نہیں اس میں جو (پنڈلی) کے اور ٹخنوں کے درمیان ہو (اور) جو اس سے نیچے ہو تو (اس کا پہننے والا) جہنم میں جائے گا۔ اللہ تعالیٰ

قیامت کے دن اس شخص کی طرف نہیں دیکھے گا جو از راہ تکبر اپنا تہ بند گھسیٹے (لٹکائے)۔

شرح احادیث: اس باب میں چار احادیث ہیں کسی میں لفظ ''الثوب'' ہے اور کسی میں لفظ ''ازار'' ہے، ازار کے معنی تہ بند، اس وقت عام لباس یہی تھا؛ اس لیے عموم کا لحاظ کرتے ہوئے ازار کا لفظ ارشاد فرمایا؛ ورنہ اسبال ہر کپڑے میں ہے خواہ تہ بند ہو، پائجامہ ہو، کرتہ ہو یا عمامہ (جیسا کہ اس باب کی پہلی حدیث سے پتہ چلتا ہے، اس میں لفظ الثوب ہے اور امام مالک نے ''باب'' إسبال الرجل ثوبه'' باندھا ہے) شرعی حد سے زائد لٹکانا اسبال میں داخل ہوگا، تہ بند پائجامہ، کرتے کی حد کیا ہے؟ چوتھی حدیث میں اس کا بیان ہے، کرتہ، پائجامہ، نصف پنڈلی تک مستحب ہے، ٹخنوں تک بلا کراہت جائز ہے اور اگر اس سے نیچے لٹکاتا ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں، حلال سمجھ کر لٹکاتا ہے تو حرام ہے، تکبر کی بنا پر لٹکاتا ہے تو مکروہ تحریمی ہے اور اگر بغیر تکبر کے ایسے کرتا ہے تو مکروہ تنزیہی ہے اس سے بچنا چاہیے (چونکہ تکبر ایک مخفی چیز ہے؛ اگر ابھی تکبر کے طور پر نہیں ہے تو رفتہ رفتہ تکبر پیدا ہو سکتا ہے؛ لہذا ٹخنوں کے نیچے کپڑا لٹکانے سے پرہیز ہی نہیں؛ بلکہ اس سے بچنے کا بہت زیادہ اہتمام کرنا چاہیے) اور اگر خود بہ خود، بے ساختہ لنگی، پائجامہ نیچے چلا جاتا ہے تو کوئی حرج نہیں، حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جب یہ حدیث سنی تو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اور اپنا عذر بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لا حرج''۔

(اوجز، ص: ۲۰۸، ج:۶ ق)

قولہ: ''لاینظر الله'': یا تو اللہ تعالی دیکھیں گے ہی نہیں، اور اگر دیکھیں گے تو رحمت کی نظر سے نہیں؛ بلکہ غضب کی نگاہ سے دیکھیں گے۔

قوله: '' أنصاف ساقيه الخ'': صاحب محلی فرماتے ہیں: کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نصف نہیں کہا؛ بلکہ أنصاف (جمع) کہا ہے؛ اگر نصف کہتے تو متعین ہو جاتا؛ مگر جمع لا کر آپ نے اشارہ کیا کہ نصف سے کم اور اس سے زیادہ (ٹخنوں تک) کی گنجائش ہے۔

قولہ: ''ماأسفل من ذالک ففي النار'': یہ مجاز بالحذف کے قبیل سے ہے؛ اصل میں لابس ماأسفل من الكعبين ہے یعنی ٹخنوں سے نیچے پہننے والا جہنم میں ہے؛ اس کے علاوہ دوسری توجیہات بھی ہیں۔ دیکھیے تفصیل کے لیے: اوجز، ص: ۲۱۰، ج:۶ ق۔

ماجاء في إسبال المرأة ثوبها

عورت کا اپنا کپڑا نیچے لٹکانے کا بیان

(۱) مالكٌ عنْ أَبِي بَكْرِ بنِ نَافِعٍ مولى ابنِ عمرَ عنْ صَفِيَّةَ بنتِ أَبِي عُبَيْدٍ أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ عنْ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِي صلى الله عليه وسلم أنها قالتْ: حِينَ ذَكَرَ الإِزَارَ فَالمَرْأَةُ يا رَسولَ اللهِ قالَ: تُرخِي شِبْراً قالتْ أُمُّ سَلَمَةَ :إذا يَنْكَشِفُ عَنهَا قال:فَذِراعاً لا تَزِيْدُ عَليهِ.

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا: جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازار کا (معاملہ) ذکر فرمایا تو (میں نے پوچھا) اے اللہ کے رسول !عورت (کیا کرے گی) آپ نے فرمایا: ایک بالشت لٹکائے، حضرت ام سلمہ نے عرض کیا تب تو اس کا (قدم) کھل جائے گا، آپ نے فرمایا ایک ہاتھ (لٹکائے) اس پر زیادہ نہ کرے۔

لغات: أرخى إرخاء (افعال): ڈھیلا کرنا۔ شبر: شین کا کسرہ باء کا سکون، جمع: أشبار: بالشت

شرح حدیث: جب نبی اکرم ﷺ نے " لاینظر الله یوم القیامة من جر ثوبه خیلاء" جس نے اپنا کپڑا اتراہٹ سے گھسیٹا، اللہ تعالی اس کی طرف قیامت کے دن نظر نہیں فرمائیں گے، ارشاد فرمایا تو حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! عورتوں کا کیا حکم ہے؟ وہ کیا کریں گی؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عورتیں مردوں کے کرتے سے اپنا کرتہ ایک بالشت نیچا رکھیں گی، حضرت ام سلمہ نے عرض کیا تب تو ان کے قدم نظر آئیں گے، آپ نے فرمایا: عورتیں اپنا کرتہ ایک ہاتھ نیچا رکھیں گی، اس سے زیادہ نہیں؛ کیونکہ اگر ایک ہاتھ سے بھی زیادہ نیچا رکھیں گی تو زمین سے لگے گا اور گندہ ہوگا، اس حدیث سے عورتوں کے لیے لنگی، کرتہ، پائجامہ کا ٹخنوں سے نیچے رکھنے کا جواز معلوم ہوتا ہے، اور اسی میں اس کے لیے ستر ہے۔

ماجاء في الانتعال
جوتے پہننے کا بیان

(۱) مالكٌ عَن أبي الزِنادِ عن الأعرجِ عن أبي هريرةَ أنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قال: لايَمْشِيَنَّ اَحَدُكُمْ فِي نَعْلٍ وَاحدةٍ لِيَنْعَلهُمَا جَمِيعًا أوْ لِيَخْلَعْهُمَا جَمِيعاً.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی ایک جوتہ میں نہ چلے، چاہیے کہ دونوں پہن لے، یا دونوں اتار دے۔

لغات: نعل :(مجرد)(س): جوتا پہننا۔ انعل:(افعال)، انتعل : (افتعال) (مزید): جوتا پہنانا۔

لینعلھما : مجرد سے بھی ہوسکتا ہے، یعنی یا اور عین کا فتحہ اور مزید (باب افعال) سے بھی ہوسکتا ہے یعنی یا کا ضمہ اور عین کا کسرہ۔

لیخلعھما: ہندی نسخوں میں یہی لفظ ہے اور مصری نسخوں میں لیحفھما ہے اور بخاری اور ترمذی میں یہ روایت اسی لفظ کے ساتھ ہے؛ اگر لیحفھما ہے تو یہاں بھی مجرد اور مزید سے پڑھنا درست ہے؛ البتہ اگر ضمیر کا مرجع قدمین ہے تو ضمہ اور فتحہ دونوں جائز ہے اور اگر نعلین مرجع ہے تو فتحہ متعین ہے۔ (اوجز، ص:۲۱۲، ج:۶)

شرح حدیث: نبی اکرم ﷺ نے ایک جوتا، چپل پہن کر چلنے سے منع کیا اور فرمایا: یا تو دونوں جوتے پہن کر چلو یا دونوں نکال دو؛ چونکہ یہ جوتے چپل پہننے کا بے ڈھنگا طریقہ ہے، وقار کے خلاف ہے، پہننے کی ہر چیز معتاد طریقے پر پہننا چاہیے، تو آپ کا منع

فرمانا وقار کے خلاف ہونے کی بنا پر ہے، یا شیطان کی چال کی مشابہت ہے جیسا کہ بائیں ہاتھ سے کھانا، نیز پھسل کر گرنے کا بھی خطرہ ہے، علامہ خطابی نے اس کی اور ایک توجیہ لکھی ہے کہ ایک جوتا پہن کر چلنے میں جوتا پہننے کا مقصد فوت ہو جائے گا؛ چونکہ جوتا پہننے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ پاؤں کو نجاست سے اور راستے کے کانٹے اور نوکدار پتھر وغیرہ سے بچانا ہے؛ اب اگر ایک میں ہو، ایک میں نہ ہو تو دونوں پہن کر جس طرح کھل کر طبعی چال چل سکتا ہے، ایک پاؤں کو نجاست وغیرہ سے بچانے کے لیے اس طرح کھل کر بلا روک ٹوک نہیں چل سکتا؛ اس لیے یا تو دونوں پہنو یا دونوں اتار دو۔ (اوجز ص:۲۱۲ ج:۶/ تکملہ ص:۱۲۲، ج:۱۰)

(۲) مالکٌ عنْ أبي الزنا دِ عنِ الأَعْرَجِ عن أبي هُريرةؓ أنَّ رَسولَ اللهِ ﷺ قال إذا انْتعَلَ أحَدُكُمْ فَلْيَبْدأْ بِيَمِيْنِهٖ فَإذا نَزَعَ فَلْيَبْدأْ بِشِمَالِهٖ ولْتَكُنْ اليُمْنَى اَوَّلَهُمَا تُنْعَلُ و آخِرَهُما تُنْزَعُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جب تم میں سے کوئی جوتا پہنے تو چاہیے کہ اپنے دائیں (پاؤں) سے شروع کرے اور جب اتارے تو چاہیے کہ اپنے بائیں (پاؤں) سے شروع کرے تو دایاں پاؤں ان دونوں (پہننے، اتارنے) میں پہلا ہو، پہننے میں اور دوسرا ہو اتارنے میں۔

شرح حدیث: جوتا، چپل پاؤں کے لیے زینت ہے اور تمام اچھے کام دائیں جانب سے شروع کرنے چاہیے؛ لہٰذا جوتے، چپل بھی پہلے دائیں پاؤں میں پہننے چاہیے، اس کا فائدہ یہ ہے کہ لباس، جوتا پہننا، بدن کو سردی گرمی اور راستے کی تکلیف دہ چیزوں سے بچاتا ہے؛ گویا یہ بدن کی ایک قسم کی تعظیم ہے اور دائیں تعظیم کا زیادہ مستحق ہے؛ لہٰذا پہننے میں دائیں سے شروع کرے اور اتارنے میں بائیں سے؛ تاکہ دایاں کے لیے تعظیم کا حصہ زیادہ ہو۔ (تکملہ ص:۱۲۲، ج:۱۰)

(۳) مالکٌ عنْ عَمَّةِ أبِيْ سُهَيْلِ بنِ مالكٍ عنْ أبيهِ عنْ كَعْبِ الأَحْبَارِ أنَّ رَجُلًا نَزَعَ نَعْلَيْهِ فقالَ لِمَ خَلَعْتَ نَعْلَيْكَ لَعَلَّكَ تَأَوَّلْتَ

هٰذِهِ الآيَةَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ثُمَّ قَالَ كَعْبٌ: أَتَدْرِي مَا كَانَتَا نَعْلَا مُوسٰى قَالَ مَالِكٌ: لَا أَدْرِي مَا أَجَابَهُ الرَّجُلُ فَقَالَ كَعْبٌ: كَانَتَا مِنْ جِلْدِ حِمَارٍ مَيِّتٍ.

ترجمہ: حضرت کعب احبار سے روایت ہے کہ ایک شخص نے اپنے جوتے اتارے تو کعب احبار نے کہا: تو نے اپنے جوتے کیوں اتارے؟ شاید تو نے اس آیت پر عمل کے لیے ایسا کیا ہے، ''کہ اے موسیٰ! اپنے جوتے اتار دیجیے؛ کیوں کہ آپ پاک وادی، طویٰ میں ہیں'' پھر حضرت کعب نے اس شخص سے کہا: کیا تو جانتا ہے کہ موسیٰ کے جوتے کس چیز کے تھے، مالک نے کہا: مجھے معلوم نہیں کہ اس شخص نے اس کا کیا جواب دیا، حضرت کعب نے فرمایا: وہ مرے ہوئے گدھے کی کھال کے تھے۔

شرح حدیث: حضرت کعب احبار نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے مسجد میں داخل ہونے سے پہلے اپنے جوتے اتار دیے؛ اس لیے کہ آدمی جب اچھی اور پاک صاف جگہ میں جائے تو جوتا چپل اتار دینا چاہیے، حضرت کعب احبار نے یہ سمجھ کر کہ شاید آنے والا مسجد میں جوتے، چپل سمیت داخل ہونے کو ممنوع اور ناجائز سمجھتا ہو تو پوچھ ڈالا کہ کیا آپ کو اس آیت ''فاخلع نعليك إنك بالواد المقدس طوى'' کی یہی تفسیر اور تاویل معلوم ہے کہ کسی پاک اور مقدس جگہ میں جائیں تو جوتے اتار دیں، حضرت کعبؓ نے اس شخص سے سوال کیا آپ کو اس بات کا علم ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جوتیاں کس چیز کی تھیں؛ پھر خود ہی جواب دیا کہ وہ مردار گدھے کی کھال کی تھیں؛ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ناپاک ہونے کی وجہ سے وادی مقدس میں داخل ہونے سے پہلے اتارنے کا حکم دیا تھا۔

كانتا من جلد حمار: یہ بات اسرائیلیات میں سے ہے؛ چونکہ حضرت کعب اس کے عالم تھے؛ لہذا اس کو دلیل بنا کر آنے والے شخص کو یہ کہنا کہ وہاں ناپاکی کی وجہ سے اتارنے کا حکم دیا تھا اور آپ کے جوتے ایسے نہیں ہیں، اس کو بنیاد بنا کر آنے والے شخص پر انکار درست نہیں یا یہ بھی احتمال ہے کہ وہ کھال مدبوغ ہو یا شریعت موسیٰ میں مردار کی کھال قبل الدباغت استعمال کرنا درست ہو؛ جبکہ صاحب جمل نے ''إنك بالواد'' کی یہ تفسیر

کی ہے کہ آپ جوتے اتار دیجیے، آپ ایک پاکیزہ جگہ میں ہیں؛ تاکہ آپ اپنے پاؤں سے اس ارض مقدس کی مٹی سے برکت حاصل کریں یا اس جگہ کی تعظیم میں اتار دیجیے۔ (تفسیر مظہری ص:۵٦، ج:٦/اوجز،۲۱۴)

فائدہ: اگر جوتا پاک ہو تو پہن کر مسجد میں داخل ہونا مباح ہے، اس زمانہ میں عام طور پر مسجد کا فرش کچا یا فرش پر کنکری بچھائی جاتی تھی، لوگ جوتے پہن کر داخل ہوتے تھے، اب صورت حال بدل گئی ہے، فرش پختہ اور صاف ستھرا ہوتا ہے اور جوتیوں میں گرد وغبار اور نجاست کا احتمال ہوتا ہے، لہذا اتار کر آنا ہی ادب ہے۔

قال مالک: امام مالکؒ کے دادا کا نام بھی مالک بن ابو عامر تھا، تو امام مالک کے دادا مالک فرما رہے ہیں کہ کعب احبار نے جب آنے والے شخص سے پوچھا تو اس نے کیا جواب دیا مجھے معلوم نہیں ہے۔

ماجاء في لبس الثياب

کپڑے پہننے کا بیان

اس باب میں کپڑا پہننے کی کیفیت، اور لباس کی خاص قسم کو بیان کرنا مقصود ہے۔

(۱) مالکٌ عن أبي الزنادِ عنِ الأعْرَجِ عن أبي هُريرةَؓ أنَّهُ قال: قال نهى رَسولُ اللهِ ﷺ عنْ لِبْسَتَيْنِ وعنْ بَيْعَتَيْنِ عنْ المُلامَسَةِ وعنِ المُنابَذَةِ وعنْ أن يَحْتَبِيَ الرَّجُلُ في ثَوْبٍ وَاحدٍ لَيْسَ علىٰ فَرْجِهِ مِنهُ شَيْءٌ وعنْ أنْ يَشْتَمِلَ الرَّجُلُ بِالثَّوْبِ الوَاحِدِ علىٰ أَحَدِ شِقَّيْهِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کپڑا پہننے کی دو ہیئتوں، اور دو بیعوں سے منع فرمایا، (۱) ملامسہ (۲) منابذہ، اور (۱) آدمی کا ایک کپڑے میں حبوہ کرنے سے (منع فرمایا) جبکہ اس کی شرم گاہ پر کوئی کپڑا نہ ہو اور (۲) آدمی کا ایک کپڑے سے لپٹ جانے سے دونوں جانبوں میں سے کسی ایک پر۔

شرح حدیث: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو طرح کے پہناوے، اور دو قسم کی

بیع سے منع فرمایا ہے، دو بیع (۱) بیع ملامسہ (۲) بیع منابذہ، اور دو پہناوا (۱) احتباء (۲) اشتمال ہے۔

بیع ملامسہ اور بیع منابذہ کی تعریف:

الملامسة أن يقول الرجل لصاحبه إذا لمست ثوبک أو لمست ثوبي فقد وجب البيع ، لاخيار لأحدهما على الآخر ، ملامسه : مفاعلة کا مصدر ہے، لمس سے ماخوذ ہے اور مفاعلت کا خاصہ مشارکت ہے یعنی دو آدمیوں کا کسی فعل میں شریک ہونا؛ لہذا تعریف یہ ہوئی، بائع کا مشتری سے یا مشتری کا بائع سے یہ کہنا جب میں تیرے کپڑے پر، یا تو میرے کپڑے پر ہاتھ رکھ دے گا تو بیع واجب ہوگئی ہم میں سے کسی کو اختیار نہ ہوگا، اور منابذہ (یہ بھی مفاعلت کا مصدر ہے النبذ بمعنی پھینکنا سے ماخوذ ہے) یہ ہے کہ بائع اور مشتری میں سے ہر ایک کا دوسرے سے یہ کہنا کہ جب میں تیری طرف اس کپڑے کا تھان پھینک دوں تو ہمارے درمیان بیع لازم ہو جائے گی ہم میں سے کسی کو کسی قسم کا اختیار نہ ہوگا، یہ سب جاہلیت کی بیوع میں سے ہیں، غرر اور دھوکے کی وجہ سے ممنوع ہے۔

احتباء و اشتمال : احتباء، سرین کو زمین پر رکھ کر اپنی دونوں رانوں سے پنڈلیاں ملا کر گھٹنوں کو کھڑا کرنا اور ہاتھوں کو پنڈلیوں پر باندھ لینا اور پشت کی جانب سے کپڑا لپیٹ لینا، یہ اس وقت ممنوع ہوگا جب شرمگاہ پر اور کوئی دوسرا کپڑا نہ ہو؛ چونکہ اونگھنے یا کسی اور وجہ سے گرنے کے احتمال سے شرم گاہ کھل جانے کا خطرہ ہے۔

اشتمال: آدمی کا پورے جسم پر کپڑا لپیٹ کر کہ کسی ایک جانب کو اٹھا کر کندھے پر ڈال لینا ہے، فقہاء کے نزدیک اسی کو صماء کہا جاتا ہے اور یہی تفسیر حدیث مذکور میں ہے اور اہل لغت کے نزدیک یہ ہے کہ ایک کپڑا اس طرح لپیٹ لینا کہ دونوں ہاتھ اندر بند ہو جائیں، یہ ماخوذ ہے، **الصخرة الصماء** یعنی ٹھوس پتھر سے، اس طرح کے پہناوا میں گرنے کا خطرہ رہتا ہے، علامہ نووی فرماتے ہیں: کہ فقہاء والا حبوہ حرام ہے ستر کھلنے کی وجہ سے اور لغت والا مکروہ ہے گرنے کی وجہ سے۔ (اوجز، ص:۲۱۴، ج:۶)

(۲) مَالِکٌ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ رَأَى حُلَّةً سِيَرَاءَ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! لَوِ اشْتَرَيْتَ هٰذِهِ الْحُلَّةَ فَلَبِسْتَهَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَ لِلْوَفْدِ إِذَا قَدِمُوا عَلَيْكَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّمَا يَلْبَسُ هٰذِهِ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ فِي الْآخِرَةِ ثُمَّ جَاءَ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم مِنْهَا حُلَلٌ فَأَعْطَى عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ مِنْهَا حُلَّةً فَقَالَ عُمَرُ: يَا رَسُولَ اللهِ! كَسَوْتَنِيهَا وَقَدْ قُلْتَ فِي حُلَّةِ عُطَارِدٍ مَا قُلْتَ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَمْ أَكْسُكَهَا لِتَلْبَسَهَا فَكَسَاهَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَخًا لَهُ مُشْرِكًا بِمَكَّةَ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے ایک ریشمی دھاری دار جوڑا دیکھا مسجد کے دروازے کے سامنے (بیچا جارہا تھا) تو انہوں نے فرمایا: اے اللہ کے رسول! اگر آپ اس جوڑے کو خرید لیں اور اس کو جمعہ اور آپ کی خدمت میں آنے والے وفد کے لیے پہن لیں (تو بہتر ہوتا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ وہی پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اسی کے چند جوڑے آئے آپ نے ان میں سے ایک جوڑا (حضرت) عمر بن خطاب کو دیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے اس کو مجھے عنایت فرمایا؛ حالانکہ آپ نے عطارد کے جوڑے کے بارے میں وہ بات کہی جو کہی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تجھے وہ پہننے کے لیے نہیں دیا، تو حضرت عمر نے وہ جوڑا اپنے ایک مشرک بھائی کو دے دیا جو مکہ میں تھا۔

لغات: حلة، ج: حلل: صاف اور نئے کپڑے کا جوڑا، کرتا، پائجامہ، تہ بند، چادر
سیراء: سین کا کسرہ، یا کا فتحہ: زرد ریشم کی دھاری دار چادر

شرح حدیث: فتح مکہ کے بعد جب چاروں طرف اسلام کا چرچا ہونے لگا تو مختلف علاقوں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وفود آنے لگے، صحابۂ کرام یہ تمنا کرنے لگے کہ شاہ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم اگر ایسے موقع پر عمدہ لباس پہن لیتے تو بہتر ہوتا، ایک دن ایک ریشمی دھاری دار جوڑا برائے فروخت مدینہ میں آیا تو حضرت عمرؓ نے یہ تمنا ظاہر کی کہ کاش

آپ اس جوڑے کوخرید لیتے اور جمعہ، مجالس، اور آپ ﷺ کی خدمت میں جب وفود آئے تو پہن لیتے، (یہاں لفظ ''لو'' تمنی کے لیے بھی ہوسکتا ہے اور شرط کے لیے بھی، اگر شرط کے لیے مانیں تو جزا محذوف ہوگی، ای: لکان خیرا) اور یہ خواہش اس لیے تھی کہ مجالس اور وفود وغیرہ کے سامنے مباح طریقے پر زینت اختیار کرنا مندوب ہے آپ ﷺ نے فرمایا: یہ جوڑا ریشم کا ہے اور مردوں کے لیے حرام ہے اور یہ وہی پہن سکتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں، (یہ بہ طور تہدید ہے) پھر کچھ دن کے بعد ویسا ہی ریشمی جوڑے آپ ﷺ کی خدمت میں آئے آپ نے ایک جوڑا حضرت عمرؓ کو دیا تو حضرت عمر نے فرمایا: یارسول اللہ! کچھ دن پہلے عطارد بن زرارہ بن عدس کے جوڑے کے بارے میں آپ نے فرمایا تھا: جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں وہی اس طرح کا لباس پہنتا ہے، اور آج آپ نے مجھے ویسا ہی لباس دیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: پہننے کے لیے نہیں دیا تھا؛ بلکہ فائدہ اٹھانے کے لیے دیا تھا، تو حضرت عمر نے اپنے ایک مشرک رضاعی بھائی (یا مادری بھائی) عثمان کو دے دیا۔ (اوجز، ص:۲۱۶، ج:۶)

فائدہ : مشرک شریعت کے احکام کا مخاطب نہیں ہے، اور مسلمان مرد پر ریشم حرام ہے؛ اس لیے آں حضور ﷺ نے ایسی سخت وعید ارشاد فرمائی: '' إنما يلبس من لاخلاق له في الآخرة'' اسی لیے حضرت عمر نے وہ ریشمی جوڑا اپنے مشرک بھائی کو دے دیا۔

(۳) مَالِكٌ عَنْ اِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ أَنَّهُ قَالَ: قَالَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ: رَأَيْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ وَهُوَ يَوْمَئِذٍ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَقَدْ رَقَعَ بَيْنَ كَتِفَيْهِ بِرُقَعٍ ثَلَاثٍ لَبَّدَ بَعْضَهَا فَوْقَ بَعْضٍ.

ترجمہ: حضرت انس ابن مالکؓ نے فرمایا: میں نے حضرت عمر بن خطابؓ کو جس زمانے میں وہ امیر المؤمنین تھے دیکھا ان کے (کپڑے پر) مونڈھوں کے درمیان تین پیوند لگے ہوئے تھے، اس کا بعض بعض پر چپکے ہوئے تھے۔

لغات: رقع ترقيعا: مزید (تفعیل) ورقع رقعاً (ف) الثوب: کپڑے پر پیوند لگانا۔ لبد تلبيداً: (تفعیل) چپکانا، جوڑنا۔

شــرح حدیــث: کپڑے پر پیوند لگا کر پہننا اور سادگی اختیار کرنا اس کی تفصیل کتاب اللباس میں گزر چکی ہے۔

قولـه "بـعـضـهـا فـوق بعض الخ" : قال الباجی : يقتضي أنه رقع الثوب ثم تخرق ذالک الرقع فأعاد، ایسا ہوسکتا ہے کہ ایک پیوند پھٹ گیا ہو پھر اسی پر دوسرا پیوند لگا دیا ہو۔ (اوجز)

صفة النبي صلى الله عليه وسلم

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیۂ مبارک

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح آنحضرت ﷺ کے قول وفعل اور تقریر کو بیان کرنا حدیث مرفوع ہے، اسی طرح آپ کی صفت وحلیہ کو بیان کرنا بھی حدیث مرفوع ہے۔

(۱) مَالِكٌ عَنْ رَبِيْعَةَ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ أَنَّه سَمِعَه يَقُوْلُ: كَانَ رسولُ اللهِ ﷺ لَيْسَ بِالطَّوِيْلِ الْبَائِنِ وَلا بِالْقَصِيْرِ وَلا بِالْأَبْيَضِ الْأَمْهَقِ وَلا بِالْآدَمِ وَلَيْسَ بِالْجَعْدِ الْقَطَطِ وَلا بِالسَّبْطِ بَعَثَه اللهُ ﷺ عَلَى رَأْسِ أَرْبَعِيْنَ سَنَةً فَأَقَامَ بِمَكَّةَ عَشْرَ سِنِيْنَ وَبِالْمَدِيْنَةِ عَشْرَ سِنِيْنَ وَتَوَفَّاه اللهُ عَلَى رَأْسِ سِتِّيْنَ سَنَةً وَلَيْسَ فِيْ رَأْسِه وَلِحْيَتِه عِشْرُوْنَ شَعْرَةً بَيْضَاءَ. [صلى الله عليه وسلم]

ترجمہ: ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن نے حضرت انس بن مالکؓ کو کہتے ہوئے سنا کہ: رسول اللہ ﷺ نہ بہت زیادہ لانبے تھے اور نہ پستہ قد تھے اور نہ بہت ہی سفید رنگ کے تھے (چونے کی طرح) اور نہ بہت زیادہ گندم گوں اور نہ بہت زیادہ گھنگھریالے بالوں والے تھے اور نہ سیدھے بالوں والے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث فرمایا؛ پھر مکہ میں دس سال رہے اور مدینہ میں دس سال، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ساٹھ سال کی عمر میں وفات دی؛ جبکہ آپ کے سر اور ڈاڑھی میں بیس بال بھی سفید نہ تھے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

لغات: الطویل: صیغۂ صفت ہے، ج: طوال (ن) طال طولاً: لمبا ہونا، طویل ہونا۔ البائن: صیغۂ صفت (ض) مصدر بیانا: واضح ہونا ظاہر ہونا۔ القصیر: صیغۂ

صفت، ج: قصار (ک): پستہ قد ہونا۔ الأبیض : صیغۂ صفت، ج: بیض (ض): سفیدی میں غالب آنا۔ الآدم : صیغۂ صفت : ج: أدم (ک) ادمۃ: گندم گوں ہونا۔ الجعد: صیغۂ صفت، ج: جعاد (ک) جعادۃ: بالوں کا گھنگھریالا ہونا۔ القطط : صیغۂ صفت، ج: إقطاط و قطاط (س) قططا: بالوں کا بہت زیادہ گھنگھریالا ہونا۔ السبط: ج: سباط (س/ک): بالوں کا سیدھا ہونا۔ توفی : (تفعل): پورا حق لینا، وفات دینا۔

شرح حدیث: نبی اکرم ﷺ کا قد مبارک ایسا درمیانہ تھا جو کسی قدر طول کی طرف مائل ہو اور آپ رنگ کے اعتبار سے بالکل چونے کی طرح سفید نہ تھے اور نہ بالکل گندمی تھے ; بلکہ جو گندمی سرخی مائل ہو، وہ تھے، آپ کے بال مبارک، نہ تو بہت زیادہ گھنگھریالے تھے اور نہ بالکل سیدھے تھے; بلکہ ہلکی سی پیچیدگی اور گھنگھریالا پن تھا۔

توفاہ اللہ علی رأس ستین : اس حدیث میں آپ ﷺ کا نبوت کے بعد مکہ مکرمہ میں دس سال قیام کا ذکر ہے، اسی بنا پر آپ کی عمر شریف ساٹھ سال ذکر کی گئی ہے; لیکن یہ روایت ان تمام روایتوں کے خلاف ہے جن میں آپ ﷺ کا قیام، مکہ مکرمہ میں تیرہ سال، اور تریسٹھ سال کی عمر میں وفات ذکر کی گئی ہے، علماء نے ان احادیث میں دو طرح سے تطبیق دی ہے، اول: چالیس سال کی عمر میں نبوت ملی اور تین سال بعد رسالت ملی، اس کے بعد دس سال مکہ مکرمہ میں قیام فرمایا، اس بنا پر اس حدیث میں ان تین سال کا ذکر نہیں ہے جو نبوت اور رسالت کے درمیان ہے۔

دوسری توجیہ یہ کی جاتی ہے کہ عموما اعداد میں کسر کو شمار نہیں کیا جاتا ہے، اسی بنا پر حضرت انس کی روایت میں دونوں جگہ دہائیاں ذکر کردی ہیں اور کسر کو چھوڑ دیا ہے; ورنہ اربعین کا عدد کسی صورت میں صحیح نہ ہوگا یا تو کم ہوگا یا زائد (خصائل نبوی) اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب چالیس کا عدد بولا جاتا ہے تو کبھی چالیس کا مجموعہ مراد لیا جاتا ہے اور کبھی انتالیس سے کچھ زائد ہو جائے تو بھی چالیس بولنا عام ہے اور جمہور علماء کا اتفاق ہے کہ آپ کی ولادت ربیع الاول میں ہوئی اور آپ کو نبوت سے رمضان المبارک میں سرفراز کیا گیا;

اس اعتبار سے جس وقت آپ کو نبوت ملی یا تو آپ کی عمر ساڑھے چالیس سال ہوگی یا ساڑھے انتالیس تو جس نے چالیس کہا کسر کو شمار نہیں کیا یا تو چھوڑ دیا یا تو مکمل کر دیا، اور صحیح یہی ہے کہ آپ کی عمر تریسٹھ سال ہوئی۔ (اوجز، ص: ۲۲۰)

ولیس في رأسه ولحیته عشرون شعرة بیضاء : یعنی آپ کے سر اور ڈاڑھی میں سفید بال کا مجموعہ بیس سے کم تھا، اس بارے میں روایات مختلف ہیں: کسی میں سترہ، کسی میں اٹھارہ، اور مسلم شریف کی روایت میں ہے "**کان في لحیته شعرات بیض**" یہ تمام کے تمام تخمینی ہیں تحقیقی نہیں، مختلف زمانوں پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے اور گننے کے فرق پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے؛ چونکہ یہ بعید ہے کہ صحابۂ کرام نے سر اور داڑھی کے ایک ایک بال کی تفتیش کی ہو۔

آپ کا خضاب لگانا: آپ ﷺ نے اپنے بالوں میں خضاب کیا یا نہیں، اس بارے میں بھی دو طرح کی روایتیں ملتی ہیں، بعض میں اثبات ہے، بعض میں نفی، اس کی کئی توجیہات ہوسکتی ہیں، ایک یہ ہے کہ "**خضب لحیته یعني بعضها ولم یخضب کلها**" ایک یہ ہے کہ داڑھی میں خضاب کیا ہو، سر میں نہ کیا ہو اور ایک یہ ہے کہ کسی زمانے میں خضاب کیا ہو اور کسی میں نہ کیا ہو، جس نے جس طرح دیکھا اس کی خبر دے دی۔

صفة عیسی ابن مریم و الدجال

حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام
اور دجال کی صفت (کا بیان)

(۱) مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رسولَ اللهِ ﷺ قَالَ أُرَانِي اللَّيْلَةَ عِنْدَ الْكَعْبَةِ فَرَأَيْتُ رَجُلا آدَمَ كَأَحْسَنِ مَاأَنْتَ رَاءٍ مِنْ أُدْمِ الرِّجَالِ لَه لِمَّةٌ كَأَحْسَنِ مَاأَنْتَ رَاءٍ مِنَ اللِّمَمِ قَدْ رَجَّلَهَا وَهِيَ تَقْطُرُ

مًا: مُتَّكِئًا عَلَى رَجُلَيْنِ أَوْ عَلَى عَوَاتِقِ رَجُلَيْنِ يَطُوفُ بِالْكَعْبَةِ فَسَأَلْتُ مَنْ هَذَا؟ فَقِيلَ لِي: هَذَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ثُمَّ إِذَا أَنَا بِرَجُلٍ جَعْدٍ قَطَطٍ أَعْوَرِ الْعَيْنِ الْيُمْنَى كَأَنَّهَا عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ فَسَأَلْتُ مَنْ هَذَا؟ فَقِيلَ: هَذَا مَسِيحُ الدَّجَّالِ.

ترجمه: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے آج رات (خواب میں) اپنے آپ کو کعبہ کے پاس دیکھا تو میں نے ایک گندم گوں شخص کو دیکھا، اس خوبصورت گندم گوں آدمی کی طرح جو تم دیکھتے ہو، اس کی زلفیں کندھوں سے اوپر تک تھیں، اس خوبصورت کندھوں تک زلف والوں کی طرح جو تم دیکھتے ہو، انہوں نے ان زلفوں میں کنگھی کر رکھی تھی تو اس سے پانی ٹپک رہا تھا دو مردوں پر سہارا لے رکھا تھا، یا (کہا) دو مردوں کے کاندھوں پر سہارا لے رکھا تھا، وہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا، میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ تو مجھ سے کہا گیا یہ مسیح ابن مریم ہیں پھر میں نے اچانک ایک ایسے شخص کو (دیکھا) جس کے بال بہت ہی گھنگھریالے تھے، داہنی آنکھ کانی تھی، گویا کہ وہ پھولا ہوا انگور ہو، میں نے (اس کے بارے میں) پوچھا یہ کون ہے؟ تو کہا گیا: یہ مسیح دجال ہے۔

لغات لِمة: لام کا کسرہ اور میم مشدد: بالوں کی زلف جو کانوں کی لو سے تجاوز ہو، ج: لمم رجل: (جیم مشدد) ترجیلا: الشعر: کنگھی کرنا، اعور: صیغۂ صفت، (س): عورا: کانا ہونا طافیة من العنیب: خوشۂ انگور میں نمایاں اور ابھرا ہوا دانا، (ن) طفا الشیء طفوا: پانی پر کسی چیز کا تیرنا۔

لفظ مسیح مشترک ھے: لفظ مسیح حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دجال دونوں پر بولا جاتا ہے، اور دونوں کا لقب ہے (مگر حضرت عیسیٰ مسیح ہدایت ہیں اور دجال مسیح ضلالت) البتہ وجوہات الگ الگ ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اطلاق کی چند وجوہات ہیں، لفظ مسیح یہ فعیل کے وزن پر ہے، اور فعیل کا وزن کبھی فاعل اور کبھی مفعول کے معنی میں آتا ہے؛ اگر مفعول کے معنی میں ہو تو اس کی وجہ یہ ہے (۱) عیسیٰ علیہ السلام اپنی ماں کے پیٹ سے ممسوح یعنی صاف ستھرے (پونچھے ہوئے) پیدا ہوئے تھے، (۲) عام طور پر

انسان کے پاؤں کا تلوا خم دار ہوتا ہے اور آپ کے پاؤں کا تلوا ہموار اور ممسوح تھا۔

اور اگر فاعل کے معنی میں ہو تو اطلاق کی وجہ یہ ہے کہ (۳) مسیح مشتق ہے مسح الأرض یعنی زمین پر سیاحت کرنے والا ؛ چونکہ حضرت عیسی علیہ السلام کسی ایک جگہ ٹھہرتے نہیں تھے؛ اس لیے ان کو مسیح کہا جاتا ہے (۴) یا اندھے اور کوڑھ کے مریض پر ہاتھ پھیر دیتے تھے تو وہ اچھا ہو جاتا تھا۔

اور دجال پر لفظ مسیح کے اطلاق کی ایک وجہ یہ ہے کہ وہ بھی زمین پر سیاحت کرے گا، دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کی ایک آنکھ ممسوح یعنی سپاٹ اور ہاتھ پھیری ہوئی ہوگی، تیسری وجہ اس سے خیر و برکت مسح یعنی پونچھ دی گئی ہے۔ (اوجز،ص:۲۲۳/مرقات:۱۸۴، ج:۱۰)

ایک اشکال اور تطبیق : دجال کی صفت کے بارے میں احادیث مختلف ہیں، بعض میں أعور العین الیمنی ہے جیسا کہ حدیث باب میں ہے اور بعض میں عین الیسری ہے؛ لہذا تطبیق یہ ہے کہ اس کی دونوں آنکھ عیب دار ہوں گی ایک بالکل ممسوح اور سپاٹ ہوگی اور ایک ابھری ہوئی ہوگی، جن احادیث میں بائیں آنکھ کو أعور کہا گیا ہے اس سے مراد بالکل سپاٹ ہے اور جن احادیث میں دائیں کو أعور کہا گیا ہے اس سے مراد پھولی ہوئی اور ابھری ہوئی ہونا ہے، ہوسکتا ہے اس سے اس کو تھوڑا بہت نظر آئے۔ (تلخیص از اوجز،ص:۲۲۵)

لفظ طافیہ اور طافئہ کی تحقیق : حدیث میں لفظ طافیہ ہے یا کے ساتھ، یا طافئہ ہمزہ کے ساتھ، اول ناقص واوی ہے اور دوسرا مہموز اللام ہے، دونوں کا احتمال ہے؛ اگر ناقص واوی ہے طفا یطفو سے تو ابھرنے کے معنی میں ہے؛ اسی سے سمک طافی ہے، یہ دائیں آنکھ ہے اور اس کی بایاں آنکھ طافئہ اي : طفئ یطفئ (مہموز اللام) سے ہے، بمعنی بجھنا، بے نور ہونا اور اسی کے بارے میں "ممسوح لیست بنائیة" آیا ہے۔ (الدر المنضود،ص۲۸۹، ج:۶/اوجز،ص:۲۲۲)

دجال : دجل سے مبالغہ کا صیغہ ہے بمعنی چھپانا اور دجال کو دجال اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ حق کو باطل سے ڈھانپتا ہے۔

ماجاء في الفطرة

فطرت کا بیان

فطرت سے انبیاء علیہم السلام کا وہ پسندیدہ طریقہ مراد ہے جس پر تمام شریعتیں متفق ہوں، دوسرا قول یہ ہے کہ فطرت سے مراد سنت ابراہیمی ہے۔

(۱) مَالِكٌ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ أَبِي سَعِيْدِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِيْه عَنْ أَبِي هريرةَ قَالَ خَمْسٌ مِنَ الفطرةِ: تَقْلِيْمُ الْأَظْفَارِ، وَقَصُّ الشَّارِبِ وَ نَتْفُ الإِبِطِ وَحَلْقُ الْعَانَةِ وَ الاخْتِتَانُ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا: پانچ چیزیں فطرت میں سے ہیں: ناخن کاٹنا، مونچھیں کترنا، بغل کے بال اکھاڑنا، زیر ناف کے بال مونڈنا اور ختنہ کرنا۔

شرح حدیث: حدیث مذکور میں پانچ کا ذکر ہے، اس سے حصر مراد نہیں ہے؛ چنانچہ من تبعیضیہ عدم حصر پر دلالت کر رہا ہے، دوسری حدیث میں دس کا ذکر ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخاطب کے اعتبار سے جہاں جیسا مناسب سمجھا ذکر کیا۔

(۱) **تقلیم الاظفار**: ناخن کاٹنا؛ تاکہ اس میں کسی قسم کا میل نہ جمے، یا کوئی ایسی چیز جو پانی پہنچنے سے مانع ہو، جس سے وضو اور غسل میں خلل ہو، ناخن کاٹنے کا کوئی طریقہ متعین نہیں ہے، جس طرح سہولت ہو یا جس انگلی سے چاہے کاٹے، سنت ادا ہو جائے گی؛ البتہ بہتر یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے شروع کرے؛ پھر وسطی پھر بنصر پھر خنصر پھر ابہام، اس کے بعد بائیں ہاتھ کی خنصر، بنصر، وسطی اور مسبحہ پھر ابہام پر ختم کرے اور پاؤں کے ناخن کاٹنے میں دائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی سے شروع کرکے بائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی پر ختم کرے، ناخن کاٹنے کے بعد دفن کر دینا بہتر ہے۔ (فتاوی ہندیہ، ص:۳۵۸ ج:۵/ مرقات ص:۸۴ ج:۲)

(۲) **و قص الشارب**: احادیث میں مونچھوں کے بارے میں پانچ الفاظ آئے ہیں (۱) قص (بال کترنا) (۲) احفاء (کترنے میں مبالغہ کرنا) (۳) جز (کاٹنا) (۴)

نہک (کاٹنے میں مبالغہ کرنا) (۵) حلق (مونڈنا) ان پانچوں الفاظ کا مقصد ایک ہے: مونچھوں کے کاٹنے میں مبالغہ کرنا؛ چنانچہ "قص" سے کچھ بال یا ہونٹ کا کنارہ کھلا نظر آئے، اور یہی معنی احفاء اور جز کا ہے۔ احفاء کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ ہونٹوں پر جو بال لٹک گئے ہوں ان کو اتنا کاٹنا کہ ہونٹوں کی سرخی ظاہر ہو جائے؛ لہٰذا مونچھوں کے بارے میں دو باتیں ہو گئیں، اتنا کاٹنا کہ ہونٹوں کی سرخی نظر آئے یا کاٹنے میں اتنا مبالغہ کرنا کہ کھال نظر آنے لگے، امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک احفاء افضل ہے قہستانی، طحطاوی علی مراقی الفلاح میں اسی قول کو ترجیح دی ہے اور امام طحاوی نے حلق کرنا سنت کہا ہے۔ (اوجز ص:۲۳۰/ ردالمحتار ص:۲۶ ج:۹)

(۳) **ونتف الابط:** بغل کے بالوں کو اکھاڑنا، افضل اکھاڑنا ہے؛ لیکن اگر کسی کو اس سے تکلیف ہو تو مونڈنے سے بھی سنت ادا ہو جائے گی؛ بلکہ مطلقاً ازالہ سے بھی خواہ مونڈنے سے ہو یا کسی اور طریقے سے۔

(٤) **حلق العانة:** ناف کے نیچے سے ماتھ (ران) تک کے حصے کو صاف کرنا خواہ حلق کرکے ہو یا کسی اور ذریعے سے، سنت ہے؛ البتہ قینچی سے کترنا اچھا نہیں ہے، ہر ہفتہ زیر ناف کے بالوں کو مونڈنا چاہیے؛ ورنہ پندرہ دن میں، اور چالیس دن تک چھوڑے رکھنا مکروہ ہے۔ (درمختار/ اوجز ص:۲۳۱)

(۵) **والاختتان:** مرد کا ختنہ اس طور پر اس کھال کو کاٹنا ہے جو حشفہ کو چھپائے ہوئے ہے؛ تاکہ پورا حشفہ کھل جائے، جمہور کے نزدیک ختنہ سنت ہے؛ لیکن ہمارے نزدیک ایسی سنت ہے جو شعار اسلام سے ہے؛ لہٰذا اگر کوئی اس کے ترک پر مصر ہے تو اس سے جدال کیا جائے گا۔

(۲) مَالِکٌ عَنْ یَحْیَ بْنِ سَعِیْدٍ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ الْمُسَیَّبِ أَنَّه قَالَ کَانَ اِبْرَاهِیْمُ أَوَّلَ النَّاسِ ضَیَّفَ الضَّیْفَ وَأَوَّلَ النَّاسِ اخْتَتَنَ وَأَوَّلَ النَّاسِ قَصَّ شَارِبَه وَأَوَّلَ النَّاسِ رَأَی الشَّیْبَ فَقَالَ یَا رَبِّ! مَا هٰذَا؟ فَقَالَ اللّٰهُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی وَقَارٌ یَا اِبْرَاهِیْمُ! فَقَالَ: رَبِّ زِدْنِيْ وَقَارًا قَالَ

مَالِکٌ : يُوخَذُ مِنَ الشَّارِبِ حَتّٰى يَبْدُوَ أَطْرَافُ الشَّفَةِ وَهُوَ الْإِطَارُ وَلَا يَجُزُّهٗ فَيُمَثِّلَ بِنَفْسِهٖ.

ترجمہ: حضرت سعید بن مسیبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے آدمی تھے جنہوں نے مہمان نوازی کی، اور پہلے انسان تھے جنہوں نے ختنہ کیا اور پہلے آدمی تھے جنہوں نے مونچھیں کتروائیں، اور پہلے آدمی تھے جنہوں نے بالوں کی سفیدی دیکھی اور کہا اے میرے رب! یہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابراہیم! یہ وقار ہے، انہوں نے فرمایا: اے میرے رب! میرے وقار کو بڑھایئے۔

امام مالکؒ نے فرمایا: مونچھیں اتنی کاٹی جائیں کہ ہونٹوں کے اطراف ظاہر ہو جائیں، اور یہی اطار ہے، اتنا نہ کاٹے کہ کھال نظر آئے کہ اپنے آپ کو مثلہ کر لے۔

لغات: ضیف: یائے مشدد: مہمانی کا کھانا پیش کرنا، الضیف: جمع، ضیوف و اضیاف، مہمان، اختتن: ختنہ شدہ ہونا، الشیب: (ض) سفید بالوں والا ہونا، بوڑھا ہونا، الاطار: ہمزہ کا کسرہ، ہونٹ اور مونچھ کے بیچ کا حصہ۔

شرح حدیث: حضرت ابراہیم علیہ السلام سب سے پہلے لوگوں کی مہمان نوازی کرنے والے ہیں، اس سے پہلے مہمانی کا رواج نہ تھا، اور سب سے پہلے ختنہ کرنے والے ہیں، اس سے پہلے لوگوں کو ختنہ کرنے کا حکم نہ تھا، اس کے بعد لوگوں کو ختنہ کرنے کا حکم دیا گیا، اور سب سے پہلے بوڑھاپا اور بالوں کی سفیدی دیکھنے والے ہیں، اس سے پہلے بوڑھاپا نہ آتا تھا، اسی لیے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بالوں کی سفیدی دیکھی تو اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ یہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ یہ وقار ہے؛ اس لیے کہ بوڑھاپے کا زمانہ مکارم اخلاق میں ثابت قدمی کا زمانہ ہے، جس کی وجہ سے لوگ اس شخص کی عزت کرتے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس میں اضافہ کی دعاء کی۔

قال مالک: مونچھوں کے کترنے کے بارے میں امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ مونچھوں کو اتنا کاٹا جائے کہ ہونٹوں کی سرخی کھل جائے اور کترنے میں اتنا مبالغہ نہ کیا جائے کہ پوری کھال نظر آئے، ان کے نزدیک یہ مثلہ ہے اور احناف کا مذہب ماقبل میں گزرا۔

النهى عن الأكل با لشمال

بائیں ہاتھ سے کھانے کی ممانعت

دائیں ہاتھ سے کھانا پینا چاہیے، بلا عذر بائیں ہاتھ سے کھانا پینا مکروہ تنزیہی ہے، یہ شیطان کا طریقہ ہے، شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے، جمہور کے نزدیک دائیں ہاتھ سے کھانا پینا مستحب ہے، امام شافعیؒ کی ایک روایت یہی ہے اور دوسری روایت وجوب کی ہے اس بارے میں احادیث میں امر کا صیغہ ندب پر محمول ہے۔

(١) مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ الْمَكِّيِّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ السَّلَمِيِّ أَنَّ رسولَ اللهِ ﷺ نَهى أَنْ يَأْكُلَ الرَّجُلُ بِشِمَالِه وَيَمْشِيَ فِي نَعْلٍ وَاحِدَةٍ وَأَنْ يَشْتَمِلَ الصَّمَّاءَ وَأَنْ يَحْتَبِيَ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ كَاشِفاً عَنْ فَرْجِه.

ترجمه: حضرت جابر بن عبداللہ سلمیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آدمی کو اپنے بائیں ہاتھ سے کھانے، اور ایک جوتے میں چلنے سے منع فرمایا، اور ایک کپڑے میں سر سے پاؤں تک لپٹنے اور ایک کپڑے میں احتباء کرنے سے کہ اس کی شرمگاہ کھلی ہوئی ہو (منع فرمایا) الفاظ کی تشریح پیچھے گزر چکی ہے۔

(٢) مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ رسولَ اللهِ ﷺ قَالَ: إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَأْكُلْ بِيَمِينِه وَلْيَشْرَبْ بِيَمِينِه فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَأْكُلُ بِشِمَالِه وَيَشْرَبُ بِشِمَالِه.

ترجمه: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی کھائے تو دائیں ہاتھ سے کھائے اور دائیں ہاتھ سے پیئے؛ کیونکہ شیطان اپنے

بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اوراپنے بائیں ہاتھ سے پیتا ہے۔

فإن الشیطان یاکل بشماله: علامہ طیبی نے اس جملہ (شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے) کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ شیطان اپنے انسان دوستوں کو بائیں ہاتھ سے کھانے پینے پر ابھارتا ہے؛ تاکہ اللہ کے نیک بندے جو دائیں ہاتھ سے کھاتے پیتے ہیں، ان کے خلاف ان سے یہ فعل کرواکر مقابلہ کیا جائے، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ: مجاز سے حقیقت اولی ہے اور یہاں حقیقی معنی مراد لینا درست ہے، شیطان خود بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اور شیطان کا ہاتھ ہونا محال نہیں۔ (اوجز،ص:۲۳۹،ج:٦)

ماجاء في المساكين

مساکین کا بیان

فقیر اور مسکین کی تعریف اور ائمہ کا اختلاف

فقیر اور مسکین جن کا مصرف زکوۃ ہونا منصوص ہے ان کی تعریف اور مصداق میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

فقیر: حضرت امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک فقیر وہ ہے جس کے پاس نقد مال یا کمائی کی ہوئی آمدنی بالکل نہ ہو؛ اگر ہو تو کفایت کی مقدار کے آدھے سے کم ہو مثلاً: ایک شخص کی روزانہ کفایت کی مقدار دوسو روپئے ہے تو اس کی ہر روز کی آمدنی پچاس، ساٹھ روپئے ہو اور مسکین ان حضرات کے یہاں وہ ہے جس کے پاس کچھ مال ہو یا نصف کفایت سے زائد آمدنی ہو۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک فقیر وہ ہے جس کے پاس نصاب سے کم مال ہو، یا مالک نصاب تو ہو؛ لیکن وہ مال غیر نامی ہو یا نامی بھی ہو؛ مگر اس کی حاجت اصلیہ سے زائد نہ ہو۔

اور امام مالکؒ کے نزدیک فقیر وہ ہے جس کے پاس پورے سال کی روزی روٹی کا

بندوبست نہ ہو؛ بلکہ اس سے کم ہو۔

اور مسکین ان دونوں حضرات کے یہاں وہ ہے جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔

(۱) مَالِکٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رسولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَيْسَ الْمِسْكِيْنُ بِهٰذَا الطَّوَّافِ الَّذِي يَطُوْفُ عَلَى النَّاسِ فَتَرُدُّهُ اللُّقْمَةُ وَاللُّقْمَتَانِ وَالتَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ قَالُوا: فَمَنِ الْمِسْكِيْنُ؟ يا رسولَ اللّٰهِ! قَالَ: اَلَّذِي لاَ يَجِدُ غِنًى يُغْنِيْهِ وَلاَ يَفْطُنُ النَّاسُ لَهُ فَيُتَصَدَّقَ عَلَيْهِ وَلاَيَقُوْمُ فَيَسْأَلَ النَّاسَ .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ گھوم پھر کر (مانگنے والا) مسکین نہیں ہے، جو لوگوں پر گشت کرتا ہے اور ایک لقمہ یا دو لقمے اور ایک کھجور اور دو کھجور اسے در بدر گشت کراتی ہیں۔ لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! پھر مسکین کون ہے؟ فرمایا: وہ ہے جو ایسی مالداری نہ پائے جو اسے بے نیاز کر دے، اور نہ لوگ اس کو (محتاج) سمجھیں کہ اسے صدقہ دیا جائے اور نہ وہ کھڑا ہوتا ہے کہ لوگوں سے سوال کرے۔

لغات: الطوّاف: واو مشدد، صیغہ مبالغہ: بہت چکر لگانے والا ترده: (ن) ردا: پھیرنا، واپس کرنا، لوٹانا لایفطن: (ک) فطناً: ادراک کرنا، سمجھنا۔

شرح حدیث: یعنی مسکین وہ شخص نہیں ہے جس کو ایک یا دو کھجور اور ایک دو لقمے ادھر سے ادھر لوگوں کے دروازے پر گشت کرائیں؛ بلکہ کامل مسکین وہ شخص ہے جو ضرورت مند ہونے کے باجود لوگوں سے سوال نہ کرے اور نہ لوگ اسے محتاج سمجھیں کہ اس کو کچھ دے دیں، گویا اس کے سوال نہ کرنے کی وجہ سے لوگ اسے ضرورت مند ہی نہیں سمجھتے اور اسی لیے کچھ اسے دیتے بھی نہیں ہیں، اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے امت کے مالداروں کو ترغیب دی ہے کہ وہ اپنے صدقات ایسے مسکین کو تلاش کر کے دیں جو ضرورت مند ہونے کے باوجود اپنی ضرورت کا اظہار لوگوں سے نہ کرتا پھرتا ہو، حدیث مذکور سے (گزشتہ اختلافی مسئلہ کہ مسکین کا مصداق "من لا شیء له" ہے) امام ابوحنیفہ اور امام مالک کی تائید ہوتی ہے؛ نیز "أو مسكيناً ذا متربة" سے بھی استدلال کیا جاتا ہے۔

رہی بات " اما السفينة فكانت لمساكين يعملون في البحر الآية" سے استدلال کرنا تو یہ آیت امام صاحب کے مسلک کے خلاف نہیں؛ چونکہ اس آیت میں ان کو مسکین مجازاً و ترحماً مظلوم ہونے کی وجہ سے شفقت کے طور پر کہا گیا ہے۔ (اوجز، ص:۲۴۱)

(۲) مَالِكٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنِ ابْنِ بُجَيْدِ الأنصارِيِّ ثُمَّ الْحَارِثِيِّ عَنْ جَدَّتِهِ أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: رُدُّوا الْمِسْكِيْنَ وَلَوْ بِظِلْفٍ مُحْرَقٍ.

ترجمہ: ابن بجید انصاری اپنی دادی ام بجید (حوا بنت یزید بن سکن، صحابیہؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسکین کو (کچھ نہ کچھ دے کر) واپس کرو؛ اگر چہ جلا ہوا کھر ہی ہو۔

لغت: ظلف: ظاء کا کسرہ، لام کا سکون، ج: أظلاف و ظلوف: کھر۔

شرح حدیث: یہ حدیث بہ طور مبالغہ ہے، یعنی مسکین کو دینے پر ابھارنا ہے؛ اگر چہ وہ قلیل ہی ہو یا ایسی چیز ہو جو عام طور پر قابل انتفاع نہ ہو؛ مگر بہ ضرورت قابل انتفاع بنائی جا سکتی ہو؛ مگر اس کو خالی ہاتھ نہ لوٹاؤ۔

ماجاء في معاء الكافر

کافر کی آنتوں کا بیان

معیً و معاء: اس میں دو نسخے ہیں، مقصور اور ممدود، مقصور کو دو طرح پڑھا جاتا ہے، میم کا کسرہ اور تنوین، دوسرا میم کا فتحہ اور عین کا سکون، ج: أمعاء اور ممدود کی جمع: امعية بمعنی آنت پہلا مشہور ہے۔

(۱) مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ: رسولُ اللّهِ صلى الله عليه وسلم يَأْكُلُ الْمُسْلِمُ فِي مِعاءٍ وَاحِدٍ وَالْكَافِرُ يَأْكُلُ فِي سَبْعَةِ أَمْعَاءٍ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ مسلمان ایک آنت میں کھاتا ہے کافر سات آنتوں میں۔

شـــرح حـــدیـــث : حدیث مذکور میں جو بات مذکور ہے وہ مشاہدہ کے خلاف ہے، بعض کافر کم کھاتے ہیں اور بعض مسلمان زیادہ، نیز کھانا پہلے معدہ میں جاتا ہے پھر فضلہ آنتوں میں اور مسلمان و کافر کی آنتیں برابر ہوتی ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اپنی حقیقت پر نہیں ہے؛ بلکہ بہ طور تمثیل ہے اور آپ ﷺ نے اس سے قلت حرص اور کثرت حرص اور قلت رغبت اور کثرت رغبت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ دنیا کی حرص و رغبت مسلمان میں کم اور کافر میں زیادہ ہوتی ہے اور مسلمان کی دنیا کی طرف بے توجہی قلت طعام کا سبب ہوتی ہے، اور ایک مسلمان کی شان یہی ہونی چاہیے کہ وہ کم کھائے؛ کیونکہ یہ ایمانی خصلت ہے اور کھانے کی حرص کفر کی عادت ہے، ان تمام باتوں کا خلاصہ یہ نکلا کہ حدیث اپنی حقیقت اور ظاہر پر نہیں ہے؛ بلکہ مجاز پر محمول ہے، بہت سے شراح نے حدیث کو اپنے ظاہر پر محمول کرتے ہوئے کئی توجیہات کی ہیں۔ مثلاً: (۱) آپ ﷺ نے یہ بات عمومی احوال کے اعتبار سے بتائی، کوئی قاعدہ کلیہ بیان کرنا مقصود نہیں ہے اور لفظ ''سبعة'' سے تحدید مراد نہیں ہے؛ بلکہ تکثیر مراد ہے، یعنی مؤمن کم کھانے پر اکتفا کرتا ہے اور کافر کا حال برعکس ہوتا ہے۔

(۲) یہ حدیث ایک خاص شخص کے بارے میں وارد ہوئی ہے، اور ''الکافر'' میں ''ال'' عہدی ہے نہ کہ جنسی، اور جس شخص کے بارے میں وارد ہوئی ہے اس کا ذکر اگلی حدیث میں ہے۔

(۳) مؤمن کھاتے وقت بسم اللہ پڑھتا ہے، جس کی برکت سے شیطان اس کے کھانے میں شریک نہیں ہوسکتا، اور اس کے کھانے میں برکت ہوتی ہے اور کم میں سیرابی ہو جاتی ہے؛ برخلاف کافر کے، کہ وہ بسم اللہ سے محروم ہوتا ہے، شیطان شریک ہوتا ہے اور قلیل اس کے لیے ناکافی ہوتا ہے۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھیے۔ (اوجز ص: ۲۴۳)

(۲) مَالِكٌ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أبي صالح عَنْ أبي هريرةَ أنَّ رسولَ اللّهِ ﷺ ضَافَه ضَيْفٌ كافرٌ فأَمَرَ له رسولُ اللّهِ ﷺ بشَاةٍ فَحُلِبَتْ فَشَرِبَ حِلابَهَا ثُمَّ أُخرَى فَشَرِبَه ثُمَّ أُخرى فَشَرِبَهُ حتىٰ شَرِبَ حِلابَ سَبْعِ شِيَاهٍ ثُمَّ إنّه أَصْبَحَ فَأَسْلَمَ فَأَمَرَ له رسولُ اللّهِ ﷺ بِشَاةٍ فَحُلِبَتْ ثُمَّ

أَمَرَ بِأُخْرَى فَلَمْ يَسْتَتِمَّهَا فَقَالَ رَسولُ اللّٰهِ ﷺ: الْمُؤْمِنُ يَشْرَبُ فِي مِعَاءٍ وَاحِدٍ وَالْكَافِرُ يَشْرَبُ فِي سَبْعَةِ أَمْعَاءٍ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک غیر مسلم رسول اللہ ﷺ کے پاس مہمان ہوا، رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے ایک بکری (دوہنے) کا حکم دیا؛ چنانچہ وہ دوہی گئی تو وہ اس کا دودھ پی گیا؛ پھر دوسری (دوہنے کا) حکم دیا تو اس کو بھی پی گیا؛ پھر ایک اور دوہی گئی اس کا دودھ بھی پی گیا؛ یہاں تک کہ وہ سات بکریوں کا دودھ پی گیا؛ پھر صبح ہوئی تو وہ مسلمان ہو گیا تو (اب) رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے ایک بکری (دوہنے) کا حکم دیا؛ چنانچہ وہ دوہی گئی (تو اس کا دودھ پی گیا) پھر دوسری کا حکم دیا تو وہ اس کو پورا نہ پی سکا، آپ ﷺ نے فرمایا: مؤمن ایک آنت میں پیتا ہے اور کافر سات آنتوں میں پیتا ہے۔

لغات: حلبت: (ن)(ض): دوہنا۔ استتم الشيء: پورا کرنا، اي: لم يقدر علی أن يشرب حلاب الشاة الثانية علی التمام.

شرح حدیث: تفصیل ماقبل میں گزر چکی ہے؛ البتہ ایک بات ذہن میں رہے کہ حدیث میں جملہ خبریہ ہے یعنی ایک بات کی اطلاع دی گئی ہے اور ہر خبر انشاء کو متضمن ہوتی ہے، یہاں انشاء مقصود ہے کہ مؤمن کے شایانِ شان یہ بات ہے کہ وہ بہ قدر ضرورت کھانے پر اکتفا کرے، زیادہ کھانا اس کے لیے مناسب نہیں ہے۔

(تلخیص از تحفۃ الألمعی، ص: ۱۶۴، ج: ۵)

النهي عن الشراب في آنية الفضة والنفخ في الشراب

چاندی کے برتنوں میں پینے، اور پی جانے والی اشیاء میں پھونک مارنے کی ممانعت کا بیان

اس باب میں دو مسئلے ہیں: پہلا سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال، دوسرا پی جانے والی اشیاء پر پھونک مارنا۔

پہلا مسئلہ: تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ خالص سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا، مرد وعورت سب کے لیے حرام ہے؛ اسی طرح اگر سونا چاندی کی عطر دانی یا پان دانی ہو تو وہ بھی ہر مکلّف کے لیے خواہ وہ مرد ہو یا عورت حرام ہے عورتوں کے لیے صرف سونے چاندی کے زیورات جائز ہیں؛ کیونکہ عورتیں زینت کی محتاج ہیں، سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا تزین نہیں ہے؛ بلکہ ایک طرح کا تکلف اور بے جا نمائش ہے۔

دوسرا مسئلہ: شئی مشروب میں (پی جانے والی چیز خواہ پانی ہو یا دودھ وغیرہ) پھونک مارنا مکروہ ہے، یہ پھونک مارنا دو وجہ سے ہو سکتا ہے، تنکا وغیرہ کی وجہ سے یا گرم ہونے کی وجہ سے، اگر تنکا وغیرہ ہو تو انگلی سے یا کسی اور چیز سے نکال لیا جائے یا تھوڑا پانی بہا دیا جائے؛ تاکہ اس کے ساتھ تنکا بہہ جائے اور اگر مشروب گرم ہو تو تھوڑی دیر انتظار کیا جائے بہرحال پھونک نہ مارے؛ کیونکہ کبھی پھونک مارنے کی وجہ سے تھوک اس کے ساتھ چلا جاتا ہے تو دوسرے اس سے کراہت محسوس کریں گے اور کبھی منہ صاف نہ کرنے کی وجہ سے منہ میں بدبو ہو جاتی ہے اور پھونکنے کی صورت میں یہ بدبو مشروب

میں شامل ہو جاتی ہے؛ اس لیے پھونک مارنے سے احتراز کرنا چاہیے۔(مرقات، ص:۱۷۳، ج:۸)

(۱) عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّ رسولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اَلَّذِيْ يَشْرَبُ فِيْ آنِيَةِ الْفِضَّةِ فَإِنَّمَا يُجَرْجِرُ فِيْ بَطْنِه نَارَ جَهَنَّمَ.

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص چاندی کے برتن میں پیتا ہے وہ بلا شبہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ کا گھونٹ انڈیلتا ہے۔

لغت: آنية: واحد: إناء: برتن۔ یجرجر: (معروف ومجہول بہ وزن بعثر) گڑگڑ کرنا، غٹ غٹ پینا۔

شرح حدیث: اس طرح وعید کی احادیث اور اس کی توجیہ ماقبل میں گزر چکی ہے۔

(۲) مَالِكٌ عَنْ أَيُّوْبَ بْنِ حَبِيْبٍ مَوْلَى سَعْدِ بْنِ أَبِيْ وَقَّاصٍ عَنْ أَبِي الْمُثَنّٰى الْجُهَنِيِّ أَنَّه قَالَ كُنْتُ عِنْدَ مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ فَدَخَلَ عَلَيْه أَبُوْسَعِيْدِ الْخُدْرِيُّ فَقَالَ لَه مَرْوَانُ بْنُ الْحَكَمِ: أَسَمِعْتَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّه نَهٰى عَنِ النَّفْخِ فِي الشَّرَابِ فَقَالَ لَه أَبُوْسَعِيْدٍ: نَعَمْ! فَقَالَ لَه رَجُلٌ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنِّيْ لَا أَرْوٰى مِنْ نَفَسٍ وَاحِدٍ فَقَالَ لَه رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَأَبِنِ الْقَدَحَ عَنْ فِيْكَ ثُمَّ تَنَفَّسْ قَالَ: فَإِنِّيْ أَرَى الْقَذَاةَ فِيْه قَالَ: فَأَهْرِقْهَا.

ترجمہ: ابو المثنی جہنی سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ میں مروان بن حکم کے پاس تھا، اتنے میں حضرت ابوسعید خدری وہاں تشریف لائے تو مروان بن حکم نے ان سے کہا: کہ کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے مشروب میں پھونک مارنے سے منع فرمایا ہے، ان سے ابوسعید خدریؓ نے کہا: ہاں! آپ ﷺ سے ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! میں ایک سانس میں سیر نہیں ہوتا، تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: اپنے منہ سے پیالہ ہٹالے، پھر سانس لے، اس نے کہا میں اس میں کوئی تنکا دیکھتا

ہوں، آپ نے فرمایا: اسے بہادے۔

لغات : أروی : (س) سیراب ہونا، القذاۃ : قاف کافتحہ: تنکا، خس خاشاک، أبِنْ: فعل امر ہے، از ابانۃ : جدا کرنا۔

شرح حدیث : نبی اکرم ﷺ نے مشروب میں پھونک مارنے سے منع کیا تو اس شخص نے اس ممانعت سے یہ سمجھا ہوگا کہ پانی پیتے وقت درمیان میں سانس نہ لیا جائے؛ بلکہ ایک ہی سانس میں پیا جائے تو عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں ایک سانس میں سیراب نہیں ہوتا ہوں تو آپ نے اسے پینے کا طریقہ بتایا کہ برتن سے منہ ہٹا کر سانس لو اور تین سانس میں پیو، جیسا کہ دوسری حدیث میں ہے۔

ماجاء في شرب الرجل وهو قائم

آدمی کا کھڑے ہوکر (پانی) پینے کا بیان

اسلامی آداب میں سے یہ ہے کہ اطمینان سے بیٹھ کر کھایا پیا جائے، کھڑے کھڑے کھانا پینا سلیقہ مندی کی بات نہیں ہے؛ آج کل کھڑے کھڑے کھانے کا فیشن اور رواج چل پڑا ہے، اسلامی تہذیب سے اس کا کوئی تعلق نہیں، مسلمانوں کو اس سے احتراز کرنا چاہئے۔

اس باب کی روایات میں اختلاف ہے، دونوں قسم کی روایات وارد ہوئی ہیں، منع کی بھی اور جواز کی بھی، امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں صرف شرب قائم کا باب باندھ کر حدیث جواز کا ذکر کیا ہے، ابن بطال کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری کے نزدیک احادیث منع ثابت نہیں ہیں، قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاری اور امام مالک نے احادیث نہی کی تخریج نہیں کی (جیسا کہ آپ کے سامنے ہے کہ امام مالک نے چار حدیثیں ذکر کی ہیں جو شرب قائم کے جواز پر دلالت کرتی ہیں) البتہ امام مسلمؒ نے اس کی تخریج کی ہے؛ چنانچہ مسلم کی روایت میں ہے "عن أبي هريرة لا يشربن أحدكم قائما فمن نسي فليستقئ" اور امام ترمذیؒ نے دونوں قسم کی روایات کی تخریج کی ہے، علماء کی اس سلسلے میں

آراء مختلف ہیں:

اول ترجیح: یعنی جواز کی روایتیں ممانعت کی روایات سے مضبوط ہیں۔

دوسری رائے: ممانعت کی روایات منسوخ ہیں، جواز کی روایتوں سے، خلفاء راشدین اور صحابۂ کرام کے عمل کے قرینے سے۔

تیسری رائے: دونوں قسم کی حدیثوں کو جمع کیا جائے اور یہی جمہور کی رائے ہے، انہوں نے ممانعت کی روایات کو کراہت تنزیہی پر محمول کیا ہے یعنی کھڑے ہو کر کھانا پینا خلاف اولی ہے اور جواز کی روایات کو حکم شرعی بیان کرنے کے لیے یعنی کھڑے ہو کر کھانا پینا جائز ہے۔ (تلخیص از اوجز،ص:۲۴۹،ج:۶)

تکملۂ فتح الملہم ،ص:۱۴۰،ج:۱۰ میں حضرت مفتی تقی عثمانی مدظلہ العالی فرماتے ہیں: میرے نزدیک کھڑے کھڑے کھانا پینا وہاں مکروہ ہے جہاں بیٹھنے کی جگہ میسر ہو اور اگر بیٹھنے کی جگہ میسر نہ ہو یا بیٹھنے میں بہت زیادہ تکلف برتنا پڑے تو وہاں گنجائش ہے۔

(۱) مَالِکٌ أَنَّه بَلَغَه أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ وَعَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ وَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ كَانُوا يَشْرَبُوْنَ قِيَاماً .

ترجمہ: حضرت امام مالک کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عمر بن خطابؓ، علی بن ابی طالب اور عثمان بن عفان (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کھڑے کھڑے پانی پیتے تھے۔

(۲) مَالِکٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ عَائِشَةَ أُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ كَانَا لَا يَرَيَانِ بِشُرْبِ الإِنْسَانِ وَ هُوَ قَائِمٌ بَأْسًا.

ترجمہ: ابن شہاب (زہری) سے روایت ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ اور سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہما) انسان کے کھڑے ہو کر پانی پینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

(۳) مَالِکٌ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ الْقَارِيِّ أَنَّه قَالَ رَأَيْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ يَشْرَبُ قَائِمًا .

ترجمہ: ابوجعفر قاری سے روایت ہے، انہوں نے کہا: میں نے عبداللہ بن عمر کو کھڑے ہو کر (پانی وغیرہ) پیتے دیکھا۔

(۴) مَالِكٌ عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زُبَيْرٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّه كَانَ يَشْرَبُ قَائِمًا.

ترجمہ: عامر بن عبداللہ بن زبیر اپنے والد عبداللہ بن زبیر سے روایت کرتے ہیں کہ وہ (ان کے والد عبداللہ بن زبیر) کھڑے کھڑے پانی پیتے تھے۔

السنة في الشراب وتناوله عن اليمين

مشروبات میں سنت اور اس کو دائیں طرف والوں کو دینے کا بیان

(۱) مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ أُتِيَ بِلَبَنٍ قَدْ شِيْبَ بِمَاءٍ وَعَنْ يَمِيْنِه أَعْرَابِيٌّ وَعَنْ يَسَارِه أَبُوْبَكْرٍ الصِّدِّيْقُ فَشَرِبَ ثُمَّ أَعْطَى الْأَعْرَابِيَّ وَقَالَ: الْأَيْمَنُ فَالْأَيْمَنُ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پانی ملایا ہوا دودھ پیش کیا گیا، آپ کی دائیں جانب ایک بدو اور بائیں جانب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے آپ نے (کچھ) پیا پھر (بچا ہوا) بدو کو دے دیا اور فرمایا دائیں پھر جو دائیں والے سے قریب ہو (وہ حقدار ہے)۔

شرح حدیث: یہ ضابطہ ”الأیمن فالأیمن“ جھگڑا اور منازعت ختم کرنے کے لیے ہے، خواہ وہ کوئی بھی ہو؛ کیونکہ اگر افضل کی تقدیم کا ضابطہ بنایا جائے تو کبھی لوگوں کے درمیان فضیلت مسلم نہ ہوگی، اور دائیں والوں کو دینے سے حقیقت میں فضیلت والوں کی فضیلت میں کمی نہ ہوگی؛ چنانچہ مسلم شریف میں یہی حدیث تفصیلاً مروی ہے، زمانۂ جاہلیت میں بھی دائیں والوں کو دینے کا رواج تھا، یہی سمجھ کر حضرت عمر نے کہا: یا رسول اللہ! بچا ہوا حضرت ابو بکر کو دیجیے، آپ نے فرمایا: وہی طریقہ صحیح ہے اور آپ نے فضیلت والوں پر دائیں والے کو ترجیح دی۔ (تکملہ، ص:۱۹، ج:۱۰)

قد شيب بماء: دودھ کو ٹھنڈا کرنے کے ارادے سے پانی ملایا گیا تھا اور بیچنے کی غرض سے پانی ملانا دھوکا دینا ہے۔

الأيمن فالأيمن : رفع اور نصب دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے، رفع کی صورت میں الأيمن أحق اور نصب کی صورت میں أعط الأيمن کی تاویل میں ہوگا، ایک دوسری روایت میں الأيمنون الأيمنون ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرفوع پڑھنا راجح ہے۔

مستحب طريقه : جمہور ائمہ کے نزدیک دائیں والے کو دینا مستحب ہے اور ابن حزم ظاہری کے نزدیک واجب ہے؛ البتہ دائیں والے کی اجازت سے بائیں والے کو یا اس کے علاوہ دوسروں کو دیا جا سکتا ہے؛ چنانچہ دوسری روایت میں اسی کا ذکر ہے۔

(۲) مَالِكٌ عَنْ أَبِي حَازِمِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ سَعْدٍ الْأَنْصَارِي أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ أُتِيَ بِشَرَابٍ فَشَرِبَ مِنْهُ وَعَنْ يَمِينِهِ غُلَامٌ وَعَنْ يَسَارِهِ الْأَشْيَاخُ فَقَالَ لِلْغُلَامِ أَتَأْذَنُ لِي أَنْ أُعْطِيَ هؤُلَاءِ فَقَالَ لَا: وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! لَا أُوْثِرُ بِنَصِيبِي مِنْكَ أَحَداً، قَالَ: فَتَلَّهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِي يَدِهِ.

ترجمه: سہیل بن سعد انصاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مشروب پیش کیا گیا، آپ نے اس سے (کچھ) نوش فرمایا اور آپ کے دائیں جانب ایک بچہ (ابن عباس یا فضل بن عباس) تھا، اور بائیں جانب عمر دراز لوگ تھے، آپ نے بچے سے فرمایا: کیا تم مجھے اجازت دیتے ہو کہ میں ان حضرات کو دے دوں؟ اس نے کہا: بخدا نہیں، اے اللہ کے رسول! میں آپ کی طرف سے اپنے حصے میں کسی کو ترجیح نہیں دوں گا (یعنی آپ کے پس خوردہ میں سے جو حصہ مجھے ملا ہے، اس میں کسی کو ترجیح نہیں دوں گا) سہیل نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے وہ برتن اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

لغات: آثر إيثارا: ترجیح دینا، پسند کرنا، تل: (ن) في يده: ہاتھ میں دینا۔

شرح حديث: آپ نے بچے سے اجازت چاہی کہ دوسروں کو دے دوں؛ چونکہ طریقہ وہی ہے "الأيمن فالأيمن"، جیسا کہ ماقبل میں گزرا۔

جَامِعُ مَاجَاءَ فِي الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ

کھانے پینے کی مختلف روایات

(۱) مَالِکٌ عَنْ اِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ طَلْحَةَ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِکٍ يَقُوْلُ قَالَ: أَبُوْطَلْحَةَ لِأُمِّ سُلَيْمٍ لَقَدْ سَمِعْتُ صَوْتَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ضَعِيْفًا، أَعْرِفُ فِيْهِ الْجُوْعَ فَهَلْ عِنْدَکِ مِنْ شَيْءٍ فَقَالَتْ: نَعَمْ! فَأَخْرَجَتْ أَقْرَاصًا مِنْ شَعِيْرٍ، ثُمَّ أَخَذَتْ خِمَارًا لَهَا، فَلَفَّتِ الْخُبْزَ بِبَعْضِهِ، ثُمَّ دَسَّتْهُ تَحْتَ يَدِيْ وَرَدَّتْنِيْ بِبَعْضِهِ ثُمَّ أَرْسَلَتْنِيْ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ فَذَهَبْتُ بِهِ فَوَجَدْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ جَالِسًا فِي الْمَسْجِدِ وَمَعَهُ النَّاسُ فَقُمْتُ عَلَيْهِمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَأَرْسَلَکَ أَبُوْطَلْحَةَ فَقُلْتُ: نَعَمْ! فَقَالَ بِطَعَامٍ فَقُلْتُ: نَعَمْ! فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِمَنْ مَعَهُ: قُوْمُوْا، قَالَ فَانْطَلَقَ وَانْطَلَقْتُ بَيْنَ أَيْدِيْهِمْ حَتّٰى جِئْتُ أَبَا طَلْحَةَ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ أَبُوْطَلْحَةَ: يَا أُمَّ سُلَيْمٍ! قَدْ جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِالنَّاسِ وَلَيْسَ عِنْدَنَا مِنَ الطَّعَامِ، مَانُطْعِمُهُمْ، فَقَالَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ فَانْطَلَقَ أَبُوْطَلْحَةَ حَتّٰى لَقِيَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَأَقْبَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَأَبُوْطَلْحَةَ مَعَهُ حَتّٰى دَخَلَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ هَلُمِّيْ يَا أُمَّ سُلَيْمٍ مَاعِنْدَکِ؟ فَأَتَتْ بِذٰلِکَ الْخُبْزِ فَأَمَرَ بِهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَفُتَّ وَعَصَرَتْ عَلَيْهِ أُمُّ سُلَيْمٍ عُکَّةً لَهَا فَآدَمَتْهُ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْهِ

مَاشَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَقُوْلَ ثُمَّ قَالَ إِئْذَنْ لِعَشَرَةٍ فَأَذِنَ لَهُمْ فَأَكَلُوا حَتَّى شَبِعُوْا ثُمَّ خَرَجُوْا ثُمَّ قَالَ إِئْذَنْ لِعَشَرَةٍ فَأَذِنَ لَهُمْ فَأَكَلُوْا حَتَّى شَبِعُوْا ثُمَّ خَرَجُوْا ثُمَّ قَالَ إِئْذَنْ لِعَشَرَةٍ فَأَذِنَ لَهُمْ فَأَكَلُوْا حَتَّى شَبِعُوْا ثُمَّ خَرَجُوْا ثُمَّ قَالَ إِئْذَنْ لِعَشَرَةٍ فَأَذِنَ لَهُمْ فَأَكَلُوْا حَتَّى شَبِعُوْا ثُمَّ خَرَجُوْا ثُمَّ قَالَ إِئْذَنْ لِعَشَرَةٍ حَتَّى أَكَلَ الْقَوْمُ كُلُّهُمْ وَشَبِعُوْا وَالْقَوْمُ سَبْعُوْنَ رَجُلاً أَوْ ثَمَانُوْنَ رَجُلاً.

ترجمہ: عبداللہ بن ابی طلحہ انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے کہتے ہوئے سنا کہ حضرت ابوطلحہ نے ام سلیم سے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کی آواز کو کمزور پایا، میں نے ان میں بھوک محسوس کی، کیا تمہارے پاس کچھ ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! ہے، پھر انہوں نے جو کی کچھ روٹیاں نکالیں اور اپنی ایک اوڑھنی لی اور اس کے ایک حصہ میں روٹیاں لپیٹ دیں، پھر اس کو میری بغل میں دبا دیا اور اس کا باقی حصہ (بہ طور چادر) میرے اوپر اوڑھا دیا اور مجھ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا (حضرت انس کہتے ہیں) میں اس کو لے کر گیا تو آپ ﷺ کو مسجد میں بیٹھا پایا، ان کے ساتھ کچھ اور لوگ تھے، میں ان کے سامنے کھڑا ہو گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تجھے ابوطلحہ نے بھیجا ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: کھانا لے کر؟ میں نے کہا: ہاں! آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا چلئے (انس) کہتے ہیں آپ چلے، اور میں ان کے آگے آگے چلا یہاں تک کہ میں ابوطلحہ کے پاس آیا اور (صورت حال) کی ان کو خبر دی تو ابوطلحہ نے فرمایا: ام سلیم! رسول اللہ ﷺ لوگوں کے ساتھ تشریف لائے ہیں، اور ہمارے پاس اتنا کھانا نہیں ہے کہ ان کو کھلائیں، ام سلیم نے کہا: اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں تو حضرت ابوطلحہ چلے، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی پھر رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھ ابوطلحہ آگے بڑھے؛ یہاں تک کہ وہ دونوں داخل ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: اے ام سلیم! تمہارے پاس جو کچھ ہے لاؤ! تو وہ وہی روٹیاں لے کر آئیں آپ ﷺ نے اس کا حکم دیا تو اس کے ٹکڑے ٹکڑے کیے گئے، ام سلیم نے اس پر اپنی ایک کپی گھی نچوڑ دی تو وہ روٹی سالن دار ہو گئی پھر اس پر کچھ پڑھا جو کچھ اللہ نے چاہا؛ پھر فرمایا دس کو اندر

آنے کی اجازت دے دو، ابوطلحہ نے ان کو اجازت دی، انہوں نے سیر ہو کر کھایا پھر باہر نکل گئے؛ پھر فرمایا: دس کو اجازت دے دو، ابوطلحہ نے اجازت دی تو انہوں نے سیر ہو کر کھایا پھر باہر نکل گئے (اسی طرح اجازت دیتے رہے لوگ سیر ہو کر نکلتے گئے) لوگ ستر یا اسی تھے، سبھوں نے سیر ہو کر کھایا۔

لغات: أقراص: واحد: قرص: روٹی کی ٹکیہ، دسته: (ن) اي: أدخلته بقوة وقهر: داخل کرنا، چھپانا، تحت يدي: اي: إبطي: مراد بغل، ردتني: دال مشدد مخفف، دال کی تشدید راجح ہے، رداء بمعنی: چادر اور تردی: چادر اوڑھانا. عكة: عین کا ضمہ: چمڑے کا ایک گول برتن جس میں گھی یا شہد رکھا جاتا ہے، گھی کا ڈبہ، جمع: عكك و عكاك، فت: فاء کا ضمہ اور تاء مشدد (ن) انگلیوں سے ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔

شرح حديث: مسلم شریف کی روایت میں ہے ستر یا اسی آدمیوں کے کھانے کے بعد گھر والوں نے کھایا اور کچھ بچ گیا جس کو ہم نے اپنے پڑوسیوں کو دیا آپ ﷺ سے اس طرح کے معجزات متعدد بار صادر ہوئے ہیں۔

ائذن لعشرة: مکان کی تنگی کی وجہ سے دس دس بلائے گئے؛ چونکہ جس طشت پر روٹی کا ٹکڑا رکھا گیا تھا اس کے ارد گرد دس کے بیٹھنے کی گنجائش تھی؛ اگر ایک ساتھ سب کو بلا لیتے تو طشت کے ارد گرد بیٹھنا دشوار ہوتا۔ (تکملہ ج:۲۶، ص:۱۰؛ اوجز ج:۲۵۷)

(۲) مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: طَعَامُ الْاِثْنَيْنِ كَافِي الثَّلَاثَةِ وَطَعَامُ الثَّلَاثَةِ كَافِي الْأَرْبَعَةِ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دو آدمیوں کا کھانا تین کے لیے کافی ہے اور تین کا کھانا چار کے لیے کافی ہے۔

شرح حديث: مکارم اخلاق میں سے ایک ایثار کی صفت ہے یعنی دوسرے کے نفع کو اپنے نفع پر مقدم رکھنا اور ایثار کا اعلیٰ درجہ وہ ہے جس کو قرآن نے ذکر کیا "يؤثرون على أنفسهم ولو كان بهم خصاصة" یعنی وہ دوسروں کو اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ ان کو فاقہ ہی ہو اور اس کا ادنیٰ درجہ وہ ہے جو حدیث مذکور میں ہے کہ دوسروں کو کھانے

میں شریک کرنا؛لہذا حدیث کا مطلب یہ ہوا جس کھانے کو دو آدمی سیر ہو کر کھا سکتے ہیں وہ تین آدمیوں کے لیے بہ طور قناعت کافی ہو جاتا ہے کہ وہ تینوں کی بھوک ختم کر دیتا ہے اوران کا کام چل جاتا ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ کھانے کی جو مقدار دو آدمیوں کو سیر کر دیتی ہے وہ تین آدمیوں کو بھی سیر کر دے گا، حدیث کی غرض مکارم اخلاق کی ترغیب ہے۔(اوجز،ص:۲۵۹)

(۳)مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ الْمَكِّيِّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ السَّلَمِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: أَغْلِقُوا الْبَابَ وَ أَوْكُوا السِّقَاءَ وَ أَكْفُوا الْإِنَاءَ أَوْ خَمِّرُوا الْإِنَاءَ وَأَطْفِئُوا الْمِصْبَاحَ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَفْتَحُ غَلَقًا وَلَا يَحُلُّ وِكَاءً وَلَا يَكْشِفُ إِنَاءً وَإِنَّ الْفُوَيْسِقَةَ تُضْرِمُ عَلَى النَّاسِ بُيُوتَهُمْ .

ترجمه: حضرت جابر بن عبداللہ سلمی (انصاری) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دروازہ بند کر دیا کرو، اور مشک کا منہ باندھ دیا کرو اور برتن الٹ دیا کرو، یا کہا برتن ڈھانپ دیا کرو، اور چراغ بجھا دیا کرو، اس لیے کہ شیطان بند دروازہ کو نہیں کھولتا، اور ڈاٹ کو نہیں نکالتا اور برتن کو نہیں کھولتا، چونکہ فویسقہ (چوہیا) لوگوں کے گھروں کو جلا دیتی ہے۔

لغات: أغلقوا: أغلق إغلاقا: دروازہ بند کرنا، اوکوا: ہمزہ کا فتحہ، واو پر سکون اور قاف کا ضمہ، أوکی إیکاءً: القربة: مشک کو بندھن سے باندھنا، السقاء؛ مشک، ج: اسقية و أسقيات، أكفوا: (ہندی نسخوں میں مجرد سے ہے اور مصری نسخوں میں "اکفئوا" فاء کے بعد ہمزہ ہے، دونوں صحیح ہیں بمعنی اقلبوہ: الٹ دینا، أطفئوہ إطفاء النار: آگ کا بجھانا، وکاءً: مشک وغیرہ کا بندھن، جمع: أوکیة، فویسقة: فاسقة کی تصغیر: چوہیا، تضرم: تاء کا ضمہ اور راء کا کسرہ: آگ روشن کرنا۔

شرح حدیث: أغلقوا الباب: ایک دوسری حدیث میں ہے جب تم رات میں سونے کا ارادہ کرو تو بسم اللہ پڑھ کر دروازہ بند کر لیا کرو، شیطان اس دروازے کو کھول نہیں سکتا جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو، معلوم ہوا یہ حکم رات کا ہے اور اس میں دینی دنیوی جان و مال کی حفاظت ہے خاص طور پر شیطان سے، اللہ کا نام لے کر دروازہ بند کرنے سے وہ اس گھر سے دور ہو جاتا ہے اور وہ گھر والے شیطان کے تصرف سے محفوظ ہو جاتے ہیں؛ نیز مال وغیرہ کی

حفاظت کے لیے ہمہ وقت دروازہ بند رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (اوجز، ص:۴۵۹)

أو کوا السقاء الخ: بسم اللہ پڑھ کر مشک کا منہ باندھ کر، اسی طرح برتن ڈھانپ کر رکھنا چاہیے تاکہ کیڑے مکوڑوں سے اور شیطان کے ہر قسم کے تصرفات سے حفاظت ہو جائے؛ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ سال میں ایک دن ایسا آتا ہے کہ بلائیں اس میں نازل ہوتی ہیں اور ہر اس برتن میں داخل ہو جاتی ہیں جو بند یا ڈھکا ہوا نہ ہو؛ لہذا برتن کو ڈھانک کر رکھنا چاہیے۔

وأطفئوا السراج: آپ ﷺ نے فرمایا جب تم رات میں سونے کا ارادہ کرو تو چراغ بجھا دیا کرو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ چوہیا، فتیلہ کھینچ کر کسی جگہ رکھ دیتی ہے جس سے سارا گھر جل جاتا ہے، یہ حکم رات کو اسی لیے دیا کہ وہ غفلت کا وقت ہوتا ہے، اب اگر ایسے اسباب پیدا ہو جائیں کہ یہ علت نہ پائی جائے تو کیا حکم ہوگا؟ جیسا کہ ایک وقت فانوس جلاتے تھے جو شیشے سے بند ہوتا تھا اسی طرح آج کل بلب وغیرہ ہیں: اگر غفلت کی وجہ سے دوسرے اسباب کی بنا پر نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو تو علت پائی جانے کی وجہ سے حکم باقی رہے گا ؛ ورنہ تو نہیں۔ (مرقات، ص:۱۸۵، ج:۸/ اوجز، ص:۲۶۱)

(۴) مَالِكٌ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي شُرَيْحِ الْكَعْبِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْلِيَصْمُتْ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ جَارَهُ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ، جَائِزَتُهُ يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ وَالضِّيَافَةُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ فَمَا كَانَ بَعْدَ ذَالِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ وَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَثْوِيَ عِنْدَهُ حَتَّى يُحْرِجَهُ.

ترجمہ: حضرت ابو شریح کعبی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اس کو چاہیے کہ بھلی بات کہے یا خاموش رہے اور جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ اپنے ہمسایہ کی عزت کرے، اور جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ اپنے مہمان کا

اکرام کرے (اور اکرام) اس کا انعام ایک دن ایک رات ہے اور مہمانی تین دن ہے، اس کے بعد جو کچھ ہے وہ صدقہ ہے اور مہمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ میزبان کے پاس پڑا رہے حتی کہ اس کو حرج میں ڈال دے۔

لغات: ثوی یثوي: (ض) اقامت کرنا، جائزته: اس میں دو قرات ہیں رفع، نصب، رفع کی صورت میں مبتدا اور یوم ولیلة خبر ہے، دوسری صورت میں ضیف سے بدل ہے۔

شــرح حدیث: حدیث میں مذکور صفات بھی مکارم اخلاق میں سے ہے، ان کے انتفاء سے ایمان منتفی ہو جائے گا جیسا کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے؛ چنانچہ یہ محتاج تاویل ہے اور یوں کہا جائے گا کہ یہ بہ طور مبالغہ ہے اور یہ ترغیب دینا مقصود ہے کہ ایک مؤمن کامل کو ان صفات کا حامل ہونا چاہیے، ان صفات میں سے ایک صفت یہ ہے۔

فلیقل خیرا أو لیصمت: انسان کے منہ سے جو بات نکلتی ہے وہ محفوظ کرلی جاتی ہے، یا تو خیر یا موجب خیر ہوگی، یا تو شر یا موجب شر ہوگی، جو بھی ہو اس کا ثواب اور وبال اسی کی طرف لوٹے گا؛ لہذا جب بھی کوئی بات کرے تو خیر کی کرے تاکہ دنیا و آخرت میں اس کو اس کا فائدہ ملے، یا خاموش رہے تاکہ دونوں جہاں میں اس کے وبال سے محفوظ رہے۔

فلیکرم جاره: دوسری صفت پڑوسی کے ساتھ اچھے تعلقات رکھنا ہے، خواہ وہ مؤمن ہو یا کافر، عابد ہو یا فاسق، خویش و اقارب ہو یا اجنبی، ہر شخص سے اس کے مرتبہ کے مطابق اس کی تعظیم کرنا، احادیث میں اس کی بڑی تاکید ہے، آج مسلم معاشرہ اس میں کوتاہی کی وجہ سے طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا ہے ہمارے پڑوسی کے ساتھ اچھے تعلقات نہ ہونے کی وجہ سے زندگی اجیرن بنی ہوئی ہے، حدیث میں ہے کہ پڑوسی تین طرح کے ہیں: ایک وہ پڑوسی جس کے تین حقوق ہیں، ایک پڑوس کا حق، دوسرا رشتہ داری کا حق، تیسرا مسلمان ہونے کا حق، دوسرا وہ پڑوسی جس کے دو حق ہیں، ایک پڑوسی کا حق اور مسلمان ہونے کا حق، تیسرا وہ پڑوسی جس کا صرف ایک حق ہے، یعنی پڑوسی ہونے کا حق؛ کیونکہ وہ نہ تو رشتہ دار ہے اور نہ ہی مسلمان۔

فائدہ: حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک پڑوسی وہ ہے جس کا گھر ساتھ لگا ہوا اور

صاحبین کے نزدیک محلہ کی مسجد کے تمام نمازی پڑوسی ہیں اور امام شافعی کے نزدیک ہر جانب سے چالیس گھروں تک پڑوس ہے۔

جاره من لصق به وقالا: من يسكن في محلته و يجمعهم مسجد المحلة وهو استحسان وقال الشافعي الجار إلى أربعين دارا من كل جانب. (در مختار باب الوصية للأقارب)

پڑوسی کے حقوق: یوں تو پڑوسی کے بہت سے حقوق ہیں، ذیل میں کچھ حقوق کا اجمالی ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) اگر مدد مانگے تو مدد کرنا (۲) اگر وہ قرض مانگے تو حسب استطاعت اس کو قرض حسنہ دینا (۳) اس کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچے جانی یا مالی تو صبر کرنا (۴) اس کے اہل و عیال اور مال کی حفاظت کرنا (۵) ان کی خوشی کے موقع پر خوشی کا اظہار کرنا (۶) ان کی مصیبت پر تعزیت اور ہمدردی کرنا، (۷) گھر میں کوئی مرغوب چیز پکائی جائے تو اس میں سے کچھ پڑوسی کو دینا (۸) ان کو ذہنی و جسمانی ہر قسم کی ایذاء رسانی سے بچنا (۹) اگر وہ فاسق ہو تو نرمی سے نصیحت کرنا (۱۰) پڑوسی کی اجازت کے بغیر اس کے گھر کے آس پاس کوڑا کرکٹ نہ ڈالنا (۱۱) پڑوس میں کسی کا انتقال ہو گیا ہو تو جنازے میں شریک ہونا، (۱۲) بیمار ہو تو عیادت کرنا وغیرہ وغیرہ۔

فلیکرم ضیفه: تیسری صفت مہمان نوازی ہے، مہمان نوازی مکارم اخلاق اور محاسن شریعت میں سے ہے، انبیاء کی سنت ہے، معاشرے کی ایک بنیادی ضرورت ہے کہ آدمی ہمیشہ گھر پر نہیں رہتا، ادھر ادھر جاتا ہے اور توشہ ساتھ نہیں لے جاتا؛ لہذا اگر لوگ مہمان نوازی نہیں کریں گے تو وہ بھوکا مر جائے گا، شہروں میں انتظام ہوتا ہے لوگ پیسوں سے کھا لیں گے؛ مگر دیہاتوں میں انتظام کی کوئی شکل نہیں ہوتی۔

مہمان نوازی کا حکم: مہمان نوازی کرنا واجب ہے یا سنت، اس بارے میں فقہاء کے درمیان کچھ اختلاف واقع ہوا ہے، لیث ابن سعد کے نزدیک ضیافت واجب ہے امام مالک کے نزدیک اور امام احمد سے ایک روایت کے مطابق دیہات میں واجب اور

شہر میں سنت ہے، اور جمہور فقہاء کے نزدیک سنت ہے۔

قائلین وجوب کی دلیل: جن حضرات کے یہاں ضیافت واجب ہے ان کی دلیل ابوداؤد کی حدیث ہے، "**لیلة الضیف حق علی کل مسلم**" ایک شبانہ روز مہمان نوازی ہر مسلمان پر واجب ہے، دوسری دلیل حدیث باب ہے، اس میں امر کا صیغہ ہے، جو وجوب پر دلالت کرتا ہے، جمہور فقہاء نے ان احادیث کو مختلف طرح سے جمع کیا ہے(۱) ان احادیث میں امر کا صیغہ استحباب کے لیے ہے؛ چونکہ مہمان نوازی مکارم اخلاق میں سے ہے اور جو چیز اخلاقیات کے قبیل سے ہوتی ہے وہ سب استحباب پر دلالت کرتی ہیں (۲) وجوب پر دلالت کرنے والی احادیث منسوخ ہیں، ابتداء اسلام میں یہ حکم تھا بعد میں منسوخ ہو گیا، (۳) وجوب پر دلالت کرنے والی احادیث حالت اضطرار پر محمول ہے۔ (اوجز، ص:۲۶۳)

جائزته یوم و لیلة: اوپر حل لغات کے تحت دو ترکیبیں ذکر کی گئی ہیں: ایک بدل اور ایک مبتدا دونوں صورتوں میں مطلب الگ الگ ہوگا، مدت ضیافت تین دن ہے جائزہ اس میں داخل ہے یا نہیں؟ اگر داخل ہے تو بدل کی ترکیب ہوگی یعنی مدت ضیافت تین دن ہے اس میں ایک شبانہ روز کا اکرام اس کا انعام ہے یعنی ایک دن اس کے کھانے پینے کی چیزوں میں جو تکلف اور اہتمام ہو سکے وہ کیا جائے، پھر دوسرے اور تیسرے دن بلا تکلف جو ماحضر ہو اس کے سامنے پیش کر دیا جائے، اس کے بعد اس کو چلا جانا چاہیے ،پھر بھی نہ جائے تو خندہ پیشانی سے اسے کھلایا جائے؛ کیونکہ آدمی کچھ نہ کچھ صدقہ و خیرات کرتا ہی ہے، اس کو بھی ایک خیرات ہی سمجھے۔

اور مبتدا کی صورت میں یہ الگ حکم ہوگا اور یہی راجح ہے؛ کیونکہ یہی روایت مسلم شریف میں ہے اور وہاں واو عطف کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، اور عطف مغایرت کا تقاضہ کرتا ہے؛ لہذا مطلب یہ ہوگا کہ جب مہمان رخصت ہو تو اس کا انعام یہ ہے کہ ایک دن ایک رات کا کھانا دے کر رخصت کرے؛ تاکہ وہ بہ سہولت ایک دن ایک رات کا سفر طے کر سکے، جب حدیث میں دونوں طرح کے الفاظ و احتمال موجود ہیں تو اعلی درجہ کا اخلاق یہ ہے

کہ پہلے دن اہتمام بھی کرے اور رخصت کے وقت ایک شبانہ روز کا انعام بھی دے۔
ایک تیسری تفسیر یہاں یہ کی گئی ہے کہ مہمان کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو قصداً اس کی ملاقات کے لیے جائے اور دوسرا وہ جو ضمناً راستے میں کسی سے ملاقات کے لیے چلا جائے جبکہ جانا کسی اور جگہ مقصود ہو، مہمان کی اول قسم کے لیے حق ضیافت تین دن ہے اور دوسری قسم کا حق ضیافت صرف ایک دن ایک رات ہے۔ (اوجز، ص:۲۶۳/ حاشیہ: بذل)

(۵) مَالِكٌ عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِي بَكْرٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي بِطَرِيْقٍ إِذَا اشْتَدَّ عَلَيْهِ الْعَطَشُ فَوَجَدَ بِيْرًا فَنَزَلَ فِيْهَا فَشَرِبَ فَخَرَجَ فَإِذَا كَلْبٌ يَلْهَثُ يَأْكُلُ الثَّرَى مِنَ الْعَطَشِ فَقَالَ الرَّجُلُ لَقَدْ بَلَغَ هٰذَا الْكَلْبَ مِنَ الْعَطَشِ مِثْلُ الَّذِيْ بَلَغَ مِنِّيْ فَنَزَلَ الْبِيْرَ فَمَلَأَ خُفَّهُ ثُمَّ أَمْسَكَهُ بِفِيْهِ حَتّٰى رَقِيَ فَسَقَى الْكَلْبَ فَشَكَرَ اللّٰهُ لَهُ فَغَفَرَ لَهُ فَقَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَإِنَّ لَنَا فِي الْبَهَائِمِ لَأَجْرًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس دوران کہ ایک آدمی کسی راستے پر چل رہا تھا جب اسے سخت پیاس لگی تو اس نے ایک کنواں پایا تو اس میں اترا اور پانی پیا پھر نکلا تو اچانک ایک کتا (دیکھا) کہ وہ ہانپ رہا ہے، پیاس کی وجہ سے گیلی مٹی چاٹ رہا ہے تو اس آدمی نے کہا کہ اس کتے کا پیاس کی وجہ سے وہی حال ہے جو میرا حال تھا تو وہ کنویں میں اترا پھر اپنے موزے کو پانی سے بھر ا اور اپنے منہ میں دبا کر اوپر چڑھا پھر کتے کو پانی پلایا تو اللہ نے اس کو (اس کی نیکی کا) بدلہ دیا کہ اس کی مغفرت فرما دی، صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! کیا ہمارے لیے جانوروں کے ساتھ بھلائی کرنے میں اجر ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہر (زندہ) جگر والے میں اجر ہے۔

لغات: لهث يلهث (س) الكلب: کتے کا ہانپتے وقت زبان نکالنا، الثرى: ثاء کا فتحہ: نمناک مٹی، جمع: اثراء، كبد: کاف کا فتحہ باء کا کسرہ اور سکون، کاف کا کسرہ باء کا سکون: جگر، کلیجہ، جمع: أكباد و كبود.

شرح حدیث: اس حدیث کا اہم سبق یہ ہے کہ ہر مخلوق پر خواہ وہ انسان ہو یا جانور مسلمان ہو یا کافر، مہربانی اور شفقت سے پیش آنا چاہیے، یہ اعلی درجہ کا اخلاق ہے، جو اللہ تعالی کو نہایت پسند ہے، یہ عمل رائیگاں نہیں جائے گا، یہ حدیث عام ہے کسی جانور کی تخصیص نہیں ہے، بعض حضرات نے اس سے ان موذی جانوروں کا استثناء کیا ہے، جنہیں مارنے کا حکم ہے، علامہ نووی کا رجحان اسی طرف ہے، علامہ بدرالدین عینی اور ابن التین نے اس کی سخت تردید کی ہے، اور کہا ہے شفقت ومہربانی اور چیز ہے اور مارنے کا حکم اور چیز ہے، شفقت قتل کی اباحت کے خلاف نہیں ہے، ہمیں قتل کرنے میں بھی احسان کا حکم ہے۔

فشکر الله: یہ اپنے معنی حقیقی پر نہیں ہے؛ لہذا اس کے معنی ہوں گے (۱) اللہ نے اس کی تعریف کی (۲) اللہ نے اس کے اس فعل کا بدلہ دیا (۳) اللہ نے اس کے عمل کو قبول کیا۔

(٦) مَالِكٌ عَنْ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّهُ قَالَ: بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَعْثًا قِبَلَ السَّاحِلِ فَأُمِّرَ عَلَيْهِمْ أَبُوْ عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ وَهُمْ ثَلَاثُ مِئَةٍ قَالَ وَأَنَا فِيهِمْ قَالَ فَخَرَجْنَا حَتَّى إِذَا كُنَّا بِبَعْضِ الطَّرِيْقِ فَنِيَ الزَّادُ فَأَمَرَ أَبُوْ عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ بِأَزْوَادِ ذَالِكَ الْجَيْشِ فَجُمِعَ ذَالِكَ كُلُّهُ فَكَانَ مِزْوَدَيْ تَمْرٍ قَالَ: فَكَانَ يُقَوِّتُنَا فِي كُلِّ يَوْمٍ قَلِيْلًا قَلِيْلًا، حَتّٰى فَنِيَ وَلَمْ تُصِبْنَا إِلَّا تَمْرَةٌ تَمْرَةٌ فَقُلْتُ: وَمَا تُغْنِي تَمْرَةٌ قَالَ: لَقَدْ وَجَدْنَا فَقْدَهَا حَيْثُ فَنِيَتْ، ثُمَّ انْتَهَيْنَا إِلَى السَّاحِلِ فَإِذَا حُوْتٌ مِثْلُ الظَّرِبِ فَأَكَلَ مِنْهُ ذَالِكَ الْجَيْشُ ثَمَانِيَ عَشَرَةَ لَيْلَةً ثُمَّ أَمَرَ أَبُوْ عُبَيْدَةَ بِضِلْعَيْنِ مِنْ أَضْلَاعِهِ فَنُصِبَتَا ثُمَّ أَمَرَ بِرَاحِلَةٍ فَرُحِلَتْ ثُمَّ مَرَّتْ تَحْتَهُمَا وَلَمْ تُصِبْهُمَا قَالَ مَالِكٌ الظَّرِبُ اَلْجَبَلُ.

ترجمه: حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے سمندر کے ساحل کی طرف ایک دستہ روانہ کیا تو حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کو ان کا امیر بنایا گیا، وہ دستہ تین سو آدمیوں پر مشتمل تھا، اور میں بھی اس میں تھا (جابر نے کہا) ابھی

ہم راستے ہی میں تھے کہ سفر کا توشہ ختم ہو گیا، حضرت ابو عبیدہ نے اس لشکر کے توشہ کا حکم دیا، اس کا پورا توشہ جمع کیا گیا تو کھجور کے دو تھیلے بنے، حضرت جابر نے کہا وہ ہمیں روزانہ تھوڑی تھوڑی خوراک دیتے تھے؛ یہاں تک کہ وہ بھی ختم ہوگئی اور ہمیں صرف ایک ایک کھجور ملتی تھی (وہب ابن کیسان نے کہا) میں نے حضرت جابر سے پوچھا کیا ایک کھجور کافی ہو جاتی تھی؟ حضرت جابر نے فرمایا: ہمیں اس کے نہ ہونے پر افسوس ہوا جب وہ ختم ہوگئی، پھر ہم ایک سمندر کے ساحل پر پہنچے تو اچانک ایک مچھلی (دیکھی) جو چھوٹے پہاڑ جیسی تھی تو اس لشکر نے اس میں سے اٹھارہ دن کھایا، پھر حضرت ابو عبیدہؓ نے اس کی دو پسلیاں (گاڑنے) کا حکم دیا تو وہ گاڑی گئیں پھر (ایک اونٹنی پر) کجاوہ (کسنے) کا حکم دیا تو وہ کسا گیا پھر وہ اونٹنی ان کے نیچے سے گزری اور وہ (اونچائی میں) ان سے لگی تک نہیں، امام مالک نے فرمایا کہ ''ظرب'' کے معنی پہاڑ کے ہیں۔

لغات: الزاد: ج: ازودۃ و ازواد :توشہ، مزود: میم کا کسرہ، زاء کا سکون، ج: مزاوید، تثنیہ: مزودتان: توشہ دان، یقوت: یا کا فتحہ قاف کا ضمہ، یا کا ضمہ قاف کا فتحہ، واو مشدد کا کسرہ (مجرد اور مزید): روزی دینا۔

شرح حدیث: اس حدیث میں جس غزوہ کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے، اس کو سریہ ابو عبیدہ یا غزوہ سیف البحر کہا جاتا ہے یہ واقعہ کس سنہ میں پیش آیا تھا؟ اس کے بارے میں تین قول ہیں (۱) ۸ھ میں فتح مکہ سے پہلے (۲) ۶ھ میں صلح حدیبیہ سے پہلے (۳) ۲ھ میں جس زمانے میں غزوۂ بواط پیش آیا۔

سمندری جانور کی حلت وحرمت کا حکم

سمندری جانور حلال ہے یا حرام، اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے جس کو امام مالک نے باب الطھور للوضوء میں ذکر کیا ہے، اس حدیث کا اس سے کوئی تعلق نہیں؛ چونکہ یہاں لفظ حوت مذکور ہے اور مچھلی تمام ائمہ کے نزدیک حلال ہے۔

سمک طافی کا حکم: البتہ وہ مچھلی جو اسباب خارجی کے بغیر خود بہ خود پانی میں مر کر اوپر تیرنے لگے، اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں، اس میں ائمہ کا اختلاف ہے، ائمہ

ثلاثہ کے نزدیک ایسی مچھلی جو خود مر کر پانی پر تیرنے لگے جس کو طافی کہا جاتا ہے، کھانا حلال ہے، اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سمک طافی کا کھانا جائز نہیں ہے۔

اس حدیث سے ائمۂ ثلاثہ کا یہ استدلال کرنا کہ وہ مچھلی سمندر ہی میں مرگئی تھی، پھر سمندر نے اس کو کنارے پر ڈال دیا تھا، درست نہیں ہے؛ چونکہ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ زندہ ہونے کی حالت میں سمندر کی موجوں نے کنارے پر ڈال دیا ہو اور پھر مرگئی ہو، جب یہ احتمال ہے تو استدلال درست نہیں۔

(۷) مَالِكٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَمْرِو بْنِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ عَنْ جَدَّتِهِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: يَانِسَاءَ الْمُؤْمِنَاتِ لَا تَحْقِرَنَّ إِحْدَاكُنَّ لِجَارَتِهَا وَلَوْ كُرَاعَ شَاةٍ مُحْرَقٍ.

ترجمہ: عمرو بن سعد بن معاذ اپنی دادی (حواء بنت یزید بن سکن) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے مسلمان عورتوں! تم میں سے کوئی اپنے ہمسایہ کے لیے (کسی چیز کو) حقیر نہ جانے، خواہ وہ بکری کا جلا ہوا کھر ہی کیوں نہ ہو۔

شرح حدیث: پیچھے حدیث گزری ہے کہ آپس میں ہدیہ لیا دیا کرو، وہ حکم عام تھا مرد وعورت دونوں کے لیے، اس حدیث میں خاص مسلمان عورتوں کو خطاب کیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح عورتوں میں محبت جلد سرایت کرتی ہے، بغض بھی جلد سرایت کرتا ہے، اکثر عورتیں قلیل اور حقیر چیز کو لینے دینے میں شرماتی ہیں، اس لیے خاص طور پر ان کو مخاطب بنایا؛ ورنہ اصل یہاں ترغیب دینا مقصود ہے؛ اگرچہ ہدیہ کی چیز قلیل اور حقیر کیوں نہ ہو؟ اس کو قبول کرو، دوسروں کے سامنے اظہار نہ کرو کہ اس نے میرے گھر کل فلانی چیز بھیجی تھی، جس سے اس کی دل شکنی ہو؛ ورنہ کھر ہدیہ میں دینا، عام عادت نہیں ہے اور یہ حکم جس طرح عورتوں کے لیے ہے مردوں کے لیے بھی ہے۔

(۸) مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ أَنَّهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ نُهُوْا عَنْ أَكْلِ الشَّحْمِ فَبَاعُوْهُ وَأَكَلُوْا ثَمَنَهُ.

ترجمہ: عبداللہ بن ابوبکر (بن محمد عمر بن حزم انصاری) سے روایت ہے، انہوں نے کہا: کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہودیوں پر اللہ کی لعنت ہو کہ ان کو چربی کھانے سے منع کیا گیا تو انہوں نے اسے بیچا اور اس کی قیمت کھائی۔

شرح حدیث: نبی کریم ﷺ نے یہودیوں پر لعنت اس لیے بھیجی کہ انہوں نے احکامات خداوندی کو صرف اپنے ذاتی مفاد کے لیے حیلے بہانے سے توڑا اور اپنی نفسانی اغراض کے حصول کے لیے اللہ کے حکم کی روگردانی کی مثلاً: چربی کھانے سے منع کیا تھا تو اس کو بیچ کر قیمت کھانا شروع کر دیا، اب سوال یہ ہے کہ ہماری شریعت میں بھی بہت سی ایسی چیزیں ہیں کہ وہ حرام ہیں؛ لیکن ہم ان سے انتفاع کرتے ہیں، مثلاً: گدھا اور خچر کا کھانا حرام ہے؛ لیکن اس کو بیچ کر اس کی قیمت استعمال کرنا حلال ہے تو اس بارے میں تفصیل یہ ہے کہ جس چیز کی حرمت اس کی ذاتی نجاست کے باعث ہے تو اس کی قیمت بھی حرام ہے اور اگر اس کی حرمت اس کے ضرر کے باعث ہے تو اس کی ذات حرام ہے؛ مگر قیمت حرام نہیں ہے؛ چونکہ اشیاء محرمہ کی دو قسمیں ہیں (۱) کھانا بھی حرام، نفع اٹھانا بھی حرام مثلاً: خمر، مردار، خون اور خنزیر وغیرہ پس جس طرح ان کا کھانا پینا حرام ہے، ان کی قیمت بھی حرام ہے، (۲) کھانا حرام ہے؛ مگر نفع اٹھانا حرام نہیں، جیسے: مردار کی کھال دباغت کے بعد اس سے انتفاع حلال ہے، گدھا، خچر کھانا حرام ہے؛ مگر سواری اور بار برداری کے ذریعہ نفع اٹھانا درست ہے؛ لہٰذا بار برداری کے لیے اس کی بیع بھی درست ہے، اور قیمت بھی درست ہے، اور یہودیوں پر گوشت حرام کیا گیا تھا جس میں چربی بھی داخل تھی، اور یہ نجاست ذاتی تھی، اس کا استعمال کرنا بالکل حرام کیا گیا تھا؛ مگر انہوں نے حدود اللہ کو توڑنے کے شوق میں اسے پگھلا کر اسے استعمال کیا اور اس کی قیمت کھا گئے، اس کو اس طرح بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ جس چیز کی بڑی منفعت اکل (کھانا) ہو اور وہ حرام ہو تو اس کا کھانا اور بیچ کر اس کی قیمت استعمال کرنا دونوں ناجائز ہیں، اور اگر اس کی بڑی منفعت اکل نہ ہو اور وہ حرام ہو تو اس کو بیچ کر اس کی قیمت استعمال کرنا درست ہے۔ (اوجز، ص: ۲۷۴، ج: ۲)

(۹) مَالِكٌ أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ عِيسَى بْنَ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَقُولُ:

يَابَنِي إِسْرَائِيلَ ! عَلَيْكُمْ بِالْمَاءِ الْقَرَاحِ وَالْبَقْلِ الْبَرِيِّ وَ خُبْزِ الشَّعِيْرِ وَإِيَّاكُمْ وَخُبْزَ الْبُرِّ فَإِنَّكُمْ لَنْ تَقُوْمُوْا لِشُكْرِهِ.

ترجمہ: حضرت امام مالک کو خبر پہنچی کہ حضرت عیسی بن مریم علیہ السلام کہا کرتے تھے کہ اے بنی اسرائیل! تم پر خالص (غیر مخلوط) پانی، جنگلی سبزی اور جو کی روٹی استعمال کرنا لازم ہے اور گیہوں کی روٹی سے بچو؛ اس لیے کہ تم اس کا شکر ہرگز ادا نہ کر سکو گے۔

لغات: القراح : قاف کا فتحہ: خالص پانی، جمع: اقرحة البقل: سبزی، ترکاری، جمع: بقول وابقال .

شرح حدیث: اس حدیث میں زہد وتقوی کی ترغیب مقصود ہے کہ انسان دنیا کی لذات سے دور رہے، قلیل پر قناعت کرے، زیادہ کی حرص نہ کرے؛ ورنہ اللہ جل جلالہ کی کسی ادنی نعمت کا شکریہ ادا کرنا انسان کے بس سے باہر ہے، اور امت محمدیہ میں بھی بہت سے صلحاء وزہاد مرغوبات سے دور رہتے ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ شریعت عیسوی میں مرغوبات وگوشت وغیرہ ممنوع ہو اور سادہ اور ساگ، سبزی پر اکتفا کرنے کا حکم ہو، ہماری شریعت میں اعتدال ہے، اللہ تعالی کی ہر مباح کردہ چیزوں کا استعمال کرنا مباح ہے، بشرطیکہ اسراف اور دوسروں پر برتری جتانا مقصود نہ ہو۔ (اوجز)

(۹) مَالِكٌ أَنَّه بَلَغَه أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَوَجَدَ فِيْه أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيْقَ وَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فَسَأَلَهُمَا فَقَالَ: أَخْرَجَنَا الْجُوْعُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: وَأَنَا أَخْرَجَنِي الْجُوْعُ فَذَهَبُوْا إِلَى أَبِي الْهَيْثَمِ التَّيِّهَانِ الْأَنْصَارِيِّ فَأَمَرَ لَهُمْ بِشَعِيْرٍ عِنْدَه يُعْمَلُ وَقَامَ يَذْبَحُ لَهُمْ شَاةً، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: نَكِّبْ عَنْ ذَاتِ الدَّرِّ فَذَبَحَ لَهُمْ شَاةً وَ اسْتَعْذَبَ لَهُمْ مَاءً فَعُلِّقَ فِي نَخْلَةٍ، ثُمَّ أُتُوْا بِذَالِكَ الطَّعَامِ فَأَكَلُوْا مِنْه وَشَرِبُوْا مِنْ ذَالِكَ الْمَاءِ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَتُسْئَلُنَّ عَنْ نَعِيْمِ هٰذَا الْيَوْمِ .

ترجمہ: امام مالک کو خبر پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں داخل ہوئے تو وہاں ابوبکر

صدیق اور عمر بن خطاب کو پایا تو آپ نے ان سے پوچھا تو ان دونوں نے کہا کہ ہمیں بھوک نے گھر سے نکالا ہے آپ ﷺ نے فرمایا: کہ مجھے بھی بھوک نے گھر سے نکالا ہے، تو یہ سب حضرات ابوالہیثم ابن تیہان انصاری کے یہاں تشریف لے گئے تو انہوں نے ان کے لیے جو کی روٹی پکانے کا حکم دیا اور (خود) ایک بکری ذبح کرنے کے لیے اٹھے، آپ ﷺ نے فرمایا: دودھ دینے والی بکری سے پرہیز کرنا، انہوں نے ان کے لیے ایک بکری ذبح کی اور ان کے لیے میٹھا پانی لائے اور اسے (مشک) میں ایک کھجور کے درخت پر لٹکا دیا، پھر وہ کھانا ان کے پاس لائے ان حضرات نے اس سے کھایا اور اس پانی میں سے پیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم سے ضرور اس دن کی نعمت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

لغات: یعمل بمعنی یطحن، نکب: بفتح النون اور کاف مشدد کا کسرہ، الطریق: راستے سے ہٹنا: اي: تجنب و أعرض: استعذب: میٹھا پانی طلب کرنا، یقال: هو خرج یستعذب الماء، وہ میٹھا پانی لانے کے لیے گیا۔

شرح حدیث: قام یذبح لهم: حضرت ابوالہیثم نے اپنے گھر میں روٹی بنانے کا حکم دیا اور خود بکری ذبح کرنے کے لیے کھڑے ہو گئے، رسول اللہ ﷺ نے دودھ والی بکری ذبح کرنے سے منع فرمایا؛ چونکہ دودھ والی بکری سے گوشت کھانے کا مقصد تو حاصل ہو جائے گا؛ لیکن دوسرے فائدے سے محرومی ہو جائے گی؛ اس لیے آپ نے دودھ والی بکری ذبح کرنے سے منع فرمایا۔

لتسئلن عن نعیم هذا الیوم الخ: شدت بھوک کی حالت میں یہ حضرات نکلے تھے، اس کے بعد یہ چیزیں میسر آئیں؛ پھر بھی آپ ﷺ ان کو متوجہ کر رہے ہیں کہ یہ نعمتیں شدت بھوک میں میسر ہوئیں؛ پھر بھی اللہ کی نعمتیں ہیں اور ان کے متعلق اللہ کے یہاں سوال ہوگا کہ تم نے ان نعمتوں کا کیا حق ادا کیا؟ اس لیے مسلمان ہر لمحہ اور ہر گھڑی یہ بات ذہن میں رکھے کہ کل کو اس کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ تم نے اس کا کیا حق ادا کیا؟ ہماری کتنی فرمانبرداری کی اور نافرمانی سے اپنے آپ کو بچانے کا کتنا اہتمام کیا، قاضی عیاض کے نزدیک یہ راجح ہے، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ سوال سے امتنان واحسان جتلانا ہے

کہ ہم نے تمہیں یہ یہ نعمتیں دیں، سوال، مناقشہ اور محاسبہ کے طور پر نہ ہو گا۔ (اوجز، ص:۲۷۹/۲/مرقات، ص:۱۴۷، ج:۸)

(۱۰) مَالِکٌ عَنْ یَحْیَ بْنِ سَعِیْدٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ کَانَ یَأْکُلُ خُبْزاً بِسَمْنٍ فَدَعَا رَجُلاً مِنْ أَھْلِ الْبَادِیَةِ فَجَعَلَ یَأْکُلُ وَیَتَّبِعُ بِاللُّقْمَةِ وَضَرَ الصَّحْفَةِ قَالَ فَقَالَ لَه عُمَرُ کَأَنَّکَ مُقْفِرٌ فَقَالَ: وَاللّٰهِ مَا أَکَلْتُ سَمْنًا وَلَا رَأَیْتُ آکِلاً بِه مُنْذُ کَذَا وَکَذَا فَقَالَ عُمَرُ لاآکُلُ السَّمْنَ حَتّٰی یَحْیَ النَّاسُ مِنْ أَوَّلِ مَا یَحْیَوْنَ.

ترجمہ: یحی بن سعید سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب گھی کے ساتھ روٹی کھا رہے تھے، تو انہوں نے ایک بدو (دیہاتی) کو بلایا: چنانچہ وہ کھانے لگا اور پلیٹ میں لگے گھی کو (تلچھٹ) تلاش کر کر کے لقمہ بنانے لگا، حضرت عمر نے فرمایا: شاید تجھے سالن نہیں ملتا تو اس نے کہا بہ خدا! اتنی مدت سے گھی نہیں کھایا اور نہ اس کے ساتھ کسی کو کھاتے دیکھا تو حضرت عمر نے فرمایا: میں گھی نہیں کھاؤں گا؛ یہاں تک کہ لوگ بارش والے ہو جائیں، پہلے جیسی بارش والے (پہلی جیسی حالت ہونے تک میں گھی نہیں کھاؤں گا)۔

لغات: یتبع: تائے مشدد پیچھے چلنا، ساتھ چلنا۔ الوضر: واو کا فتحہ، پیالہ وغیرہ کا دھون، پیالہ میں کھانے کا اثر، جمع: اوضار۔ الصحفة: بڑا چوڑا پیالہ، جس سے پانچ آدمی آسودہ ہو جائیں، جمع: صحاف۔ مقفر: میم کا ضمہ، قاف کا سکون اور فاء کا کسرہ: من أقفر: بے سالن ہونا، بے سالن کے روٹی کھانا۔ یحي: (س) حیاۃ، زندہ رہنا (مراد) بارش والا ہونا۔

شرح حدیث: یہ قحط کا زمانہ تھا، کہا جاتا ہے، حضرت عمر بن خطابؓ کے دور خلافت ۱۸ھ میں قحط پڑا، جس میں جان و مال کا نقصان ہوا، لوگوں کو کھانے کی چیزیں میسر نہ تھیں، حضرت عمرؓ نے جب اس دیہاتی کا حال سنا تو آپ نے یہ طے کر لیا کہ جب تک بارش نہ ہو جائے وہ گھی استعمال نہیں کریں گے، حضرت عمر اس کے بعد زیتون کا تیل استعمال کرنے لگے اور بر سر ممبر پیٹ سے خطاب کر کے فرماتے تھے کہ تو روغن زیتون ہی

کھائے گا، جب تک گھی سستا نہ ہو جائے اور بازار میں عام بکنے نہ لگے، ایک حاکم کی ایسی ہی صفت ہونی چاہیے، اور اپنی عوام کا خیال رکھنا چاہیے۔ (اوجز، ص: ۲۸۱)

(۱۱) مَالِكٌ عَنْ اِسْحَاق بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: رَأَيْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ وَهُوَ يَوْمَئِذٍ أَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ يُطْرَحُ لَه صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ فَيَأْكُلُهَا حَتَّى يَأْكُلَ حَشَفَهَا.

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: میں نے حضرت عمر کو جس زمانے میں وہ امیر المؤمنین تھے، دیکھا ان کے لیے ایک صاع کھجور رکھ دی جاتی تھی، پھر اس کو کھاتے تھے، حتی کہ ردی کھجور بھی کھاتے تھے۔

لغت: حشف: سین کا فتحہ: ردی اور وہ سوکھی کھجور جس میں گٹھلی نہ ہو،

شرح حدیث: یہ آپ کا زہد و تقوی تھا، امیر المؤمنین ہونے کے باوجود زندگی فقیرانہ تھی، اور ایک ہی مرتبہ میں صاع بھر کھانا مراد نہیں ہے؛ بلکہ اتنی مقدار رکھ دی جاتی تھی جس میں ردی کھجوریں بھی ہوتی تھیں، جسے کئی بار میں کھاتے تھے، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں قوی کمزور ہونے کی وجہ سے زیادہ محسوس ہو رہا ہے؛ حالانکہ اس زمانے کے اعتبار سے جبکہ قوی طاقتور ہوتے تھے زیادہ نہیں ہے؛ چنانچہ شریعت نے ایک دن کی آسودگی کے لیے ایک صاع کی مقدار رکھی ہے اور ہوسکتا ہے کہ ایک کپڑے میں اچھی اور ردی ہر طرح کی کھجور رکھ دی جاتی ہو اور دوسرے لوگ بھی کھانے میں شریک ہوں۔

(۱۲) مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّه قَالَ: سُئِلَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عَنْ جَرَادٍ فَقَالَ وَدِدْتُ أَنَّ عِنْدِيْ قَفْعَةً، فَاٰكُلُ مِنْه.

ترجمہ: عبداللہ بن عمر نے فرمایا کہ حضرت عمر بن خطاب سے ٹڈی کے بارے میں پوچھا گیا (حلت و حرمت کے متعلق) تو انہوں نے فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ میرے پاس ایک ٹوکرا ہو کہ میں اس میں سے کھاؤں۔

لغات: قفعة: قاف کا فتحہ: نیچے سے کشادہ اور تنگ منہ کی ٹوکری، جمع: قفاع و

قفعات . جراد : واحد:جرادة:ٹڈی،ایک قسم کا پردار کیڑا جو درختوں اور فصلوں کو نقصان پہنچاتا ہے۔

شرح حدیث : حضرت عمرؓ سے ٹڈی کے متعلق پوچھا گیا کہ وہ حلال ہے کہ حرام؟ آپ نے تمنا کا اظہار کر کے بتلا دیا کہ وہ حلال ہے، تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ ٹڈی مباح ہے۔

(١٣) مَالِكٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَلْحَلَةَ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ مَالِكِ بْنِ خَثْمٍ أنَّه قَالَ: كُنْتُ جَالِساً مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ بِأَرْضِه بِالْعَقِيْقِ، فَأتَاه قَوْمٌ مِنْ أهْلِ الْمَدِيْنَةِ عَلى دَوَابَّ فَنَزَلُوْا عِنْدَه قَالَ حُمَيْدٌ فَقَالَ لِي: أبُوْهُرَيْرَةَ اِذْهَبْ إلى أمِّي فَقُلْ لَهَا: إنَّ ابْنَكِ يُقْرِئُكِ السَّلامَ وَيَقُوْلُ: أطْعِمِيْنَا شَيْئًا، قَالَ: فَوَضَعَتْ ثَلاثَةَ أقْرَاصٍ فِي صَحْفَةٍ وَشَيْئًا مِنْ زَيْتٍ وَمِلْحٍ ثُمَّ وَضَعَتْهَا عَلى رَأسِي وَحَمَلْتُهَا إلَيْهِمْ فَلَمَّا وَضَعْتُهَا بَيْنَ أيْدِيْهِمْ كَبَّرَ أبُوْ هُرَيْرَةَ وَقَالَ الْحَمْدُ لِلّهِ الَّذِيْ أَشْبَعَنَا مِنَ الْخُبْزِ بَعْدَ أنْ لَمْ يَكُنْ طَعَامُنَا إلَّاالأسْوَدَيْنِ الْمَاءَ وَالتَّمَرَ فَلَمْ يُصِبِ الْقَوْمُ مِنَ الطَّعَامِ شَيْئًا فَلَمَّا انْصَرَفُوْا قَالَ لِيْ ابْنَ أخِيْ أحْسِنْ إلى غَنَمِكَ فَامْسَحِ الرُّعَامَ عَنْهَا وَأطِبْ مُرَاحَهَا وَصَلِّ فِيْ نَاحِيَتِهَا فَإنَّهَا مِنْ دَوَابِّ الْجَنَّةِ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِه لَيُوْشِكُ أنْ يَأتِيَ عَلى النَّاسِ زَمَانٌ تَكُوْنُ الثَّلَّةُ مِنَ الْغَنَمِ أَحَبَّ إلى صَاحِبِهَا مِنْ دَارِ مَرْوَانَ.

ترجمہ: حمید بن مالک بن خثم نے کہا: میں حضرت ابو ہریرہؓ کے ساتھ مقام عقیق میں ان کی زمین پر بیٹھا ہوا تھا کہ ان کے پاس مدینہ کے کچھ لوگ سواریوں پر آئے، اور ان کے پاس اترے، حمید نے کہا مجھ سے ابو ہریرہؓ نے کہا: میری والدہ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ آپ کا بیٹا آپ کو سلام کہتا ہے اور کہتا ہے کہ ہمیں کچھ کھلا یئے، حمید نے کہا: (ان کی والدہ نے) تین روٹیاں ایک تھالی میں رکھیں اور کچھ روغن زیتون اور نمک رکھا، پھر اس کو

میرے سر پر رکھ دیا اور میں اس کو اٹھا کر ان کے پاس لے آیا، جب میں نے اس کو ان کے سامنے رکھا تو ابو ہریرہ نے اللہ اکبر کہا اور کہا: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہے، جس نے ہمیں روٹی سے آسودہ کیا اس کے بعد کہ ہمارا کھانا نہیں ہوتا تھا؛ مگر دو کالی چیزیں، یعنی پانی اور کھجور؛ لیکن ان لوگوں نے کھانا بالکل نہیں کھایا جب وہ چلے گئے تو حضرت ابو ہریرہ نے مجھ سے کہا: بھتیجے! اپنی بکریوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا کرو، اور ان کی ناک اور مٹی صاف کیا کرو، اور ان کے باڑے کو صاف رکھا کرو، اور اس کے ایک کنارے میں نماز پڑھ لیا کرو؛ اس لیے کہ بکری جنت کے چوپایوں میں سے ہے، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، عنقریب لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا کہ بکریوں کا ایک چھوٹا سا گلہ، اس کے مالک کو مروان کے گھر سے زیادہ پسندیدہ ہوگا۔

لغات: اشبع إشباعا: شکم سیر ہونا۔ رعام: راء کا ضمہ اور عین: رینٹ، ناک کی رطوبت، جمع: ارعمة، اور راء کا فتحہ اور غین: مٹی یا مٹی ملی ہوئی ریت، مراح: میم کا ضمہ: باڑہ الثلة: ثاء کا فتحہ: بھیڑ، بکریوں کا ریوڑ اور ضمہ کے ساتھ: لوگوں کی جماعت۔

شرح حدیث: بأرضه بالعقیق: مدینہ سے چار میل کے فاصلہ پر ایک جگہ کا نام ہے۔

مکبر: اللہ تعالی کی اس نعمت کو دیکھ کر اس کا شکریہ ادا کرنے کے لیے اور مارے خوشی کے بلا تکلف حضرت ابو ہریرہؓ کی زبان سے تکبیر اور اللہ تعالی کی تعریف سرزد ہوئی؛ جبکہ ایک زمانہ تھا کہ بھوک کے مارے ادھر ادھر پھرتے رہتے تھے، اور کبھی زمین پر پیٹ کے بل لیٹ جاتے تھے اور عام طور پر کھجور اور پانی پر اکتفا کرنا پڑتا تھا۔

فلم یصب القوم: جو لوگ مدینہ سے حضرت ابو ہریرہؓ کی خدمت میں تشریف لائے، انہوں نے کھانا نہیں کھایا، یا تو وہ آسودہ تھے، ضرورت نہ تھی یا وہ لوگ روزہ سے تھے یا جب دیکھا کہ کھانے میں چند روٹیاں اور زیتون کا تیل ہے اور وہ تعداد میں زیادہ تھے تو شریک ہونا مناسب نہ سمجھا۔ (اوجز ص:۲۸۲)

أحسن إلی غنمک: بکریوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا کہ ان کا آنسو پونچھو اور ناک منہ صاف کرو یہ جنت کے چوپایوں میں سے ہے، یعنی یہ جنت سے آئی ہے؛

یا اس قسم کا جانور جنت میں ہے اور یہ اس کے مشابہ ہے اور جو جانور جنت کے جانوروں کے مشابہ ہو اس کی تعظیم کرو۔

وأطب مراحها وصل في ناحيتها : اس کے باڑے کو صاف رکھو اور اس میں نماز پڑھو۔

یہ تو طے ہے کہ نماز کی شرائط میں جگہ کا پاک وصاف ہونا ہے خواہ وہ اونٹ کا باڑہ ہو یا بکری کا؛ اگر پاک ہے تو نماز درست ہے؛ ورنہ نہیں؛ مگر احادیث میں اونٹ کے باڑے میں نماز پڑھنے سے روکا گیا ہے اور بکری کے باڑے میں پڑھنے کا حکم دیا ہے، چونکہ عام طور پر بکری کے باڑے کو صاف رکھا جاتا ہے اور یہ تکلیف نہیں پہنچاتی، آدمی سکون سے نماز پڑھ سکتا ہے؛ برخلاف اونٹ کے کہ ہر وقت کاٹنے کا خطرہ رہتا ہے؛ کیونکہ جب یہ مخلی بالطبع ہوتا ہے، اس پر ہودج بندھا ہوا نہیں ہوتا تو وہ شرارت کرتا ہے؛ لہذا وہاں نماز میں سکون نہیں رہتا، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں نماز سے منع فرمایا ہے۔

ليوشك أن ياتي على الناس زمان : حدیث مذکور میں جس فتنہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اس میں دو احتمال ہے، یا تو اس سے واقعۂ حرہ مراد ہے جو ٦٣ھ میں واقع ہوا، مروان بن حکم اس وقت مدینہ کے امیر تھے، جس میں ہزاروں صحابہ اور تابعین کو شہید کر دیا گیا، اور بہت سے لوگ مدینہ سے باہر نکل گئے، یا قرب قیامت کا فتنہ مراد ہے، اس وقت بھی فتنہ عام ہوگا، مسلمان آپس میں خانہ جنگی میں مبتلا ہوں گے، لوگ اپنی بکریوں کو لے کر جنگلات اور پہاڑوں کی طرف چلے جائیں گے، اس وقت ان کا سب سے پسندیدہ مال بکریاں ہوں گی حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ ایسے فتنہ کے وقت بکریوں کا ریوڑ (جس کی مقدار سو سے کم ہو) اس کے مالکوں کو مروان کے محل (جو اس زمانے میں مزین اور خوب صورت تھا) زیادہ پسندیدہ ہوگا؛ اس لیے کہ بکری مسکین جانور ہے، سوکھے پتے اور سوکھی گھاس پر گزارہ کر لیتی ہے، اور دودھ دینے کی وجہ سے نفع بخش بھی ہے، اس کی دیکھ ریکھ میں زیادہ پریشانی نہیں ہوتی ہے، لوگ اسی سے گزارہ کر لیں گے، اور اپنے دین کی حفاظت کر لیں گے۔ (اوجز ص:٢٨٣)

(۱۴) مَالِکٌ عَنْ أَبِي نُعَيْمٍ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ قَالَ أُتِيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِطَعَامٍ وَمَعَه رَبِيبُه عُمَرُ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ فَقَالَ له رَسُولُ الله ﷺ سَمِّ اللهَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ.

ترجمہ: وہب بن کیسان نے کہا: رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا اور آپ کے ساتھ آپ کا ربیب (پروردہ) عمر بن ابی سلمہ بھی تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: اللہ کا نام لے اور اپنی جانب سے کھا۔

شرح حدیث: عام طور پر احادیث میں کھانے سے پہلے صرف بسم اللہ کا ذکر ہے، ایک دوسری روایت میں بسم اللہ وعلی برکۃ اللہ بھی آیا ہے؛ اس لیے اگر کوئی شخص کھانے سے پہلے صرف بسم اللہ، یا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، یا بسم اللہ وعلی برکۃ اللہ پڑھے تو بسم اللہ پڑھنے کی سنت ادا ہو جائے گی۔ (اوجز، ص:۲۸۴)

کھانے سے پہلے تسمیہ واجب ہے یا سنت؟

جمہور علماء کی عام رائے یہ ہے کہ کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا مسنون ہے؛ جبکہ کچھ حضرات کی رائے یہ ہے کہ کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا واجب ہے اور روایت میں جو امر کا صیغہ وارد ہوا ہے وہ استحباب پر محمول ہے۔

مختلف الانواع کھانا کھانا: اگر ایک ہی قسم کا کھانا ہو تو اپنی جانب سے کھانا چاہیے اور اگر پلیٹ میں مختلف قسم کے کھانے ہوں تو دوسری جانب سے بھی اٹھانے میں حرج نہیں۔ (اوجز ص ۲۸۵ مرقات ص ۸۳ ج ۸)

عمر بن سلمہ کون تھے؟: حضرت ابو سلمہؓ رسول اللہ ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی اور سابقین اولین میں سے تھے، حضرت ام سلمہؓ کا نکاح پہلے ان سے ہوا تھا، عمر بن سلمۃ حضرت ام سلمہ کے بیٹے ابو سلمہ سے ہیں، حضرت ابو سلمہ کے انتقال کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت ام سلمہ سے نکاح کیا، اس وقت عمر بن سلمہ چھوٹے تھے، نکاح کے بعد آپ کی آغوش تربیت میں آ گئے۔

فائدہ: (۱) دودھ، پانی، دوا، یا کسی بھی مشروب سے پہلے بسم اللہ پڑھنا مسنون ہے، جیسا کہ کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا مسنون ہے۔ (۲) اور اگر اجتماعی طور پر کھانا

کھایا جار ہا ہو تو بسم اللہ زور سے پڑھنا مستحب ہے؛ تا کہ اور لوگ بھی سنیں، "وإذا قلت بسم الله فارفع صوتك حتى تلقن من معك" (فتاوی ہندیہ،ص:۳۴۷، ج:۵) (۳) جنبی و حائضہ کے لیے بھی کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا مسنون ہے، "قراءة الفاتحة على قصد الدعاء و نحوها على نية الدعاء يجوز" (منية المصلى مع غنية المستملى، مطلب الغسل في أربعة ستة، ص:۵۹)

(۱۵) مَالِكٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ أَنَّه قَالَ: سَمِعْتُ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ يَقُوْلُ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ فَقَالَ لَه: إِنَّ لِي يَتِيمًا وَلَه إِبِلٌ أَفَأَشْرَبُ مِنْ لَبَنِ إِبِلِه فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ إِنْ كُنْتَ تَبْغِي ضَالَّةَ إِبِلِه وَتَهْنَأُ جَرْبَاهَا وَتَلِيْطُ حَوْضَهَا وَتَسْقِيْهَا يَوْمَ وُرُوْدِهَا فَاشْرَبْ غَيْرَ مُضِرٍّ بِنَسْلٍ وَلَا نَاهِكٍ فِي الْحَلْبِ.

ترجمہ: یحی بن سعید کہتے ہیں کہ میں نے قاسم بن محمد کو کہتے ہوئے سنا کہ ایک شخص عبداللہ بن عباسؓ کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ میری تربیت میں ایک یتیم (لڑکا) ہے، کیا میں اس کی اونٹنی کا دودھ پی سکتا ہوں؟ حضرت ابن عباس نے اس سے کہا: اگر تو اس کے گمشدہ اونٹ کو تلاش کرتا ہے، اس کے خارش والے (اونٹوں) کو تیل ملتا ہے، اس کے (پانی پینے کے) حوض کو لیپتا ہے اور اس کے پانی پر باری کے دن ان کو پانی پلاتا ہے تو اس کی نسل کو نقصان پہنچائے بغیر اور سارا دودھ نکالے بغیر پی لیا کر۔

لغات: ضالة: گمشدہ چیز، جمع: ضوال. وتهنا: تا کا فتحہ، ہا کا سکون، آخر میں ہمزہ، ماخوذ من الهنا: تارکول، کھجوروں کا گچھا بمعنی تطلی: لیپنا، درست کرنا۔ جرباء: أجرب کا مؤنث (س): خارش والا ہونا۔ تليط: لاط الحوض: حوض کو مٹی سے درست کرنا (ض) الناهك: تمام چیزوں میں مبالغہ کرنے والا (س): ختم کرنا۔

شرح حدیث: ایک شخص حضرت ابن عباس کی خدمت میں آیا اور مسئلہ دریافت کیا کہ میرے یہاں ایک یتیم ہے اور اس کی اونٹنی ہے، وہ لڑکا میری نگرانی میں ہے، کیا میں اس کی اونٹنی کا دودھ پی سکتا ہوں، حضرت ابن عباسؓ نے اس شخص کو دو شرطوں کے ساتھ

دودھ استعمال کرنے کی اجازت دی (۱) اونٹنی کے بچے کو کسی قسم کا نقصان نہ ہو (۲) اتنا نہ دوہے کہ تھن میں دودھ ختم ہو جائے۔

کیا سرپرست یتیم کا مال کھا سکتا ہے؟

ولی یعنی سرپرست یتیم کا مال کھا سکتا ہے یا نہیں اس مسئلہ میں سلف ہی سے اختلاف رہا ہے، حضرت عائشہ اور عکرمہ کے نزدیک ولی یعنی سرپرست اپنے عمل کے بہ قدر یتیم کے مال سے کھا سکتا ہے لے سکتا ہے، حضرت ابن عباسؓ سے اس بارے میں چار روایتیں منقول ہیں: (۱) اگر ولی (سرپرست) صرف یتیم کے اونٹ وغیرہ کی دیکھ ریکھ کرے تو اس کا دودھ ایک خاص مقدار میں پی سکتا ہے، دو شرطوں کے ساتھ، اول: اونٹنی کے بچے کو کسی قسم کا نقصان نہ ہو، دوم: تھن سے دودھ بالکلیہ نہ نکالتا ہو۔ (۲) یتیم کے مال سے نہیں لے سکتا؛ البتہ ضرورت کے وقت قرض لے سکتا ہے، بعد میں ادا کرنا ضروری ہوگا (۳) بہ قدر کفایت لے سکتا ہے (۴) یہ حکم منسوخ ہے۔

ائمۂ مجتہدین میں سے امام شافعی کے نزدیک اگر کوئی شخص یتیم کی پرورش کرتا ہے اور اپنا وقت لگاتا ہے جس کی وجہ سے وہ کما نہیں سکتا ہے، تو وہ اجرت مثل (اگر وہ دوسرے کا کام کرتا تو اسے کتنی اجرت ملتی) اور نفقۂ معروف (بہ قدر ضرورت جتنے میں کام چل سکتا ہے) میں جو کم ہو لے سکتا ہے، امام مالک کے نزدیک اجرت مثل جتنی بھی ہو لے سکتا ہے۔

امام شافعی اور امام مالک کی دلیل

ان حضرات کی دلیل سورۂ نساء کی ایک آیت ہے جس میں یتیموں کے مال سے کھانے کا حکم دیا ہے، آیت: "ومن کان غنیا فلیستعفف ومن کان فقیرا فلیأکل بالمعروف" دونوں حضرات نے اس آیت سے استدلال کیا، اور دونوں حضرات نے اپنے اپنے اجتہادی اصول کے پیش نظر اس آیت کی تاویل کی؛ چنانچہ اللہ تعالی نے احسن طریقہ سے کھانے کا حکم دیا ہے، امام شافعی کے نزدیک احسن طریقہ اجرت مثل اور نفقۂ معروف میں سے جو کم ہو وہ ہے، اور امام مالکؒ نزدیک اجرت مثل ہے۔

امام اعظم کا مسلک اور مجوزین کا جواب

امام ابوبکر جصاص نے امام اعظم ابوحنیفہؒ کا یہ مسلک نقل کیا ہے کہ سرپرست خواہ کتنا ہی کام کرے رات دن خدمت کرے یتیم کے مال سے نہیں کھا سکتا ہے، نہ قرض لے سکتا ہے اور نہ دے سکتا ہے، اور قرآن کریم کی آیت ''ولا تأکلوا أموالکم بالباطل'' کے عموم سے استدلال کیا ہے، نیز مؤطا امام محمد میں ایک روایت ہے عن ابن مسعود قال: لایأکل الوصي من مال الیتیم قرضا ولا غیرہ، امام طحاوی نے امام صاحب کی ایک روایت یہ ذکر کی ہے کہ اگر ولی محتاج ہو تو قرض لے سکتا ہے، بعد میں ادا کرنا ضروری ہے۔

جس آیت سے امام شافعی اور امام مالک نے استدلال کیا ہے؛ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ: یہ منسوخ ہے، اور اس کے لیے ناسخ ولاتأکلوا أموالکم بینکم بالباطل ہے حضرت ابن عباس سے متعدد سندوں سے مروی ہے کہ یہ منسوخ ہے اور ناسخ'' إن الذین یأکلون أموال الیتامی ظلما الخ'' ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ فلیأکل بالمعروف مجمل ہے، اس میں کئی معنوں کا احتمال ہے؛ چنانچہ امام شافعی نے ایک معنی مراد لیا اور امام مالک نے ایک؛ لہٰذا اس آیت کو محکم آیت پر محمول کرکے یہ تاویل کی جائے گی کہ ولی اور سرپرست اپنا مال اچھے طریقے سے کھائے؛ تاکہ یتیم کا مال کھانے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔

اھم فائدہ: ولی کا یتیم کے مال کی دیکھ ریکھ کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں، یا تو بہ طور اجرت کر رہا ہے یا بہ طور تبرع اور احسان، اور اگر اجرت کے طور پر ہے تو آیت '' فلیأکل بالمعروف'' سے دو اعتبار سے استدلال درست نہیں ہے، (۱) چونکہ جن حضرات نے یتیم کے مال سے ولی کے لیے کھانا مباح قرار دیا ہے وہ فقر اور ضرورت کی بنیاد پر کیا ہے اور آیت میں بھی اس کی صراحت ہے؛ حالانکہ اجرت میں غنی اور فقیر دونوں برابر ہیں (۲) جن حضرات نے مباح قرار دیا ہے، انہوں نے کوئی اجرت متعین نہیں کی اور اجارہ اجرت مجہولہ پر درست نہیں ہے۔

اب اگر کوئی سوال کرے کہ جس طرح قاضی و عمال مسلمانوں کے معاملات میں مشغول رہنے کی وجہ سے بیت المال سے رزق (رسد) لیتا ہے، اسی طرح ولی و سرپرست

اپنے کام کی وجہ سے یتیم کے مال سے لے سکتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ قاضی وعمال کو بیت المال سے جو رزق (رسد) دیا جاتا ہے وہ ایک دینی ضرورت کی وجہ سے ہے وہ تمام مسلمانوں کے لیے کام کرتا ہے، اس میں غنی اور فقیر کا کوئی فرق نہیں ہے، بہ خلاف ولی کے کہ وہ ایک احسان اور ثواب کے لیے کرتا ہے اور متعین فرد کے لیے کرتا ہے، لہذا دونوں میں فرق ہے۔ (احکام القرآن ص:۲۶۳، ج:۲، اوجز ص:۲۱۷)

(۱۶) مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ كَانَ لَا يُؤْتَى أَبَداً بِطَعَامٍ أَوْشَرَابٍ حَتَّى الدَّوَاءِ فَيَطْعَمُهُ أَوْيَشْرَبُهُ حَتَّى يَقُولَ: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا وَأَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَنَعَّمَنَا، وَاللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُمَّ أَلْفَتْنَا نِعْمَتُكَ بِكُلِّ شَرٍّ فَأَصْبَحْنَا مِنْهَا وَأَمْسَيْنَا بِكُلِّ خَيْرٍ نَسْئَلُكَ تَمَامَهَا وَشُكْرَهَا، لَاخَيْرَ إِلَّا خَيْرُكَ وَلَاإِلٰهَ غَيْرُكَ إِلٰهَ الصَّالِحِينَ وَ رَبَّ الْعَالَمِينَ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللَّهُ مَا شَاءَ اللَّهُ لَاقُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ، اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيمَا رَزَقْتَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ.

ترجمه: حضرت عروہ کے پاس جب بھی کھانا یا پانی حتی کہ دوا لائی جاتی تو اس کو نہ کھاتے یا نہ پیتے: یہاں تک کہ کہتے تمام تعریفات اس اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں ہدایت دی اور ہمیں کھلایا پلایا اور ہمیں نعمتیں عطا کی اللہ سب سے بڑا ہے، اے اللہ! ہمارے اوپر شر وبدی کے باوجود تیری نعمتیں موجود ہیں اور ہم نے اسی سبب سے ہر صبح وشام، ہر قسم کی بھلائی سے کی، ہم تجھ سے اس کے پورے ہونے کی اور شکریے کی درخواست کرتے ہیں، بھلائی تیری ہی بھلائی ہے، کوئی معبود نہیں تیرے علاوہ، اے نیکوں کے معبود! اور سارے جہان کے پالنہار! سب تعریفیں اللہ کی ہیں اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اللہ جو چاہے (وہی ہوتا ہے) اس کے سوا کسی کی طاقت نہیں، اے اللہ! آپ نے جو رزق ہمیں عطا کیا اس میں برکت نازل فرما اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔

شرح حدیث: حدیث میں جو دعا مذکور ہے، ہو سکتا ہے حضرت عروہ کھانے سے پہلے پڑھتے ہوں، اور یہ بھی احتمال ہے کہ کھانے کے بعد پڑھتے ہوں؛ چونکہ حدیث میں

"حتی یقول" ہے اور کہا جاتا ہے "لاتبع من فلان حتی تربح بمعی إلا ان تربح ہے، چونکہ نفع بیع کے بعد ہی ہوتا ہے، پہلا احتمال لفظ کے اعتبار سے زیادہ قوی ہے اور دوسرا معنی کے اعتبار سے، چونکہ کھانے سے پہلے تسمیہ اور کھانے کے بعد تحمید مشروع ہے۔

(۱۷) سُئِلَ مَالِکٌ هَلْ تَأْکُلُ الْمَرْأَةُ مَعَ غَيْرِ ذِي مَحْرَمٍ مِنْهَا أَوْ مَعَ غُلَامِهَا فَقَالَ مَالِکٌ: لَيْسَ بِذَالِکَ بَأْسٌ إِذَا كَانَ ذَالِکَ عَلَى وَجْهِ مَا يُعْرَفُ لِلْمَرْأَةِ أَنْ تَأْكُلَ مَعَه مِنَ الرِّجَالِ قَالَ: وَقَدْ تَأْكُلُ الْمَرْأَةُ مَعَ زَوْجِهَا وَمَعَ غَيْرِهَا مِمَّنْ يُوَاكِلُه أَوْ مَعَ أَخِيهَا عَلَى مِثْلِ ذَالِکَ وَيُكْرَهُ لِلْمَرْأَةِ أَنْ تَخْلُوَ مَعَ الرَّجُلِ لَيْسَ بَيْنَهَا وَ بَيْنَهُ حُرْمَةٌ.

ترجمہ: حضرت امام مالک سے سوال کیا گیا، کیا عورت اپنے غیر محرم کے ساتھ یا اپنے غلام کے ساتھ کھا سکتی ہے؟ تو امام مالک نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں؛ جبکہ یہ اس طریقہ پر ہو کہ جو عورت کا مردوں کے ساتھ کھانے کا متعارف ہو (مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا) کبھی عورت اپنے شوہر اور غیر کے ساتھ کھاتی ہے جن کا کھانا پینا شوہر کے ساتھ ہو یا (عورت) اپنے بھائی کے ساتھ (کھاتی ہے) اسی طرح (یعنی بھائی کے ساتھ دوسرے بھی ہوتے ہیں) اور عورت کے لیے مکروہ ہے، یہ بات کہ کسی ایسے مرد کے ساتھ خلوت میں بیٹھے کہ اس کے اور اس مرد کے درمیان محرمیت کا کوئی رشتہ نہ ہو۔

شرح حدیث: یہاں دو مسئلے ہیں: ایک حجاب (پردہ) کا، اور دوسرا اجنبی کے جھوٹا کا، امام مالکؒ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ کیا عورت غیر محرم اور اپنے غلام کے ساتھ کھانا کھا سکتی ہے تو جواب دیا کہ جب متعارف طریقہ پر ہو: مثلاً: اس کے ساتھ اس کا شوہر یا کوئی محرم ہو، تو کھا سکتی ہے؛ چونکہ آدمی کا جھوٹا پاک ہے؛ لہذا کھا سکتی ہے؛ البتہ تنہائی میں جبکہ محرم نہ ہو تو کسی اجنبی کے ساتھ نہیں کھا سکتی، ہمارے یہاں بھی آدمی کا جھوٹا پاک ہے؛ لیکن اجنبی کا جھوٹا مکروہ ہے، استلذاذ کی وجہ سے، رہی بات پردہ کا مسئلہ تو اس کا حکم الگ ہے اور پردے کے ساتھ کھانا کھایا جا سکتا ہے۔ (اوجز، ص: ۲۸۹)

ماجاء فی اکل اللحم
گوشت کھانے کا بیان

گوشت ایک متوازن غذا ہے، نبی اکرم ﷺ نے گوشت کو پسند فرمایا، شمائل ترمذی کی حدیث ہے، اتی النبی ﷺ بلحم فرفع الیہ الذراع، اس کے طبی فوائد بھی ہیں، لیکن اس کی عادت اور کثرت مضر بھی ہے۔

امام مالکؒ نے اہل مدینہ کی اتباع میں ان آثار کو باب میں ذکر کیا ہے جن میں حد اعتدال میں رہتے ہوئے گوشت استعمال کرنے کی بات ہے، تنعم اور لطف اندوزی کے بناء پر کھانے کی عادت بنانے سے روکا ہے۔

(۱) مالکٌ عَنْ یَحیٰ بِنِ سَعِیدٍ اَنَّ عُمَرَ بنَ الخَطَّابِؓ قالَ اِیَّاکُمْ وَاللَّحْمَ فَاِنَّ لَهُ ضَرَاوَةً کَضَرَاوَةِ الْخَمْرِ.

ترجمہ: یحیٰ بن سعید سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا، گوشت سے بچو؛ کیوں کہ اس کی بھی عادت ہو جاتی ہے جیسا کہ خمر کی عادت ہو جاتی ہے۔

لغت: ضراوۃ، ضاد کا فتحہ، ضری، ضراوۃ (س) کسی چیز کا عادی ہونا۔

شرح حدیث: جس طرح شراب پینے والوں کو شراب کی لت لگ جاتی ہے کہ اس کے بغیر جینا مشکل، اور اس کو چھوڑنا دشوار ہو جاتا ہے اسی طرح گوشت کی لت لگ جاتی ہے؛ لہٰذا اس کی کثرت استعمال سے بچنا چاہئے، اور اعتدال میں رہ کر کھانا چاہئے۔

(۲) مالکٌ عَنْ یَحیٰ بنِ سَعِیدٍ اَنَّ عُمَرَ بنَ الخَطَّابِؓ اَدْرَکَ جَابِرَ بنَ عَبدِاللهِ وَ مَعَهُ حِمَالُ لَحْمٍ فقالَ مَا هٰذَا فَقَالَ یَا اَمِیرَ الْمُؤْمِنِینَ قَرِمْنَا

اِلَى اللَّحْمِ فَاشْتَرَيْتُ بِدِرْهَمٍ لَحْمًا فَقَالَ عُمَرُ مَا يُرِيدُ اَحَدُكُمْ اَنْ يَطْوِیَ بَطْنَهُ عَنْ جَارِهِ اَوْ اِبْنِ عَمِّهِ اَيْنَ تَذْهَبُ عَنْكَ هٰذِهِ الْاٰيَةُ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِی حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا.

ترجمہ: یحیٰ بن سعید سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے حضرت جابر بن عبداللہ کو اس حال میں پایا کہ ان کے ساتھ ایک گوشت اٹھانے والا شخص تھا (یا گوشت کی گٹھری تھی) تو پوچھا یہ کیا ہے؟ تو حضرت جابر نے کہا اے امیر المؤمنین ہمیں گوشت کی شدید خواہش ہوئی تو میں نے ایک درہم کا گوشت خرید لیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کیا تم میں سے کوئی شخص یہ نہیں چاہتا کہ وہ اپنے ہم سایہ یا چچازاد بھائی کی خاطر بھوک برداشت کرلے؟ تم سے یہ آیت کیوں کر پوشیدہ رہ گئی، **اذهبتم الخ**، تم نے اپنی پاکیزہ چیزوں سے دنیا ہی میں فائدہ اٹھالیا اور آخرت میں اپنا مزہ ضائع کردیا۔

لغات: حمال، حاء کا کسرہ اور میم مخفف، گٹھری، ٹوکری، اور حاء کا فتحہ اور میم مشدد، بوجھ اٹھانے والا، قرم (س) گوشت کا خواہشمند ہونا، یطوی (س) الرجل، بھوکا رہنے کا ارادہ کرنا۔

شرح حدیث: اس حدیث کا بھی وہی مقصد ہے کہ حد اعتدال میں رہو، نفس کی ہر خواہش پوری کرنا، اور ہمیشہ مرغوب غذا استعمال کرنے کی عادت بنالینا اچھا نہیں ہے، کبھی اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دینا چاہئے؛ کیوں کہ جب پڑوسی بھوکا ہو تو بھوکے رہنے کی عادت ڈالی جائے، کہیں ایسا نہ ہو کہ اگر ہمیشہ ہم مرغوب غذا استعمال کریں تو اس آیت کا مصداق بن جائیں جس میں کہا گیا ہے، جو لذات تمہارے لئے مقرر تھیں وہ تو تم نے دنیا ہی میں حاصل کرلی ہیں اب آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

ماجاء فی لبس الخاتم

انگوٹھی پہننے کا بیان

(۱) مَالکٌ عَنْ عَبدِاللّٰهِ بنِ دِینَارٍ عَنْ عَبدِاللّٰهِ بنِ عُمرَ اَنَّ رَسولَ اللّٰهِ ﷺ کَانَ یَلبَسُ خَاتمًا مِنْ ذَهَبٍ ثُمَّ قَامَ رَسولُ اللّٰهِ ﷺ فَنبَذَهُ وَقالَ لَا اَلْبَسُهُ اَبدًا فَنبَذَ النَّاسُ خَوَاتِیمَهُمْ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سونے کی انگوٹھی پہنتے تھے پھر رسول اللہ ﷺ اٹھے اور اس کو پھینک دیا اور فرمایا میں اس کو کبھی بھی نہیں پہنوں گا، تو لوگوں نے اپنی اپنی انگوٹھیاں پھینک دیں۔

شرح حدیث: یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ مردوں کے لیے سونا مطلقاً حرام ہے آپ ﷺ نے مردوں کے لئے سونا حرام ہونے سے پہلے سونے کی انگوٹھی بنوائی تھی پھر جب مردوں کے لئے سونا حرام ہو گیا تو آپ نے اس کو نکال پھینکا اور فرمایا میں کبھی اس کو نہیں پہنوں گا اور امت کو بھی منع فرما دیا، پس جن لوگوں کے پاس سونے کی انگوٹھی تھی انہوں نے بھی اس کو نکال پھینکا، پھر جب خطوط پر مہر لگانے کی ضرورت پڑی تو آپ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی۔

(۲) مَالکٌ عَنْ صَدَقَةَ بنِ یَسَارٍ قَالَ سَاَلْتُ سَعیدَ ابنَ الْمُسَیَّبِ عَنْ لُبسِ الْخَاتَمِ فقالَ اِلْبَسْهُ وَأَخبِرِ النَّاسَ اَنِّی أَفْتَیتُکَ بِذَالِکَ.

ترجمہ: صدقہ بن یسار نے کہا میں نے سعید بن مسیبؒ سے (چاندی کی) انگوٹھی پہننے کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا اس کو پہنو! اور لوگوں کو بتاؤ کہ میں نے تجھے اس کا فتویٰ دیا ہے۔

شرح حدیث: ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ مردوں کے لئے سونے کی انگوٹھی پہننا حرام ہے، اور عورتوں کے لئے جائز ہے، اور چاندی کی انگوٹھی ایک مثقال کے بقدر (جس کا موجودہ وزن تقریبا۴ گرام ۴۷ ملی گرام ہوتا ہے) مردوں کے لئے مباح ہے، کچھ شامی حضرات نے مردوں کے لئے بادشاہ کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لئے چاندی کی انگوٹھی کو بھی ممنوع قرار دیا تھا، حضرت سعید بن میتبؒ سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا، جاؤ ان لوگوں سے کہہ دو کہ میں نے فتوی دیا ہے کہ چاندی کی انگوٹھی مردوں کے لئے مباح ہے۔ (اوجز:۲۹۳)

باب ماجاء
فی نزع التعالیق والجرس من العین

نظر کی وجہ سے گھنٹی اور لٹکائی جانے والی چیزوں کو اتارنے کا بیان

لغات: تعالیق واحد تعلیقة، کتاب کا حاشیہ مراد بچوں اور جانوروں کی گردن میں جو چیز لٹکائی جائے، الجرس، جیم اور راء کا فتحہ، اور راء کا سکون بھی، گھنٹی۔

اس باب کے تحت جس حدیث کو ذکر کیا ہے اس میں صرف اتنی بات ہے کہ جانوروں کی گردن سے پٹہ اتار دو، آں حضورﷺ نے اتارنے کا حکم کیوں دیا ہے، ممانعت کی کیا علت ہے؟ اس کی صراحت نہیں ہے امام مالکؒ نے اس کی علت بیان کی ہے کہ یہ اتارنا بدنظری کی وجہ سے تھا کہ لوگ جانوروں پر پٹہ اور گھنٹی ڈال دیتے تھے تا کہ نظر بد سے محفوظ رہیں اسی بنا پر امام مالکؒ نے اس حدیث کو اس باب کے تحت ذکر کیا ہے، دوسرے حضرات نے دوسری علت بیان کی ہے، امام محمدؒ سے یہ تاویل منقول ہے کہ ممانعت کی وجہ جانور کی تکلیف ہے؛ کیوں کہ کبھی کبھی اس کی وجہ سے پھندا لگ جاتا ہے، کبھی چرتے چرتے درخت وغیرہ سے پھنس جاتا ہے اس لئے آپ نے منع فرمایا ہے، اور گھنٹی کا باندھنا اس لئے ممنوع ہے تا کہ دشمن کو اس کے آنے کا علم نہ ہو جائے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے ہر بجنے والی چیز کے ساتھ شیطان ہوتا ہے اس بنا پر آپ

نے اتارنے کا حکم دیا، الجرس مزمار الشیطان .

فائدہ: زمانۂ جاہلیت میں ریشم سے بنے، یا اس طرح کا دوسرا دھاگہ مثلاً کمان کی تانت وغیرہ جس کو نظرِ بد سے حفاظت کے لئے باندھتے تھے آپ نے منع فرمایا تاکہ عقیدہ خراب نہ ہو جائے البتہ اگر کوئی ایسا تعویذ جس میں قرآن یا جائز الفاظ ہوں تو اسے نظرِ بد سے حفاظت کے لئے باندھنا درست ہے۔

(۱) مَالِكٌ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ أَنَّ أَبَا بَشِيرٍ الْأَنْصَارِيَّ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ كَانَ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ قَالَ فَأَرْسَلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ رَسُولاً قَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ حَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ وَالنَّاسُ فِي مَبِيتِهِمْ أَنْ لَا يُبْقَيَنَّ فِي رَقَبَةِ بَعِيرٍ قِلَادَةٌ مِنْ وَتَرٍ أَوْ قِلَادَةٌ إِلَّا قُطِعَتْ قَالَ مَالِكٌ أَرَىٰ ذَالِكَ مِنَ الْعَيْنِ.

ترجمہ: ابوبشیر انصاریؓ نے عباد بن تمیم کو بتلایا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کسی سفر میں تھے، ابوبشیر نے کہا کہ آپ ﷺ نے ایک قاصد کو بھیجا (حدیث کے راوی) عبداللہ بن ابی بکر نے کہا میرا گمان یہ ہے (میرے استاذ عباد بن تمیم نے) فرمایا جبکہ لوگ اپنے آرام گاہوں میں تھے، کہ کسی اونٹ کی گردن میں تانت کا پٹہ یا کوئی اور پٹہ نہ رہنے دیا جائے مگر اس کو کاٹ دیا جائے، امام مالکؒ نے فرمایا کہ میرا خیال یہ ہے کہ یہ پٹہ نظر کی وجہ سے تھا۔

فائدہ: حسبت انه قال والناس فی مبیتهم الخ : حدیث کے راوی عبداللہ بن ابی بکر کو یا تو پورے جملے میں شک ہے، کہ میرے شیخ نے کیا کہا البتہ ان کا ظنِ غالب یہ ہے کہ انہوں نے یہ جملہ کہا ہو، بعض نسخوں میں مبیتهم کے بجائے مقیلهم ہے لہذا راوی کو صرف اس لفظ پر شک ہے نہ کہ پورے جملے پر۔ (اوجز ص ۲۹۵)

الوضوء من العین
نظر کی وجہ سے وضو کا بیان

بدنظری کا اثر ایک مسلم حقیقت ہے، حق تعالی نے بعضوں کی نظر میں سحر و جادو کی طرح یہ خاصیت رکھی ہے جس چیز کو لگ جاتی ہے اس کی تباہی اور نقصان کا ذریعہ بن جاتی ہے جمہور علماء کی یہی رائے ہے، معتزلہ اس کے منکر ہیں، ان کا کہنا ہے کہ جس کا وقوع تقدیر میں لکھ دیا گیا ہے اس میں کسی اور چیز کا دخل نہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ تقدیر کے لکھے ہوئے کو کوئی بدل نہیں سکتا؛ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ تقدیر اور اسباب میں کوئی منافات بھی نہیں، چنانچہ نظر میں اللہ تعالی نے ایک خاصیت اور تاثیر رکھی ہے جو ہلاکت اور نقصان کا سبب بنتی ہے، جبکہ شارع علیہ السلام نے ایک حدیث میں العین حق واضح کردیا ہے کہ نظر میں تاثیر ہے جس کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ بعض کی نظر اتنی زہریلی ہوتی ہے کہ جب کوئی چیز ان کی نگاہ میں چبھتی ہے تو ان کی آنکھ سے زہریلی شعائیں نکلتی ہیں اور معیون (جس کو نظر لگی ہے) کو متاثر کردیتی ہیں، جیسے بعض سانپوں کی نظر سے نظر مل جائے تو ان کی آنکھوں سے زہر نکلتا ہے اور آدمی کو اندھا کردیتا ہے، اسی طرح نظرِ بد کو سمجھنا چاہئے کہ کبھی عام آدمی کی نظر بھی لگ جاتی ہے؛ بلکہ کبھی کبھی ماں باپ کی بھی نظر بچے کو لگ جاتی ہے مگر یہ مہلک نہیں ہوتی ایسے وقت میں برکت کی دعا دینی چاہیے مثلاً ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ کہنا چاہیے امام مالکؒ نے اس باب کے تحت دو حدیثوں کو ذکر کیا ہے اور ان دونوں میں نظرِ بد کا علاج مذکور ہے، احادیث میں نظرِ بد کے دو علاج ہیں، ایک غسل، دوسرا جھاڑ، اس باب میں غسل کا ذکر ہے، آئندہ باب میں جھاڑ کا ذکر ہے، غسل کی کیفیت کو شرح حدیث کے تحت ذکر کیا جائیگا؛ لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے

جبکہ عائن (جس کی نظر لگی ہے) معلوم ہو اور وہ غسل پر راضی ہو، آج یہ صورت مشکل ہے، اگر کسی طرح معلوم بھی ہو جائے تو وہ اپنی بدنامی کے ڈر سے جھجکتا ہے، لہٰذا دوسری صورت کے ذریعہ علاج عام ہے۔ (تلخیص از اوجز ص ۲۹۶ تحفہ ص ۲۰۰ ج ۵)

(۱) مَالِکٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سُهَيْلِ بْنِ حُنَيْفٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَاهُ يقول اِغْتَسَلَ ابي سهيلٌ بِالخَرَّارِ فنزع جُبَّةً كانَتْ عليهِ وعَامِرُ بنُ رَبيعةَ يَنظُرُ قال و كان سَهْلٌ رجلا ابيضَ حسنَ الجلدِ قالَ فقالَ لهُ عامرُ بنُ رَبيعةَ ما رايتُ كاليومِ ولا جلْدَ عَذْرَاءَ فَوُعِكَ سهلٌ مكانَه واشْتَدَّ وَعْكُهُ فَأُتِيَ رسولُ الله ﷺ فَأُخبِرَ اَنَّ سهلا وُعِكَ وانَّه غيرُ رَائِحٍ معكَ يا رسولَ الله فَاَتى رسولُ الله ﷺ فَاَخبرَهُ سهلٌ بِالذِى كانَ مِن شَانِ عامرٍ فقالَ رسولُ الله عَلامَ يَقْتُلُ احدُكُم اَخاهُ اَلَّا بَرَّكْتَ عليهِ اِنَّ العَيْنَ حقٌ تَوَضَّأ لَه فَتَوَضَّأ لَه عَامِرٌ فَرَاحَ سهلٌ مَعَ رسولِ الله ﷺ لَيْسَ بِهِ بَاسٌ .

ترجمہ: ابوامامہ بن سہل بن حنیف نے اپنے والد کو کہتے ہوئے سنا، ابوامامہ نے کہا کہ میرے والد صاحب نے خرار کے مقام پر غسل کیا تو انہوں نے اپنے اوپر جو جبہ تھا اتارا اور عامر بن ربیعہ دیکھ رہے تھے (ابوامامہ نے) کہا کہ سہل سفید فام خوبصورت جلد والے آدمی تھے، عامر بن ربیعہ نے ان کے متعلق کہا میں نے آج کی طرح (خوبصورت شخص) نہیں دیکھا، اور نہ ہی کسی کنواری دوشیزہ کی ایسی جلد دیکھی، (راوی نے کہا) تو سہل کو اسی جگہ بخار آ گیا اور سخت بخار آیا، تو رسول اللہ ﷺ کے پاس کوئی آیا اور آپ کو خبر دی گئی کہ اے اللہ کے رسول سہل کو بخار آ گیا ہے وہ آپ کے ساتھ سفر نہیں کر سکتے، تو رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے تو حضرت سہل نے آپ ﷺ کو وہ واقعہ بتایا جو عامر کی طرف سے پیش آیا آپ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو کیوں قتل کرتا ہے؟ تم نے اسے برکت کی دعا کیوں نہیں دی؟ نظر لگنا برحق ہے اس کے لیے وضو کرو، عامر نے ان کے لیے وضو کیا تب سہل رسول اللہ ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئے انہیں کوئی تکلیف نہ رہی۔

لغات: خرار: خاء کا فتح راء اول مشدد، جحفہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے، عذراء: باکرہ، جمع عذاری، عذراوات، رائح: (ن) راح روحاً، شام کے وقت آنا، مطلقاً جانا، علام: اصل میں علی ما بمعنی لا ی شی ہے،

ألاّ برکت: تم نے برکت کی دعا کیوں نہیں دی، جب کوئی نظر میں بھا جائے تو اس کو برکت کی دعاء دینی چاہیے تا کہ وہ نظرِ بد سے محفوظ رہے، ایک دعاء اوپر گزری دوسری دعاء، اللھم بارک فیه ولاتضره. یاتبارک الله احسن الخالقین اللھم بارک فیه؛

فتوضأ له عامر الخ، آئندہ حدیث میں اس کی تفصیل آرہی ہے۔

(۲) مَالکٌ عَنِ ابنِ شِهابٍ عَنْ اَبِی اُمَامَةَ بنِ سَهلِ بنِ حُنَیْفٍ اَنَّهٗ قَالَ رَأی عَامِرُ بنُ رَبِیعَةَ سَهلَ بنَ حُنَیْفٍ یَغْتَسِلُ فقالَ مَا رَأیتُ کَالیَومِ وَلاَ جِلْدَ مُخَبَّأَةٍ فَلُبِطَ بِسَهلٍ مَکَانَهٗ فَاُتِیَ رَسولُ اللهِ ﷺ فَقِیلَ یَا رَسولَ اللهِ هَلْ لَکَ فِی سَهلِ بنِ حُنَیفٍ وَاللهِ مَا یَرْفَعُ رَاسَهٗ قالَ هَلْ تَتَّهِمُونَ بِهٖ اَحَدًا فقالُوا نَتَّهِمُ عَامرَ بنَ رَبِیعةَ قالَ فَدَعَا رَسولُ اللهِ ﷺ عَامِرًا فَتَغَیَّظَ عَلَیهِ وَقالَ عَلامَ یَقْتُلُ أَحَدُکُمْ أخاهُ؟ أَلَّا بَرَّکْتَ اِغْتَسِلْ لَهٗ فَغَسَلَ لَهٗ عَامِرٌ وَجْهَهٗ وَیَدَیهِ وَ مِرفَقَیهِ وَرُکْبَتَیهِ وَأَطْرَافَ رِجْلَیهِ وَدَاخِلَةَ اِزَارِهٖ فِي قَدَحٍ ثُمَّ صُبَّ عَلَیهِ فَرَاحَ سَهْلٌ مَعَ النَّاسِ لَیسَ بِهٖ بَأْسٌ

ترجمہ : ابوامامہ بن سہل بن حنیف نے کہا کہ عامر بن ربیعہ نے سہل بن حنیف کو غسل کرتے دیکھا تو اس نے کہا میں نے آج کی طرح (کسی خوبصورت شخص کو) اور نہ کسی پردہ نشیں کا ایسا جسم دیکھا، پس سہل اسی جگہ (بیمار ہوکر) گر گئے، ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ آپ کے پاس سہل بن حنیف کا کوئی علاج ہے، بخدا وہ اپنا سر اٹھا نہیں سکتا، تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم لوگ اس کے متعلق کسی پر (نظرِ بد) کا الزام دھرتے ہو؟ تو لوگوں نے کہا کہ ہم عامر بن ربیعہ پر الزام دھرتے ہیں (راوی نے کہا) پھر رسول اللہ ﷺ نے عامر کو بلایا اور اس پر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا، کیوں تم میں سے کوئی

اپنے بھائی کو قتل کرتا ہے؟ تو نے برکت کی دعاء کیوں نہیں دی؟ اس کے لیے غسل کر، تو عامر نے اپنا منھ، ہاتھ، دونوں کہنیاں، دونوں گھٹنے، اپنے پاؤں کے اطراف اور اپنے تہبند کے اندرونی حصہ کو ایک پیالہ میں دھویا پھر اسے سہل پر ڈال دیا گیا تو سہل لوگوں کے ساتھ چل پڑے ان کو کوئی تکلیف نہ تھی۔

لغات: مخبأة ،میم کا ضمہ، خا اور باء مشدد کا فتحہ ، پردہ نشیں، وہ لڑکی جس کی شادی نہ ہوئی ہو، لبط ،لام کا ضمہ اور باء کا کسرہ، ن ض، لبط به ، کسی مرض اور اچانک کسی معاملے کے پیش آنے کی وجہ سے گر پڑنا، تتهمون ،اتهم بكذا ،تہمت لگانا، بدگمانی کرنا۔

شرح حدیث: اغتسل له فغسل الخ، علماء نے نظر زدہ (معیون) کیلئے عاین کے وضو اور دھونے کا طریقہ یہ بیان کیا ہے، کہ جس شخص کے بارے میں یہ تحقیق ہو کہ اس نے نظر لگائی ہے اس کے پاس کسی برتن یا بالٹی وغیرہ میں پانی بھر کر لایا جائے اس برتن کو زمین پر نہ رکھا جائے پھر نظر لگانے والا اسی برتن سے ایک چلو پانی لیکر اسی برتن میں کلی کرے، اسی پانی سے اپنا چہرہ دھوئے پھر بائیں ہاتھ سے پانی لیکر دائیں کہنی اور دائیں ہاتھ سے پانی لیکر بائیں کہنی کو دھوئے ،اور ہتھیلی اور کہنی کے درمیانی حصہ کو نہ دھوئے پھر بائیں ہاتھ سے پانی لیکر دائیں پاؤں، اور دائیں ہاتھ سے پانی لیکر بائیں پاؤں کو دھوئے، پھر اسی طرح دایاں گھٹنا، پھر بائیں گھٹنا دھوئے پھر آخر میں تہبند کے اندرونی حصہ کو دھوئے، پھر جس کو نظر لگی ہے اس پر پیچھے سے یکبارگی وہ سارا پانی ڈال دے۔

وداخلةازاره الخ: تہبند کے اندرونی حصہ سے کیا مراد ہے؟ اس میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں اس سے مذاکیر، یعنی ذکر اور دونوں فوطے مراد ہیں، کہ اس کو برتن میں دھوئے، اور بعض کے نزدیک دونوں ران اور اس کا بالائی حصہ مراد ہے۔

(اوجز ص ۳۰۱، مرقات ۳۸۰ ج ۸)

اس طرح کا علاج عقل وفہم سے بالاتر ہے اس کا تعلق اسرار وحکم سے ہے اور مخبر صادق نے خبر دی ہے نیز زمانۂ جاہلیت میں اس علاج کا رواج تھا، تجربہ سے ثابت ہے اللہ تعالی نے اس میں تاثیر رکھ دی ہے اور بس۔

الرقية من العين

نظرِ بد سے جھاڑ پھونک

تمام علماء کا اتفاق ہے کہ چند شرطوں کے ساتھ جھاڑ پھونک جائز ہے ،(۱) آیت قرآنیہ،اللہ کے اسماء وصفات ،یا احادیث نبویہ سے ہو،(۲) ایسی زبان میں ہو جس کا معنی معلوم ہو(تا کہ وہ سمجھ سکے کہ کوئی شرکیہ الفاظ تو نہیں ہیں)(۳) غیر اللہ سے استمد اد نہ ہو (۴) مؤثر بالذات ہونے کا اعتقاد نہ رکھتا ہو؛ بلکہ مؤثر حقیقی اللہ تعالی ہی کو جانتا ہو۔

(۱) مالكٌ عنْ مُحمدِ بن قَيْسِ الْمَكِّيِّ اَنَّهُ قالَ دَخَلَ عَلى رَسولِ اللهِ ﷺ بِابْنَيْ جَعْفَرِ ابنِ اَبِي طالبٍ فقالَ لِحَاضِنَتِهِمَا مَالِي اَرَاهُمَا ضَارِعَيْنِ فَقالتْ حَاضِنَتُهُمَا يَا رسولَ اللهِ ﷺ اِنَّهُ تَسْرَعُ اِلَيْهِمَا الْعَيْنُ وَلَمْ يَمْنَعْنَا اَنْ نَسْتَرْقِيَ لَهُمَا اِلَّا اَنَّا لا نَدْرِيْ مَا يُوَافِقُكَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ اِسْتَرْقُوا لَهُمَا فَاِنَّهُ لَوْ سَبَقَ شَيْءٌ الْقَدْرَ لَسَبَقَتْهُ الْعَيْنُ.

ترجمہ : احمد بن قیس مکی نے کہا کہ نبی پاک ﷺ کے پاس جعفر بن ابی طالب کے دو بیٹے لائے گئے حضور ﷺ نے ان کی دایہ سے کہا کیا بات ہے میں ان کو کمزور (دبلا پتلا) دیکھ رہا ہوں؟ ان کی دایہ نے کہا اے! اللہ کے رسول ﷺ ان کو نظر جلدی لگ جاتی ہے اور ہم کو ان کے جھاڑ پھونک سے (کسی بات نے) نہیں روکا مگر یہ کہ ہم نہیں جانتے کہ ان میں سے کونسی بات آپ کو موافق ہوگی آپ ﷺ نے فرمایا اسے دم کراؤ؛ کیونکہ اگر کوئی چیز تقدیر سے آگے بڑھ سکتی تو نظرِ بد بڑھ جاتی۔

لغات: حاضن ،ن، حضنا ،حضانت، پرورش کرنا، حاضن ،دایہ،ضارع، لاغر، کمزور،ک، کمزور ہونا۔

جعفر بن ابی طالب نبی کریم ﷺ کے چچازاد بھائی، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی، حضرت علی سے دس سال بڑے تھے ۸ھ میں غزوہ موتہ میں شہید ہوئے ان کے تین لڑکے تھے، عبداللہ، عون، محمد، ان میں سے دو کو ان کی دایہ لیکر آئی۔

لو سبق شیء القدر الخ: اس کائنات میں کوئی چیز تقدیر کے دائرے سے باہر نہیں ہے، اور نہ باہر نکلنے کی طاقت رکھتی ہے، اگر بالفرض کوئی چیز ایسی طاقت رکھ سکتی کہ وہ تقدیر کے دائرے کو توڑ کر نکل جائے تو وہ نظرِ بد ہوتی گویا آپ نے اس جملہ سے بدنظری کی تاثیر اور اس کی سرعت نفوذ کو بطور مبالغہ بیان فرمایا ہے۔

(۲) مالکٌ عنْ یَحیٰ بنِ سَعیدٍ عنْ سُلَیمانَ بنِ یَسَارٍ اَنَّ عُرْوَۃَ بنَ الزُّبَیرِ حَدَّثَہُ اَنَّ رَسولَ اللہِ ﷺ دَخلَ بَیْتَ اُمِّ سَلَمَۃَ زَوْجِ النَّبیِّ ﷺ وَفِی الْبَیتِ صَبِیٌّ یَبْکِیْ فَذَکَرُوْا اَنَّ بِہِ العَینَ قالَ عُرْوَۃُ فقالَ رَسولُ اللہِ ﷺ اَلَا تَسْتَرْقُونَ لَہُ مِنَ الْعَینِ .

ترجمہ: عروہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے تو گھر میں ایک بچہ رو رہا تھا تو لوگوں نے اس کے بارے میں بتایا کہ اس کو نظر لگی ہے، عروہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم لوگ اس کو بدنظری سے جھاڑ پھونک کیوں نہیں کراتے ہو

ماجاء فی اجر المریض

بیمار کے اجر وثواب کے بیان میں

(۱)مالکٌ عنْ زَیدِ بنِ أسلمَ عنْ عَطاءِ ابنِ یَسارٍ أَنَّ رَسولَ اللهِ ﷺ قالَ اِذَا مَرِضَ العَبْدُ بَعثَ اللهُ تَعالٰی اِلَیْهِ مَلَکَیْنِ فقالَ انْظُرَا مَاذَا یَقُولُ لِعُوَّادِهٖ فَاِنْ هُوَ اِذَا جَاءُ وهُ حَمِدَاللهَ وَأَثْنٰی عَلَیهِ رَفَعَا ذٰلِکَ اِلَی اللهِ وَهُوَ أَعْلَمُ فیقولُ لِعَبْدِی عَلَیَّ اِنْ اَنَا تَوَ فَّیْتُهٗ أَنْ أُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ وَاِنْ أَنَا شَفَیْتُهٗ أَنْ أُبْدِلَ لَهٗ لَحماً خَیراً مِنْ لَحمِهٖ وَدَماً خَیراً مِنْ دَمِهٖ وَأَنْ أُکَفِّرَ عَنْهُ سَیِّئَاتِهٖ .

ترجمہ: عطا ابن یسار سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب بندہ بیمار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس دو فرشتوں کو بھیجتا ہے اور کہتا ہے کہ دیکھو، اس تیمار دار کو، اپنے مزاج پرسی کرنے والوں کو کیا کہتا ہے، پس اگر اس کے پاس مزاج پرسی کرنے والے آئیں اور وہ بیمار اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرے تو وہ دونوں فرشتے یہ بات اللہ تعالیٰ تک پہنچاتے ہیں، حالانکہ اللہ خوب جانتا ہے، بس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے ذمے میرے (اس) بندے کا یہ حق ہے کہ اگر میں اس کو موت دوں تو میں اس کو جنت میں داخل کروں گا، اور اگر میں اسے شفاء دوں تو اس کے گوشت کو بہتر گوشت، اور اس کے خون کو بہتر خون سے بدل دوں گا، اور (اس کی بیماری کو) اس کے گناہوں کا کفارہ بنادوں گا۔

شرح حدیث: جب کوئی بندہ بیمار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ دو خاص فرشتوں کو یہ حکم دے کر بھیجتا ہے کہ وہ دیکھیں کہ وہ اپنے مزاج پرسی کرنے والوں سے کیا کہتا ہے؟ اگر وہ

صبر وشکر ادا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر میں نے اس بندے کی اس حالت میں موت دے دی تو میں اس کو بلا حساب وسزا کے جنت میں داخل کروں گا اور اگر میں نے اسے شفاء دے دی تو بہتر صحت عطاء کروں گا۔

أن ابدلهٗ لحماً الخ: اس جملے کا ایک مطلب تو وہی ہے جو شرح حدیث کے تحت بیان کیا گیا، دوسرا مطلب یہ ہے کہ گوشت اور خون ایسا ہو جاتا ہے کہ پہلے کے مقابلے میں بیماری کم لگتی ہے یا عبادت اور اللہ کی اطاعت اور بندگی میں مزا آنے لگتا ہے۔

أن اكفر عنه سياته الخ: بیماری اس کے لیے اس کے صغائر کا کفارہ بن جاتی ہے (اور اگر اللہ چاہے تو کبائر کا کفارہ بننا بھی مانع نہیں ہے) خواہ بیماری پر صبر کرے یا نہ کرے گویا کفارہ کا ترتب نفسِ بیماری پر ہے۔ بعض حضرات نے اس مخصوص ثواب کے لیے بیماری کو صبر کے ساتھ مقید کیا ہے۔ (اوجز ص ۳۰۵)

(۲) مَالِكٌ عَنْ يَزِيدَ بنِ خُصَيْفَةَ عَنْ عُرْوَةَ بنِ الزُّبَيْرِ أَنَّهُ قَالَ سَمِعْتُ عَائِشَةَ ؓ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ تَقُولُ قَالَ رسولُ اللهِ ﷺ لَا يُصِيبُ المُؤْمِنَ مِنْ مُصِيبَةٍ حَتَّى الشَّوْكَةِ إِلَّا قُصَّ بِهَا أَوْ كُفِّرَ بِهَا لَا يَدْرِي يَزِيدُ أَيَّتَهُمَا قَالَ عُرْوَةُ.

ترجمہ: حضرت عروہ بن زبیرؓ نے کہا کہ میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مؤمن کو کوئی رنج (مصیبت) لاحق نہیں ہوتی یہاں تک کہ کانٹا (چبھنا) بھی، مگر یہ کہ اس سے اس کے گناہ میں کمی کر دی جاتی ہے یا اس کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ یزید کو معلوم نہیں عروہ نے قص کہا یا کفر۔

شرح حدیث: اصاب یصیب انسان پر مطلق مصیبت کا آنا، خواہ وہ بڑی ہو یا چھوٹی آگے حتی الشوکۃ سے اسی طرف اشارہ ہے؛ چنانچہ انسان پر جو بھی مصیبت آتی ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کے گناہوں کے کفارہ کا ذریعہ بنا دیتے ہیں۔

قص او کفر الخ: حضرت عروہ کے شاگرد یزید کو اس لفظ کے بارے میں شک ہے کہ حضرت عروہ نے قص کہا یا کفر بعض روایت میں کفر ہے اور ابن حبان کی روایت میں

"الا رفع اللہ بھا درجۃ وحط عنہ بھا خطیئۃ" ہے، لہٰذا دونوں کا حصول بعید نہیں۔ ایک تیسرا احتمال یہ ہے کہ جن لوگوں نے گناہ کا کام کیا ہے ان کے گناہوں میں کمی کردی جاتی ہے اور جنہوں نے گناہ کا کام کیا ہی نہیں یا ان کے گناہ نہیں ہیں ان کے درجات بلند کردیے جاتے ہیں۔

(۳)مالکٌ عَنْ مُحمدِ بْنِ عَبدِاللهِ بنِ أَبِي صَعْصَعَةَ أَنَّهُ قالَ سَمِعْتُ أَبَا الْحُبَابِ سَعِيدَ بنَ يَسارٍ يَقُولُ سَمِعتُ اَبَا هُرَيرَةَؓ يَقُولُ قالَ رسولُ اللهِ ﷺ مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيراً يُصِبْ مِنْهُ.

ترجمہ: سعید بن یسار کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہؓ کو کہتے ہوئے سنا کہ وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اس کو کسی مصیبت میں مبتلا کردیتا ہے (تاکہ یہ مصیبت اس کے گناہوں کی معافی کا ذریعہ اور بلندیٔ درجات کا سبب بن جائے۔

(۴) مالکٌ عَنْ يحيَ بنِ سَعيدٍ أَنَّ رَجُلاً جَاءَهُ الْمَوْتُ فِيْ زَمَانِ رَسولِ اللهِ ﷺ فقالَ رَجُلٌ هَنِيئاً لَهُ مَاتَ وَلَمْ يُبْتَلَ بِمَرَضٍ فقالَ رسولُ اللهِ ﷺ وَيْحَكَ وَمَايُدْرِيكَ لَوْ أَنَّ اللهَ ابْتَلاهُ يُكَفِّرُ بِهٖ مِنْ سَيِّئَاتِهٖ.

ترجمہ: یحیٰ بن سعید سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک شخص کی موت ہوگئی تو ایک شخص نے کہا کہ اس کے لیے مبارک ہو کہ اس کی موت ہوگئی اور کسی بیماری میں مبتلا نہیں ہوا آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تجھ پر رحم کرے تجھے کیا پتہ۔ اگر اللہ اس کو کسی بیماری میں مبتلا کرتا تو وہ بیماری اس کے گناہوں کا کفارہ ہوجاتی۔

شرح حدیث: یعنی تمہیں کیا معلوم ہے کہ بیماری سے سلامتی اس کے لیے بہتر ہے؛ چوں کہ کوئی بھی غیر معصوم گناہ سے محفوظ نہیں، لہٰذا بیماری اس کے گناہوں کے مکافات اور رفع درجات کا سبب بن جاتی۔ (اوجز، ص ۳۰۷)

التعوذ والرقیة فی المرض

بیماری میں جھاڑ پھونک اورتعوذ کا بیان

سابق باب میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ بیماری گناہوں کا کفارہ اور رفع درجات کا ذریعہ اور سبب ہے؛ لہٰذا اگر کوئی بیمار ہو جائے تو اس کا علاج اور جھاڑ پھونک کرنا اور اس کے ازالے کے اسباب اختیار کرنا درست ہوگا یا نہیں؟

امام مالکؒ نے اس باب میں ان احادیث کو ذکر کیا ہے جن میں بیماری کا علاج اور اس کے دور کرنے کے اسباب کو بیان کیا گیا ہے۔

(۱) مَالِكٌ عَنْ يَزِيدَ بْنِ خُصَيفَةَ أَنَّ عَمرَو بنَ عَبدِاللهِ بنِ كَعْبٍ السَّلَمِيَّ أَخْبَرَهُ أَنَّ نَافِعَ بنَ جُبَيْرِ بنِ مُطْعِمٍ أَخْبَرَهُ عَنْ عُثمانَ بنِ أَبِي الْعَاصِ أَنَّهُ أَتَىٰ رَسولَ اللهِ ﷺ قَالَ عثمانُ وَبِي وَجَعٌ قَدْ كَانَ يُهْلِكُنِي قَالَ فَقَالَ رَسولُ اللهِ ﷺ اِمْسَحْهُ بِيَمِينِكَ سَبعَ مَرَّاتٍ وَقُلْ أَعُوذُ بِعِزَّةِ اللهِ وَقُدْرَتِهِ مِن شَرِّمَا أَجِدُ قَالَ فَقُلْتُ ذَالِكَ فَأَذْهَبَ اللهُ مَاكَانَ لِي فَلَمْ أَزَلْ اٰمُرُبِهٖ أَهْلِي وَغَيْرَهُمْ.

ترجمہ: عثمان بن ابی العاصؓ سے روایت ہے کہ: وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، عثمان نے کہا: مجھے ایسا درد تھا کہ قریب تھا کہ وہ مجھے ہلاک کر دیتا۔

عثمان نے کہا کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (درد کی جگہ) اپنا دایاں ہاتھ سات مرتبہ پھیر، اور یہ دعاء پڑھ اعوذ بعزة الله الخ اللہ کی عزت اور قدرت کی پناہ لیتا ہوں اس بیماری کے شر سے جو میں پاتا ہوں، عثمان نے کہا: میں نے یہ پڑھا، تو اللہ تعالیٰ نے میری وہ

تکلیف دور کردی، پھر میں برابر اپنے گھر والوں کو اور دوسروں کو اس کا حکم دیتا تھا۔

شرح حدیث: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیماری کا ازالہ اور دور کرنے کے اسباب اختیار کرنا درست ہے، خواہ وہ دواء کے ذریعہ ہو، یا جھاڑ پھونک کے ذریعہ، حدیث میں جو دعاء ہے یا تو ہر مرتبہ ہاتھ پھیرتے وقت ایک بار پڑھے یا سات بار پڑھ کر ہاتھ پھیرے اور اس جگہ دم کردے۔ (اوجز ص ۳۰۸)

(۲) مَالِکٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ ؓ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ إِذَا اشْتَكَى يَقْرَأُ عَلَى نَفْسِهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ وَيَنْفُثُ قَالَتْ فَلَمَّا اشْتَدَّ وَجَعُهُ كُنْتُ أَنَا أَقْرَأُ عَلَيْهِ وَأَمْسَحُ عَلَيْهِ بِيَدِهِ رَجَاءَ بَرَكَتِهَا.

ترجمہ: حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ بیمار ہوتے تو اپنے اوپر معوذات پڑھتے اور دم کرتے، حضرت عائشہ نے کہا جب آپ کا درد بڑھ گیا تو میں آپ پر پڑھتی اور میں برکت کی امید سے آپ ہی کے ہاتھ کو (آپ کے جسم پر) پھیرتی۔

یقرأ علی نفسه بالمعوذات الخ: معوذات سے کیا مراد ہے؟ اس میں کئی احتمال ہیں۔

(۱) معوذات سے مراد سورۂ فلق، سورۂ ناس اور سورۂ اخلاص یعنی "قل هو الله احد" ہے۔

(۲) صرف سورۂ فلق اور سورۂ ناس ہیں۔ اور جمع سے مافوق الواحد مراد ہے۔

(۳) صرف سورۂ اخلاص پر تغلیباً معوذات کا اطلاق کردیا جاتا ہے۔

(۴) قرآن کریم کی وہ تمام آیتیں، اور ادعیۂ ماثورہ جن میں تعوذ والی دعاء ہے جیسے: وقل رب اعوذبک من همزات الشياطين الخ اسی طرح فاستعذ بالله من الشيطن الرجيم، اسی طرح اعوذ بعزة الله الخ.

وینفث فاء کا ضمہ اور کسرہ نفث کہتے ہیں تھوک کے ذرات کے بغیر پھونک مارنا۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ہلکے تھوک کے ذرات کے ساتھ پھونک مارنا، نبی کریم ﷺ

جب سونے کے ارادہ سے بستر پر تشریف لے جاتے، تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اکٹھا کرتے پھر معوذتین پڑھ کر دم کرتے پھر پورے بدن پر پھیرتے۔ (تکملہ،ص ۲۷۶، ج ۱۰)

(۳) مَالِكٌ عَنْ يَحيَ بنِ سَعِيدٍ أَنَّ عَمرَةَ بِنْتَ عَبدِالرَّحمٰنِ أَنَّ أَبَا بَكرٍ الصِّدِّيقِ دَخَلَ عَلَى عَائِشَةَ وَهِيَ تَشْتَكِي وَيَهُودِيَّةٌ تَرْقِيهَا فقالَ أَبُوبَكرٍ ارْقِيهَا بِكِتَابِ اللّٰهِ.

ترجمه: حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لے گئے اور وہ بیمار تھیں، ایک یہودی عورت انہیں دم کر رہی تھی، حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ ان کو اللہ کی کتاب سے دم کرو۔

ارقیها بکتاب الله الخ: اللہ کی کتاب سے مراد تورات کا وہ حصہ ہے، جو تحریف شدہ نہ ہو، چوں کہ تحریف شدہ تورات سے رقیہ جائز نہیں۔

اہل کتاب سے جھاڑ پھونک کرانا، حضرت ابوبکر صدیقؓ کے نزدیک درست ہے امام مالکؒ کے نزدیک مکروہ ہے۔ دونوں قول میں کوئی اختلاف نہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کے نزدیک اس صورت میں درست ہے جب کہ غیر محرف تورات سے دم کرے اور امام مالکؒ کے نزدیک اس صورت میں مکروہ ہے، جب محرف شدہ سے دم کرنے کا احتمال ہو۔ (اوجز، ص ۳۰۹)

تعالج المریض

بیمار کے علاج کا بیان

جس طرح بھوک مٹانے کے لیے کھانا کھانا توکل کے خلاف نہیں، اسی طرح بیماری دور کرنے کے لیے علاج و معالجہ اور اسباب اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں۔

جمہور امت علاج کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں؛ بلکہ بعض استحباب کے قائل ہیں۔ بعض غالی صوفیا علاج و معالجہ کے منکر ہیں، اور وہ اس کو توکل کے خلاف سمجھتے ہیں، حالاں کہ سید المتوکلین ﷺ نے بھی علاج کیا: چوں کہ یہ دنیا اسباب کی دنیا ہے تو صحت کے اسباب اختیار کرنا، اور مرض کے اسباب سے بچنا ضروری ہے، ورنہ اسباب بے فائدہ ہوں گے۔

پھر اسباب کی تین قسمیں ہیں: (۱) **قطعی اور یقینی** یعنی وہ اسباب جن پر عادۃً نفع مرتب ہونا یقینی ہو، مثلاً: پانی، پیاس بجھانے کے لیے اور کھانا بھوک مٹانے کے لیے قطعی سبب ہے، اس کو ترک کرنا توکل نہیں، چوں کہ عادۃً اس پر نفع مرتب ہونا یقینی ہے۔ بعض اوقات ایسے اسباب کے ترک سے گناہ گار ہونا لازم آئے گا۔

(۲) **ظنی**: وہ اسباب جن کے اختیار کرنے پر غالباً نفع مرتب ہوتا ہے، مگر تخلف بھی ہو جاتا ہے، مثلاً: دواء و علاج، اس کو اختیار کرنا نہ تو توکل کے خلاف ہے اور نہ ہی چھوڑنا گناہ ہے۔

(۳) **وھمی**: جس کو طول امل کہتے ہیں، اس کا ترک کرنا ضروری ہے (جیسے دنیا کی حرص اور موت کی تیاری سے غافل کر دینے والے اسباب)۔

جن اسباب کو اختیار کرنے کی شریعت نے اجازت دی ہے، بندے کو ان کا اختیار کرتے

وقت اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہونا چاہئے؛ کیوں کہ اسباب محض اسباب ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں، وہ خودکار نہیں، اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو اسباب کام کریں گے ورنہ نہیں۔

(۱) مالکٌ عنْ زَيدِبنِ أَسلَمَ أَنَّ رَجلاً فِي زَمانِ رسولِ اللهِ ﷺ أَصَابَهُ جُرْحٌ فَاحْتَقَنَ الجُرْحُ الدَّمَ وَأَنَّ الرَّجلَ دَعٰى رَجُلَينِ مِنْ بَنِي أَنْمَارٍ فَنَظَرَا اِلَيهِ فَزَعَمَاأَنَّ رسولَ اللهِ ﷺ قالَ: لَهُمَا أَيُّكُمَا أَطَبُّ فقالَ أَوَفِي الطِّبِّ خَيرٌ؟ يَا رسولَ اللهِ! فَزَعَمَ زَيدٌأَنَّ رسولَ اللهِ ﷺ قالَ: أَنْزَلَ الدَّوَاءَ الَّذِي أَنْزَلَ الْأَدْوَاءَ.

ترجمه: زید بن اسلم سے روایت ہے کہ ایک شخص کو زخم لگا اور زخم نے خون کو روک لیا (پیپ بننے لگا) اس آدمی نے بنی انمار کے دو شخصوں کو بلایا، ان دونوں نے اسے دیکھا تو کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں سے فرمایا: تم دونوں میں سے کون علم طب کو زیادہ جانتا ہے؟ تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ! کیا طب میں کوئی خیر ہے؟ راوی زید نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دواء اسی نے اتاری، جس نے بیماریاں اتاری ہیں۔

لغات: اطب باء مشدد، ای اعلم بالطب، ادواء، جمع داء، مرض، بیماری۔

شرح حدیث: دنیا عالمِ اسباب ہے اور اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہے۔ بیماری وہی دیتا ہے، تو دواء کا امر بھی اسی کی طرف سے ہے، کسی سبب کو مؤثر بنانا، یا نہ بنانا بھی، اسی ذاتِ واحد کا کام ہے، ہمیں دواء استعمال کرنے کا حکم ہے، اور اس میں اثر ڈالنا اس ذاتِ واحد کا کام ہے، لہٰذا اسباب کا اختیار کرنا اسی کے حکم کی وجہ سے ہے، یہ توکل کے خلاف نہیں ہے۔

ایکما اطب الخ: انسان کو اچھے معالج کا انتخاب کرنا چاہیے، جس کو طب کا علم نہ ہو وہ صحیح علاج نہیں کرسکتا۔

او فی الطب خیر الخ: ہمزہ استفہام کا ہے اور واؤ عطف کے لیے ہے اور معطوف علیہ محذوف ہے، اصل میں ہے انعالج وفی الطب خیر؟ ممکن ہے یہ جملہ ان دونوں کا حالتِ کفر میں صادر ہوا ہو، پھر اسلام لانے کے بعد یہ تردد ختم ہوگیا ہو۔

انزل الدواء الذی انزل الادواء الخ: انزال کی ایک توجیہ تو یہ ہے کہ

شروع میں فرشتے دواء لے کراترتے تھے اور بتاتے تھے کہ فلاں دواء فلاں بیماری کے لیے ہے۔دوسری توجیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بارش برسائی جس سے جڑی بوٹیاں اُگ آئیں، پھر ان سے دواء بنی، تو جیسے اللہ تعالیٰ نے بیماری دی اس کے ازالے کے اسباب بھی پیدا کیے، مگر ہر شخص کو اس کا علم نہیں ہے، لہٰذا ہر شخص معالج بھی نہیں۔

(۲) عَنْ يَحيىٰ بنِ سَعيدٍ قال: بَلَغَنِي أَنَّ سَعَدَ بنَ زُرَارَةَ اِكْتَوىٰ فِي زَمَانِ رسولِ اللهِ ﷺ مِنَ الذُّبْحَةِ فَمَاتَ.

ترجمہ: یحییٰ بن سعیدؒ نے کہا کہ مجھے یہ خبر پہونچی کہ سعد بن زرارہؓ نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں خناق کی وجہ سے داغ لگوایا، تو ان کی وفات ہوگئی۔

لغات: اکتوی، داغ لگانا، اپنے آپ کو داغ دینا۔ الذبحة، خناق گلے میں پھوڑا پھنسی ہونا، (کینسر) گلا گھٹنے کی ایک خطرناک بیماری۔ کنٹھ روگ۔

(۳) مالكٌ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبدَاللهِ بنَ عُمرؓ اِكْتَوىٰ مِنَ اللَّقْوَةِ وَرَقَى مِنْ عَقْرَبَ .

ترجمہ: حضرت نافعؒ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ نے لقوہ کی وجہ سے داغ لگوایا اور بچھو کے (کاٹنے سے) جھاڑ پھونک کرائی۔

<u>لغت</u>: اللقوة: ایک بیماری ہے جس سے منھ ایک جانب ٹیڑھا ہو جاتا ہے۔

شرح حدیث: الکي (داغنا) علاج کا ایک خاص طریقہ ہے، جس میں لوہے کو گرم کر کے بدن کے جس حصے میں تکلیف ہوتی ہے، وہاں اس سے داغ دیتے ہیں۔ زمانۂ قدیم میں کچھ بیماریوں کا علاج داغنا تھا، یہ نہایت تکلیف دہ علاج تھا، اگرچہ سن کرنے والی دوا استعمال کرنے کے بعد داغتے تھے، مگر جب اس دوا کا اثر ختم ہو جاتا تھا تو بے چین کرنے والی تکلیف بڑھ جاتی تھی، اس طریقۂ علاج کے سلسلے میں احادیث مختلف ہیں، منع کی بھی روایت ہے اور جواز کی بھی۔ ان دونوں حدیثوں سے جواز معلوم ہوتا ہے دوسری حدیث "نهى رسول الله ﷺ عن الكى الخ" میں ممانعت ہے۔ دراصل یہ علاج کی سخت

قسم ہے۔ یہ سمجھئے کہ یہ آخر العلاج ہے، لہذا نہایت ہی سخت مجبوری میں یہ علاج کرانا چاہئے، اگر دوسرا متبادل موجود ہو تو اس طریقۂ علاج سے بچنا چاہئے، یہی حکم خطرناک آپریشن کا ہے جب کوئی چارہ نہ رہے تو ایسا آپریشن کرانا چاہئے اور اگر کوئی دوسرا متبادل موجود ہو تو ایسے آپریشن سے بچنا چاہئے۔ (تکملہ ص ۲۰۴، ج ۱۰، اوجز ص ۳۳۱، ج ۶، ق، تحفہ ص ۳۹۱، ج ۵)

الغسل بالماء من الحمى

بخار میں پانی سے غسل کرنا

(۱) مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْمُنْذِرِ أَنَّ أَسْمَاءَ بِنتَ أَبِي بَكرٍ الصِّدِّيْقِ كَانَتْ اِذَا اُتِيَتْ بِالْمَرْأَةِ قَدْ حُمَّتْ تَدْعُو لَهَا أَخَذَتِ الْمَاءَ فَصَبَّتْهُ بَيْنَهَا وَبَيْنَ جَيْبِهَا وَقَالَتْ اِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَأْمُرُ أَنْ نُبْرِدَهَا بِالْمَاءِ.

ترجمہ: فاطمہ بنت منذر سے روایت ہے کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیقؓ کے پاس جب کوئی ایسی عورت لائی جاتی، جو بخار زدہ ہوتی، تو اس کے لیے دعاء کرتیں، پانی لیتیں، پھر اس کے گریبان میں ڈالتیں اور کہتیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم بخار کو پانی سے ٹھنڈا کریں۔

تدعوا لها الخ: یہ جملہ مستانفہ ہے، آنے کا سبب بیان کرنا مقصود ہے، "ای اذا اتیت بها کی تدعوا اسماءُ لها" اور حال بھی ہوسکتا ہے؟ یعنی دعاء کی غرض سے بخار زدہ کو لایا جاتا، مسلم شریف کی روایت میں فتدعو بالماء ہے۔ اس صورت میں مطلب واضح ہے کہ پانی منگواتیں، پھر چھڑکتیں۔

شرح حدیث: بخار زدہ کے لیے پانی استعمال کرنے کے مختلف طریقے ہوسکتے ہیں، پانی میں غوطہ لگانا، بدن پر پانی چھڑکنا، بدن پر پانی بہا دینا وغیرہ ان میں سے کسی ایک

طریقے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین نہیں کیا ہے۔ یہ تجربات، اور ماہر ڈاکٹروں کے ساتھ مشورہ کر کے متعین کرنے پر مبنی ہے۔

بخار کی بہت سی قسمیں ہیں، جن میں ٹھنڈا پانی مفید ہے۔ طب جدید کے ماہرین بھی پیشانی پر بھیگی پٹی باندھنے کی تاکید کرتے ہیں اور کبھی سر پر ٹھنڈا پانی ڈالنے کو مفید بتاتے ہیں وغیرہ وغیرہ، نیز زمان ومکان اور آب وہوا کے اختلاف کیوجہ سے بھی طریقۂ علاج مختلف ہو جاتا ہے، لہذا ہوسکتا ہے کہ حدیث میں اگر چہ حکم عام ہے، مگر یہ طریقہ اہلِ حجاز کے ساتھ خاص ہو یا ان ممالک اور علاقوں کے ساتھ، جو گرم اور خشک ہیں، جیسے استنجاء کرتے وقت آپ کا ارشاد: شرقوا او غربوا عام حکم نہیں؛ بلکہ مدینہ اور مدینہ کی جہت والوں کے ساتھ خاص ہے۔ (اوجز، ص ۳۱۴، تکملہ، ج ۱۰)

(۲) مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بنِ عُروةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ إِنَّ الحُمّٰى مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ فَأَبْرِدُوا بِالْمَاءِ.

ترجمه: ہشام بن عروہ اپنے والد عروہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بخار جہنم کے جوش مارنے (پھیلاؤ، لپیٹ) سے ہے، تو تم اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو۔

شرح حدیث: ان الحمی من فیح جهنم الخ یہ بیان حقیقت ہے یا تمثیل؟ دونوں کا احتمال ہے اس لیے بعض حضرات فرماتے ہے کہ بخار کی حرارت اور جلن اصل میں جہنم کی حرارت اور گرمی کا ایک حصہ اور اس کا اثر ہے جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ اسباب متقضیہ کے ماتحت ظاہر فرماتے ہیں، تاکہ بندہ اس سے عبرت حاصل کرے، جیسا کہ فرحت ولذت جنت کی نعمت ہے اس دنیا میں اللہ تعالیٰ اس کو جاری فرماتا ہے تاکہ وہ آخرت کی لازوال نعمت پر دلالت کرے۔ اور بعض حضرات اس کو تمثیل اور تشبیہ پر محمول کرتے ہیں کہ بخار کی حرارت دوزخ کی حرارت کے مشابہ ہے۔ (اوجز، ص ۳۱۵ تکملہ، ۲۹۹)

عيادة المريض والطيرة

مریض کی عیادت اور بدشگونی کا بیان

مکارم اخلاق میں سے ایک مریض کی عیادت کرنا ہے، اس سے مریض کا مرض تو اچھا نہیں ہوگا، لیکن اس کو سکون ملے گا۔ نبی اکرم ﷺ نے امت کو اس کی ترغیب دی ہے، چناں چہ ایک حدیث میں ہے ''حق المسلم على المسلم خمس فذكر منها عيادة المريض'' فقہاء نے عیادت کے کچھ آداب ذکر کیے ہیں کہ جب مریض کی عیادت کے لیے جائے، تو اس کو دعاء دے، اطمینان دلائے، زیادہ دیر نہ بیٹھے جس سے مریض کو تکلیف ہو وغیرہ وغیرہ۔

اس باب کی ایک حدیث میں عیادت کی فضیلت ذکر کی گئی ہے، مسلمانوں کو اس پر عمل کرنا چاہئے۔

(۱) مَالِكٌ أَنَّهُ بَلَغَهُ عَنْ جَابِرِ بنِ عَبدِاللهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: إِذَاعَادَ الرَّجُلُ الْمَرِيْضَ خَاضَ فِي الرَّحْمَةِ حَتىٰ إِذَاقَعَدَ عِنْدَهُ قَرَّتْ فِيهِ اَوْ نَحْوَ هٰذَا.

ترجمہ: امام مالکؒ کو خبر پہنچی کہ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب آدمی مریض کی عیادت کرتا ہے تو وہ اللہ کی رحمت میں غوطہ زن ہوتا ہے، یہاں تک کہ جب اس کے قریب بیٹھتا ہے تو رحمت اس میں جم جاتی ہے یا اس قسم کے الفاظ کہے۔

لغات: خاض (ن) خوضاً الماء پانی میں گھسنا، داخل ہونا. قر (س، ض) قرةً قرار پکڑنا، ثابت رہنا۔

شرح حدیث: جب کوئی شخص کسی مریض کی اللہ کے لیے عیادت کرنے جاتا ہے

تو اللہ کی رحمت میں ہوتا ہے اور جب اس کے پاس پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے انعام وفضل میں ڈھانپ لیتے ہیں، تو یہاں جمنے سے زیادتی فضل مراد ہے۔

(۲)مالکٌ اَنَّهٗ بَلَغَهٗ عَنْ بُكَيرِ بنِ عَبدِاللهِ بنِ الْاَشَجِّ عَنِ ابنِ عَطِيَةَ اَنَّ رسولَ اللهِ ﷺ قال: لاعَدوٰى ،وَلاهَامَ وَلا صَفَرَ، وَلا يَحُلُّ الْمُمْرِضُ عَلَى الْمُصِحِّ وَلِيَحْلُلِ الْمُصِحُّ حَيثُ شَاءَ .فقالُوا يارسولَ اللهِ! وَمَا ذَاكَ؟ فقالَ رَسولُ اللهِ ﷺ اِنَّهٗ اَذًى.

ترجمہ: ابن عطیہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ کوئی چھوت کی بیماری نہیں، ہام اور صفر کوئی چیز نہیں، بیمار جانور والا تندرست جانوروں میں اپنا جانور نہ ملائے اور تندرست جانور والا جہاں چاہے (اپنا ریوڑ اور گلہ) لے جائے لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! اس حکم کا مقصد کیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس میں تندرست جانوروں کو تکلیف ہوتی ہے۔

شرح حدیث: لاعدوی الخ کوئی چھوت کی بیماری نہیں، یعنی ایک بیماری بالذات خود بخود دوسرے کو نہیں لگتی۔ اہل جاہلیت کا اعتقاد تھا کہ بعض مرض چھوت والے ہوتے ہیں، اگر مریض کے پاس کوئی بیٹھے تو بیٹھنے والے کو یہ مرض لاحق ہو جاتا ہے، شارع علیہ السلام نے اس کی تردید فرمائی کہ مرض کے ایک دوسرے میں سرایت کرنے کی کوئی حقیقت نہیں، اس کا تعلق نظام قدرت سے ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ البتہ کچھ احادیث ایسی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض بیماری متعدی ہیں۔ جیسے کہ آپ نے جذامی کے بارے میں ارشاد فرمایا: فر من المجذوم فرارک الاسد اس کا جواب یہ ہے کہ لاعدوی اپنے عموم پر ہے کہ بیماری کسی کو سرایت نہیں کرتی اور جذامی والی حدیث میں پرہیز کرنے کا جو حکم دیا ہے وہ سدِ ذرائع پر محمول ہے، یعنی جذامی سے بھاگنے کا حکم اس وجہ سے نہیں ہے کہ یہ چھوت والی بیماری ہے، بلکہ فسادِ عقیدہ سے بچنے کے لیے کہا جا رہا ہے، کہ ایسا نہ ہو کہ تقدیر الٰہی میں بیٹھنے والے کے بارے میں پہلے سے طے ہو کہ وہ اس مرض میں مبتلا ہوگا، اب وہ یہ سمجھے گا کہ میں مجذوم کے قریب گیا تھا، اس لیے اس بیماری

میں مبتلا ہو گیا۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ لا عدوی سے مرض کے متعدی ہونے کا انکار نہیں، بلکہ اہل عرب کے غلط اعتقاد کی نفی مقصود ہے، جو یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ مؤثر حقیقی خود مرض ہے، شارع علیہ السلام نے **لا عدوی** سے اس کی نفی کی ہے کہ تمہارا عقیدہ صحیح نہیں ہے، کہ مرض خود متعدی اور مؤثر بالذات ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے، اگر وہ چاہے تو مرض لاحق ہوسکتا ہے ورنہ نہیں۔ (تکملہ، ص۳۲۴، ج۱۰)

ولاھام الخ: اور مقتول کی کھوپڑی سے پرندہ نکلنے کا تصور بھی بے اصل ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں اہل عرب کا یہ خیال تھا کہ اگر کسی شخص کو قتل کر دیا جائے، تو اس کے سر سے ایک جانور جس کو ہامہ کہتے ہیں باہر نکلتا ہے اور ہر وقت یہ فریاد کرتا رہتا ہے کہ مجھے پانی دو، پانی دو، یہاں تک کہ جب قاتل سے قصاص لے لیا جاتا ہے، یا وہ مرجاتا ہے تو وہ جانور اڑ کر غائب ہو جاتا ہے، ہامہ کے معنی الو کے بھی ہے، اس اعتبار سے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جب الو کسی گھر میں بیٹھتا ہے، تو وہ گھر ویران ہو جاتا ہے، اس گھر کا کوئی فرد مرجاتا ہے، آپ ﷺ نے اپنے اس ارشاد سے ان عقائد کو باطل کیا ہے۔

ولاصفر : اور ماہِ صفر کو منحوس سمجھنا بھی بے اصل ہے، اہل عرب اس ماہ کو منحوس سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ اس مہینہ میں آفات وبلیات اور مصائب کا نزول ہوتا ہے، آج بھی ہندوستان کے بعض علاقوں میں صفر کے مہینہ کو، تیرہ تیزی کا مہینہ نام دیتے ہیں اور اس میں نکاح کرنے کو منحوس سمجھتے ہیں، حتی کہ اگر کسی بچے کی ولادت اس ماہ میں ہوتی ہے تو اس کو کہتے ہیں کہ بدمعاش اور خبیث ہوگا۔ یہ تمام باطل عقیدے ہیں؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز لکھ دی ہے، زندگی، روزی، مصیبتیں، جب ازل ہی میں یہ باتیں طے کر دی گئی ہیں، تو نحوست کا عقیدہ، کھوپڑی سے پرندہ نکلنے کا عقیدہ، سب بے اصل باتیں ہیں۔ (اوجز، ص۳۲۱)

ولایحل الممرض : تندرست جانور کو بیمار جانور کے پاس لے جانے کی ممانعت صرف تکلیف دہ ہونے کی وجہ سے ہے نہ کہ متعدی ہونے کی وجہ سے، اور اگر بالفرض متعدی ہونے کی وجہ سے روکا گیا ہے تو وہ تأویل ہوگی جو پیچھے گذری۔

السنة فی الشعر

بالوں کے بارے میں سنت کے احکام

(۱) مَالِکٌ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ نَافِعٍ عَنْ أَبِيهِ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَمَرَ بِإِحْفَاءِ الشَّوَارِبِ وَإِعْفَاءِ اللُّحٰى .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے مونچھوں کو مونڈنے اور داڑھی کو بڑھانے کا حکم دیا ہے۔

شرح حدیث: مونچھوں کے سلسلے میں تفصیل پیچھے، حدیث "خمس من الفطرہ" کے تحت آ چکی ہے۔

اور داڑھی کے متعلق چار کلمات آئے ہیں۔

(۱) أعفوا اللحی (۲) وفروا اللحی (۳) وأرجئوا (۴) أوفوا

عفی یعفوا (ن) اعفی اعفاء الشعر، بالوں کو لمبا ہونے کے لیے چھوڑ دینا۔ وفر شعرہ بال چھوڑ دینا، أرجا ارجاء، مؤخر کرنا (مراد) لمبا کرنا، اوفی ایفاء: الشعر، بالوں کو پورا پورا چھوڑ دینا۔

امام شافعیؒ کے نزدیک داڑھی جتنی چاہیں بڑھا سکتے ہیں۔ امام احمدؒ کا بھی ایک قول یہی ہے۔ امام شافعیؒ کا دوسرا قول یہ ہے کہ حج اور عمرے کے موقع پر داڑھی ایک مشت سے زائد کاٹ سکتے ہیں۔ امام مالکؒ نے فرمایا کہ جب داڑھی حد سے زیادہ بڑھ جائے تو کاٹ سکتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایک مشت سے پہلے کاٹنا جائز نہیں اور اس کے بعد

کاٹ سکتے ہیں۔مزید تفصیل کے لیے دیکھیے۔(اوجز،ص۳۲۴،ج۶)

(۲)عَنْ حُمَيدِ بنِ عَبدِالرَّحمنِ بنِ عَوفٍ أَنَّهُ سَمِعَ مُعَاوِيَةَ بنَ أَبِي سُفيانَ عَامَ حَجٍّ وَهوَ عَلَى الْمِنبَرِ وَتَنَاوَلَ قُصَّةً مِن شَعرٍ كَانَتْ فِي يَدِ حَرَسِيٍّ يَقُولُ يَا أَهْلَ الْمَدِيْنَةِ أَيْنَ عُلَمَاءُ كُمْ؟ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَنْهٰى عَنْ مِثْلِ هٰذِهِ وَيقولُ اِنَّمَا هَلَكَتْ بَنُوْاِسْرَائِيلَ حِيْنَ اتَّخَذَ هٰذِهِ نِسَاءُ هُمْ .

ترجمہ: حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہ بن ابی سفیان سے۔ان کے حج کے سال جب کہ وہ منبر پر تھے اور انہوں نے اپنے ایک محافظ کے ہاتھ سے بالوں کا گچھا لیا۔ کہتے ہوئے سنا اے مدینے والو! تمہارے علماء کہاں ہیں؟ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جیسے بالوں کے گچھوں سے منع کرتے ہوئے سنا، وہ فرماتے تھے کہ بنی اسرائیل اس وقت ہلاک ہوئے، جب ان کی عورتوں نے اس جیسے بال بنوانے شروع کیے۔

لغات: قصة: قاف کا ضمہ اور صاد مشدد بالوں کا گچھا، **حرسی**: حاء اور راء کا فتحہ اور سین کا کسرہ محافظ۔

شرح حدیث: حضرت معاویہؓ شام میں رہتے تھے ان کا دارالحکومت شام ہی تھا، جب حج کے لیے تشریف لائے تو مدینہ منورہ میں آپ نے خطبہ دیا،''این علماء کم'' یہ اس وقت کی بات ہے جب اکثر صحابۂ کرام وفات پا چکے تھے اور جاہلوں کو دیکھا کہ انہوں نے اپنے بالوں کا یہ حال بنا رکھا ہے، تو علماء کو خطاب کیا کہ تم کیوں اس امر منکر پر نکیر نہیں کرتے ہو۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جس طرح کا حال تھا ممکن ہے کہ ان علماء کے نزدیک حرام نہ ہو، اس لیے نکیر نہ کی ہو، حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کی عورتیں جب اس طرح اپنے بالوں سے دوسروں کے بالوں کو ملانے لگیں، تو امر منکر کے ارتکاب کی وجہ سے وہ لوگ عذاب میں مبتلا ہو گئے۔

یہ بات بھی گذر چکی ہے کہ کسی عورت کا اپنے بالوں سے انسانی بالوں کو زینت کے

لیے ملانا حرام ہے۔ اگر کوئی دھاگا، کپڑا، فیتہ یا آج کل دوسری چیزوں سے بنے ہوئے بال بازار میں ملتے ہیں، اس کو لگانا ممنوع نہیں ہے۔

(۳) عَنْ زِيَادِبْنِ سَعدٍعَنِ ابْنِ شِهابٍ أَنَّهُ سَمِعهُ يقولُ لِرَجلٍ سَدَلَ رسولُ اللهِ ﷺ ناصِيَةً مَاشاءَ اللهُ ثُمَّ فَرَقَ بَعْدَ ذَالِكَ، قالَ مَالِكٌ لَيسَ عَلَى الرَّجُلِ يَنظُرُ اِلَى شَعْرِ امْرَأةِ ابْنِه أَوْ شَعْرِ أُمِّ امْرَأَتِهِ بَأْسٌ.

ترجمہ: زید بن سعد نے ابن شہاب سے روایت کیا کہ انہوں نے ابن شہاب کو ایک آدمی سے کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے پیشانی کے بالوں کو لٹکائے رکھا، جب تک اللہ نے چاہا، اس کے بعد مانگ نکالنے لگے۔

امام مالک نے فرمایا کہ آدمی پر کوئی حرج نہیں کہ وہ اپنی بہو اور اپنی ساس کے بالوں کو دیکھے۔

شرح حدیث: سدل بمعنی چھوڑنا، لٹکانا، یہاں مراد یہ ہے کہ بالوں کو دو حصوں میں نہ بانٹنا؛ بلکہ چھوڑے رکھنا۔

جب آپ مدینہ تشریف لائے تو یہودیوں کی موافقت میں بالوں میں مانگ نہیں نکالتے تھے، کیوں کہ آپ اہل کتاب کی ان چیزوں میں موافقت کرتے تھے جن کے بارے میں آپ پر کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا، پھر آپ کو ان کی مخالفت کا حکم دیا گیا تو آپ مانگ نکالنے لگے اور بالوں کو دو حصوں میں بانٹنے لگے۔ جمہور کے نزدیک یہ مستحب ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ سدل اور فرق دونوں جائز ہیں۔

(۴) مالكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبدِاللهِ بنِ عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ يَكْرَهُ الْاِخْصَاءَ ويقولُ فِيهِ تَمَامُ الْخَلْقِ

ترجمہ: نافع نے حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کیا ہے کہ وہ خصی کرنے کو ناپسند کرتے تھے اور کہتے تھے کہ خصیہ کو باقی رکھنے میں خلقیت کی تکمیل ہے۔

شرح حدیث: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ماکول اللحم جانور کا خصی کرنا جائز ہے، البتہ غیر ماکول اللحم جانور اور انسان کا خصی کرنا حرام ہے، امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ انسان

اور غیر ماکول اللحم جانور کا خصی کرنا حرام ہے، البتہ غیر ماکول اللحم جانور کا بچہ ہونے کی حالت میں خصی کرنا جائز ہے، بڑے ہونے کے بعد حرام ہے۔

اس باب میں دونوں طرح کی احادیث ہیں اور سلف کے، جانوروں کے خصی کرنے اور نہ کرنے کے بارے میں بھی دونوں طرح کے اقوال ہیں۔

اشکال: یہ باب بالوں کے احکام کے متعلق ہے۔ حدیث مذکور کی اس باب سے کیا مناسبت اور تعلق ہے؟ امام زرقانی نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اگر خصی کرنا چھوڑ دیا جائے تو اس جگہ بال اگیں گے، پھر بالوں کے تمام احکامات ان میں جاری ہوں گے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اور اس کے بعد والی حدیث نساخ کی غلطی سے یہاں درج ہوگئی ہے۔

(۵) مَالِكٌ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ لَهُ أَوْ لِغَيْرِهِ فِي الْجَنَّةِ كَهَاتَيْنِ إِذَا اتَّقَى. وَأَشَارَ بِإِصْبَعِهِ الْوُسْطَى وَالَّتِي تَلِي الْإِبْهَامَ.

ترجمہ: صفوان بن سلیم کو خبر پہونچی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا خواہ اس کا رشتہ دار ہو یا غیر، جنت میں ان دو انگلیوں کے مانند ہوں گے؛ بشرطیکہ (یتیم کے معاملے میں) وہ خدا سے ڈرے، پھر آپ نے اپنی درمیانی انگلی اور شہادت کی انگلی سے اشارہ فرمایا۔

شرح حدیث: یتیم، وہ نابالغ بچہ جس کے سر سے باپ کا سایہ اٹھ گیا ہو، لہذا تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ اس کے ساتھ شفقت کا معاملہ کریں اور کوئی شخص اس کی پرورش کی ذمہ داری لے، احادیث میں اس کا بڑا اجر و ثواب ہے؛ چناں چہ حدیث مذکور میں آپ ﷺ نے اپنی درمیانی اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کر کے بتلایا کہ ان دونوں انگلیوں کے درمیان جتنا فاصلہ دیکھتے ہو، اتنا ہی فاصلہ میرے اور اس مردِ مؤمن کے درمیان جنت میں ہوگا جو یتیم کی کفالت کرے گا، یہ ایک تشبیہ اور رفع درجات میں مبالغہ ہے، ورنہ انبیاء کرام کا، خاص طور پر خاتم الانبیا ﷺ کا مرتبہ اور درجہ، امت کے کسی فرد کے درجے سے

بہت ہی اعلیٰ اور بالا ہے، اور اس رفع درجہ میں جہاں اور حکمتیں اور مصلحتیں ہیں ایک حکمت یہ ہے کہ آپ علیہ السلام ایسی قوم کی طرف مبعوث ہوئے، جو جاہل اور دینی معاملہ میں نابلد تھی، پھر آپ نے اس کی تربیت کی، اسی طرح ایک یتیم (جو کہ اپنے دین اور دنیا کی سمجھ نہیں رکھتا) کی پرورش کرنے والا ہوتا ہے۔ (اجز، ص ۳۳۱)

اصلاح الشعر

بالوں کی اصلاح کرنے کا بیان

اس باب کا تعلق تنظیف اور تزیین سے ہے اور تنظیف میں سے یہ بھی ہے کہ انسان اپنے بالوں کو سنوارے، بکھرا اور پراگندہ بال رکھ کر اپنے پاگل پن کا اظہار نہ کرے، خواہ سر کے بال ہوں یا داڑھی کے بال، کنگھی کرنی چاہئے تاکہ اس پر گردوغبار اور مٹی نہ جمے، اپنے حلیہ کو بگاڑ کر اپنی بزرگی جتانا یہ شریعت کا مطلوب نہیں، نبی کریم علیہ السلام نے اپنے قول اور فعل سے بال بنانے اور اس کا حق ادا کرنے کی ترغیب دی ہے، لیکن اس کی بھی ایک حد ہے۔ حدیث کے تحت اس کی تفصیل آئے گی۔

(۱) مالکٌ عَنْ يَحيَ بنِ سَعيدٍ أَنَّ أَبَا قَتَادَةَ الْأَنْصارِيَّ قالَ لِرَسولِ اللهِ ﷺ إِنَّ لِي جُمَّةً فَأُرَجِّلُهَا؟ فَقالَ رَسولُ اللهِ ﷺ نَعَمْ وَأَكْرِمْهَا فكانَ أَبُوقَتَادَةَ رُبَّمَا دَهَنَهَا فِي الْيَوْمِ مَرَّتَيْنِ، لِمَاقالَ لَهُ رَسولُ اللهِ ﷺ وَأَكْرِمْهَا .

ترجمه: حضرت ابوقتادہؓ انصاری نے رسول اللہ علیہ السلام سے عرض کیا کہ میری زلفیں لمبی ہیں (مونڈھوں تک لٹکی ہوئی) کیا میں ان میں کنگھی کرسکتا ہوں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ہاں! ان کا اکرام کر۔ تو حضرت ابوقتادہ بعض دفعہ دن میں دومرتبہ اس میں تیل لگاتے تھے، رسول اللہ علیہ السلام کا ان سے نعم واکرمھا (ہاں اس کا اکرام کر) کہنے کیوجہ سے۔

شرح حدیث: مسلمانوں کو ہمہ وقت بناؤ سنگار میں لگا رہنا نہیں چاہئے۔ دنیا وآخرت کے اس کے پاس اور بھی کام ہیں۔ البتہ بکھرے بال، اور بگڑی شکل والا بھی نہیں

رہنا چاہئے، اس کا معیار کیا ہے؟ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے " **نهى عن الترجل الاغبا** " فرمایا: کہ روزانہ کنگھی مت کرو، کبھی کبھی کرو، دوسری احادیث میں آپ ﷺ نے بکھرے بالوں کو درست کرنے کا حکم دیا، اس طرح کی احادیث میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ اگر بال لمبے اور گھنے ہوں، اور روزانہ تیل، کنگھی کی ضرورت ہو تو کرے، ورنہ کبھی کبھی کرے، اصل مدار حاجت اور ضرورت پر ہے۔

ہوسکتا ہے حضرت ابوقتادہؓ کو دن میں دو بار درست کرنے کی ضرورت پڑ جاتی ہو اور آپ ﷺ نے جو روزانہ تیل اور کنگھا کرنے سے منع فرمایا ہے، وہ نہی تنزیہی بمعنی خلاف اولیٰ ہے۔ (اوجز، ص۳۳۲)

نعم واكرمها: بالوں کے اکرام سے مراد ان کے میل کچیل کو صابن سے دھو کر دور کرنا ہے، پھر ان میں تیل ڈالنا اور کنگھی سے سنوارنا ہے، تقریباً آدھ گھنٹہ کا کام ہے، روزانہ لوگوں کو اتنی فرصت کہاں ہے، اسی لیے آپ ﷺ نے کبھی کبھی کا حکم دیا، البتہ داڑھی اور سر کے بال بے ترتیب ہو جائے، تو اس کو کنگھی سے ٹھیک کرنے میں کوئی حرج نہیں؛ چوں کہ اس میں وقت ضائع نہیں ہوتا۔

(۲) مَالِكٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ أَنَّ عَطَاءَ بْنَ يَسَارٍ أَخْبَرَهُ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي الْمَسْجِدِ فَدَخَلَ رَجُلٌ ثَائِرَ الرَّأْسِ وَاللِّحْيَةِ، فَأَشَارَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِيَدِهِ أَنْ اخْرُجْ، كَأَنَّهُ يَعْنِي إِصْلَاحَ شَعْرِ رَأْسِهِ وَلِحْيَتِهِ فَفَعَلَ الرَّجُلُ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَلَيْسَ هٰذَا خَيْراً مِنْ أَنْ يَأْتِيَ أَحَدُكُمْ ثَائِرَ الرَّأْسِ كَأَنَّهُ شَيْطَانٌ.

ترجمہ: عطا بن یسار نے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے، تو ایک شخص داخل ہوا، جس کے سر اور داڑھی کے بال بکھرے ہوئے تھے، تو آپ ﷺ نے اس کی طرف اپنے دستِ مبارک سے اشارہ کیا کہ مسجد سے نکل جاؤ، گویا آپ ﷺ چاہتے تھے کہ وہ اپنے سر اور داڑھی کے بالوں کی اصلاح کرے، تو اس شخص نے (ویسا ہی) کیا، پھر

آیا، تو آپ ﷺ نے (اس پر) فرمایا: کیا یہ اس سے بہتر نہیں ہے کہ تم میں سے کوئی بکھرا بال آئے، گویا وہ شیطان ہو۔

کانه شیطان: اہل عرب قبیح، خوفناک اور بدصورت کو شیطان سے تعبیر کر دیتے ہیں، گویا ایسی شکل اور ہیئت بنانا، شیطانی فعل ہے۔ (اوجز، ص ۳۳۳)

ماجاء فی صبغ الشعر

بالوں کو رنگنے کا بیان

جس طرح بالوں کا خضاب ہوتا ہے، بدن کا بھی خضاب ہوتا ہے، بالوں کے خضاب میں مرد اور عورت دونوں کا حکم یکساں ہے کہ جائز ہے؛ لیکن بدن کا خضاب جیسے ہاتھ اور پاؤں، وہ صرف عورتوں کے حق میں مستحب ہے اور مردوں کے لیے بلا حاجت وضرورت حرام ہے، یہاں بالوں میں خضاب کو بیان کرنا ہے جس میں عورت اور مرد دونوں برابر ہیں۔ (الدر المنضود ص ۲۰۸ ج ۶)

سیاہ خضاب کے علاوہ ہر خضاب جائز ہے، فتح مکہ کے دن جب حضرت ابوبکرؓ کے والد حضرت ابوقحافہؓ خدمت نبوی میں بیعت کے لیے لائے گئے تو ان کے سر اور داڑھی کے بال سفید تھے، آپ ﷺ نے فرمایا ان کو بدل دو یعنی خضاب لگاؤ اور سیاہی سے بچو یعنی سیاہ خضاب نہ لگاؤ، احناف کے یہاں عام مشائخ کا یہی قول ہے کہ سیاہ خضاب مکروہ تحریمی ہے؛ البتہ امام ابو یوسفؒ اس کی اجازت دیتے ہیں، امام مالکؒ کے نزدیک کالا خضاب مکروہ تنزیہی ہے، در مختار میں ہے کہ مجاہدین کے لیے سیاہ خضاب کرنے کی اجازت ہے تا کہ دشمن مرعوب ہو۔

(۱) مَالِكٌ عَنْ يَحيَى بنِ سَعِيدٍ قَالَ أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيُّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بنِ عَبدِالرحمنِ أَنَّ عَبدَالرحمٰنِ بنَ الْأَسْوَدِ بنِ عَبدِ يَغُوثَ قَالَ وَكَانَ جَلِيساً لَهُمْ وَكَانَ أَبْيَضَ الرأسِ وَاللِّحْيَةِ فَغَدَا عَلَيْهِمْ ذَاتَ يَوْمٍ وَقَدْ حَمَّرَهَا قَالَ فَقَالَ لَهُمْ قَوْمٌ هٰذَا أَحْسَنُ فَقَالَ اِنَّ

أُمِّي عَائِشَةُؓ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ أَرْسَلَتْ إِلَيَّ الْبَارِحَةَ جَارِيَتَهَا نُخَيْلَةَ فَأَقْسَمَتْ عَلَيَّ لَأَصْبُغَنَّ وَأَخْبَرَتْنِي أَنَّ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ كَانَ يَصْبُغُ.

ترجمہ: ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے کہا کہ عبدالرحمٰن بن اسود بن عبد یغوث۔ابوسلمہ کا بیان ہے کہ ابن الاسود، ان کا (ابوسلمہ اور ان کے ساتھیوں کا) ہم نشیں تھا، اور اس کے سر اور داڑھی (کے بال) سفید تھے۔ایک دن ان کے پاس گئے جب کہ انہوں نے داڑھی اور سر (کے بالوں کو) سرخ کر رکھا تھا، ابوسلمہ نے کہا کہ ہم نشینوں نے ان سے کہا کہ یہ بہت اچھا ہے، عبدالرحمٰن بن اسود نے کہا کہ میری ماں ام المؤمنین حضرت عائشہؓ نے گزشتہ روز اپنی لونڈی نخیلہ کو میرے پاس بھیجا تھا اور مجھے تاکیدی حکم دیا تھا کہ میں بالوں کا خضاب کروں اور فرمایا تھا کہ ابوبکر صدیقؓ بھی خضاب کیا کرتے تھے۔

(۲) قَالَ مَالِكٌ فِي صَبْغِ الشَّعْرِ بِالسَّوَادِ لَمْ اَسْمَعْ فِي ذَالِكَ شَيْئاً مَعْلُوماً وَغَيْرُ ذٰلِكَ مِنَ الصَّبْغِ أَحَبُّ إِلَيَّ قَالَ وَتَرْكُ الصَّبْغِ كُلِّهِ وَاسِعٌ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ وَلَيْسَ عَلَى النَّاسِ فِيهِ ضِيقٌ قَالَ مَالِكٌ وَفِي هٰذَا الْحَدِيثِ بَيَانُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ لَمْ يَصْبُغْ وَلَوْ صَبَغَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَأَرْسَلَتْ عَائِشَةُ بِذَالِكَ إِلَى عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ الْأَسْوَدِ.

قال مالک الخ: امام مالک نے فرمایا بالوں پر سیاہ خضاب کرنے کے متعلق میں نے کوئی صحیح (مضبوط) حدیث نہیں سنی اس کے علاوہ رنگ مجھے زیادہ پسندیدہ ہے، امام مالک نے فرمایا کسی بھی قسم کا خضاب نہ کرنے کی گنجائش ہے ان شاءاللہ، اور اس سلسلہ میں لوگوں پر تنگی نہیں ہے، امام مالک نے فرمایا کہ اس حدیث میں یہ بیان کہ رسول اللہ ﷺ نے خضاب نہیں لگایا، اگر آپ نے خضاب لگایا ہوتا تو حضرت عائشہؓ اپنے پیغام میں عبدالرحمٰن کو اس کا حوالہ دیتیں۔ (اوجز ۳۴۴)

خضاب کے متعلق اوپر تفصیل گزری اور آپ ﷺ نے خضاب کیا تھا یا نہیں، اس کے متعلق باب صفة النبی کے تحت تفصیل گزر چکی ہے۔

باب ما یؤمر به من التعوذ عند النوم وغیره

سوتے وقت تعوذ کا حکم

(۱) مَالِکٌ عَنْ يَحيَ بنِ سعيدٍ قَالَ بَلَغَني أَنَّ خَالِدَ بنَ الوَلِيدِ قَالَ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ اِنّي أُرَوَّعُ فِي مَنَامِي فَقَالَ لَهُ رسولُ اللهِ ﷺ قُلْ أَعُوذُ بِاللهِ وَبِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّةِ مِنْ غَضَبِهِ وَعِقَابِهِ وَشَرِّ عِبَادِهِ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ وَأَنْ يَحْضُرُونِ.

ترجمہ: یحیٰ بن سعید نے کہا: مجھے خبر ملی کہ حضرت خالد بن ولیدؓ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا میں نیند میں ڈر جاتا ہوں تو ان سے آپ ﷺ نے فرمایا یہ پڑھ لیا کر، اعوذ باللہ الخ، میں اللہ کی اور اللہ کے مکمل کلمات (بےنقص وعیب) کی پناہ مانگتا ہوں اس کی ناراضگی سے اور اس کے عذاب سے اور اس کے بندوں کے شر سے اور شیاطین کے وسوسوں سے اور اس بات سے کہ وہ میرے پاس آئیں۔

لغات: اروع، مجہول، ترویعا گھبرا دینا، ڈرانا اور مجرد سے گھبرانا، ڈرنا، (ن) ھمزات (ن،ض) بھینچنا، چھونا۔

کلمات التامۃ: اس سے مراد (۱) ایسے کلمات جن میں کوئی عیب اور نقص نہ ہو، (۲) قرآن کریم (۳) اللہ کی اسماء وصفات (۴) انبیاء پر جو کچھ نازل کیا گیا۔

ھمزات الشیاطین: شیطانی وسوسے اور وہ عقائد فاسدہ جو دل میں کھٹکتے ہوں

وان یحضرون: یعنی میری نماز، تلاوت، دعاء، موت وغیرہ کے وقت آنے سے۔ (اوجز ۳۳۸)

(۲) مَالِکٌ أَنَّهُ قَالَ أُسرِيَ بِرَسُولِ اللهِ ﷺ فَرَأى عِفْرِيتاً مِنَ

الجِنّ يَطلُبُهٗ بشُعلَةٍ مِنَ النَّارِ كُلَّمَا الْتَفَتَ رسولُ اللهِ ﷺ رَاٰهُ فقال لهٗ جبرئيلُ أفلاَ أُعلّمُكَ كَلِماتٍ تقولُهُنّ إذا أنتَ قُلتهُنّ طفِئتْ شُعلتهُ وَحريقتُهُ فقال رسولُ اللهِ ﷺ بَلَى فَقالَ جبرئيلُ قُلْ أعُوذُ بوجه اللّٰهِ الْكريمِ وبكلماتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ الَّتي لا يُجاوِزُهُنّ برٌّ ولا فاجرٌ من شرِّ ماينزِلُ مِنَ السَّماءِ ومِنْ شرِّ ما يعرُجُ فِيهَا وشرِّ ما ذرأَ في الْأرضِ وشرِّ ما يخرُجُ منها ومِنْ فتنِ اللَّيْلِ والنَّهارِ ومِنْ طوارقِ اللَّيْلِ والنَّهارِ إلاَّ طارِقًا يطرُقُ بخيرٍ يارحمٰنُ.

ترجمہ: حضرت امام مالک نے کہا کہ جس رات رسول اللہ ﷺ کو (زمین وآسمان کی) سیر کرائی گئی تو آپ نے ایک خبیث سرکش جن کو دیکھا جو آگ کا ایک شعلہ لے کر آپ کے پیچھے آتا تھا، جب بھی رسول اللہ ﷺ مڑتے تو اس کو دیکھتے، آپ سے جبرئیلؑ نے کہا کہ کیا میں آپ کو ایسے کلمات نہ سکھاؤں کہ جب آپ اس کو کہیں تو اس کے شعلہ (کا بھڑکنا) اور آگ (کا جلنا) بجھ جائے آپ ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں۔ تو جبرئیل نے کہا کہ یہ کہئے اعوذ بوجه الله الكريم الخ، میں اس اللہ کی کہ جس کی ذات کریم ہے اور اس کے مکمل کلمات کی کہ جن سے کوئی نیک و بد تجاوز نہیں کرسکتا، پناہ مانگتا ہوں ان چیزوں کے شر سے جو آسمان سے اتریں، اور ان چیزوں کے شر سے جو آسمان کی طرف چڑھیں، اور ان چیزوں کے شر سے جو زمین میں پھیلیں، اور ان چیزوں کے شر سے جو زمین سے نکلیں، اور رات ودن کے فتنوں سے، اور رات ودن میں آنے والی چیزوں کے شر سے سوائے اس آنے والے کے جو بھلائی لے کر آئے، اے رحمٰن۔

شرح حدیث: حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا قدس سرہ العزیز نے اوجز المسالک میں متعدد احادیث سے ثابت کیا کہ یہ معروف معراج کا واقعہ نہیں ہے؛ بلکہ اس کے علاوہ کوئی اور واقعہ ہے؛ اسلئے لفظ اسری کو اگر معنی لغوی میں لیا جائے تو بہتر ہے۔

طوارق، طارق کی جمع ہے مطلقا رات میں آنے والا، وہ مصیبتیں اور آفتیں جو دن اور رات میں آتی ہیں یہاں مطلق مراد ہے خواہ خیر ہو یا شر، اسی لئے آگے استثناء ہے۔

(۳) مالکٌ عنْ سُهَيْلِ بنِ أَبِي صَالِحٍ عنْ أَبِيهِ عنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجلاً مِنْ أَسْلَمَ قالَ مَانِمْتُ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ فَقالَ لَهُ رَسولُ اللهِ ﷺ مِنْ أَيِّ شَيءٍ فقالَ لَدَغَتْنِي عَقْرَبٌ فقالَ رَسولُ اللهِ ﷺ أَمَّا إنَّكَ قُلتَ حِيْنَ أمْسَيْتَ أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَاخَلَقَ لَمْ تَضُرَّكَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ قبیلۂ اسلم کے ایک شخص نے کہا میں آج رات سویا نہیں تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا، کس وجہ سے (نہیں سوئے)؟ اس نے کہا مجھے بچھو نے کاٹ لیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا سنو، اگر تم شام کے وقت یہ کلمات کہہ لیتے تو وہ تمہیں ضرر نہ پہنچا پاتا، اعوذ بکلمات اللہ الخ، میں اللہ کے بے عیب و نقص کلمات کی پناہ مانگتا ہوں مخلوق کی شر سے۔

لغات: لدغ، (ف) ڈسنا، عقرب، بچھو جمع عقارب۔

لم تضرک: یعنی تمہارے اور اس بچھو کی ڈنک کی تاثیر میں یہ تعوذ حائل ہو جاتا، جو جس قدر اخلاص سے پڑھے گا اسی طرح اس تعوذ کا اثر بھی ہوگا ان شاء اللہ، چنانچہ امام قرطبی فرماتے ہیں میں نے بارہا اس کا تجربہ کیا اور ایسا ہی ہوا، ایک دن میں بھول گیا اسی دن بچھو نے ڈنک مار دیا میں نے سوچا یہ کیا ہوا، تو غور کرنے سے معلوم ہوا کہ آج میں یہ دعاء پڑھنا بھول گیا تھا۔

(۴) مالکٌ عنْ سُمَيٍّ مَوْلٰى أَبِي بَكْرٍ عنِ الْقَعْقَاعِ بنِ حَكِيمٍ أَنَّ كَعْبَ الْأَحْبَارِ قالَ لَوْلاَ كَلِمَاتٌ أَقُولُهُنَّ لَجَعَلَتْنِي الْيَهُودُ حِمَاراً فَقِيلَ لَهُ وَمَا هُنَّ فَقَالَ أَعُوذُ بِوَجْهِ اللّٰهِ الْعَظِيمِ الَّذِى لَيسَ شَيءٌ أَعْظَمَ مِنهُ وَبِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ الَّتِي لاَ يُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَلاَ فَاجِرٌ وَبِأَسْمَاءِ اللّٰهِ الْحُسْنٰى كُلِّهَا مَا عَلِمْتُ مِنهَا وَمَا لَمْ أَعْلَمْ مِنْ شَرِّمَا خَلَقَ وَبَرَأَ وَذَرَأَ.

ترجمہ: حضرت کعب احبارؓ نے فرمایا اگر میں چند کلمات نہ کہتا تو یہود مجھے گدھا بنا دیتے، ان سے کہا گیا وہ کون سے کلمات ہیں؟ تو انہوں نے کہا اعوذ بوجہ اللہ العظیم الخ، میں اللہ کی عظیم ذات کی پناہ مانگتا ہوں جس سے بڑی کوئی چیز نہیں اور اللہ کے بے عیب

کلمات کی پناہ لیتا ہوں جن سے کوئی نیک و بد تجاوز نہیں کر سکتا اور اس کے تمام اچھے ناموں کی جن کو میں جانتا ہوں اور جن کو میں نہیں جانتا، اس چیز کے شر سے جس کو اس نے بنایا، پیدا کیا، اور پھیلایا۔

لجعلتنی الیھود حمارا: یہ تشبیہ ہے حقیقت نہیں ہے یعنی میں یہ کلمات نہ کہتا تو مجھے یہود بے وقوف بنا دیتے، اور ذلیل کرتے، راہ راست سے ہٹا دیتے، علامہ طیبی نے حقیقت پر محمول کیا کہ یہود جادوگر تھے واقعتاً گدھا بنا دیتے، جادو کے ذریعہ قلب ماہیت ممکن ہے، ملا علی قاری نے اس کی تردید کی ہے لہذا اول ہی راجح ہے، تفصیل کے لیے دیکھیے۔ (اوجز ۱/۳۴۱)

وباسماء اللہ الحسنی کلھا الخ: جن کو میں جانتا ہوں اور جن کو میں نہیں جانتا۔ اس کا دو مطلب ہے، یا تو حضرت کعب کو بعض اسماء حسنی کا علم نہ ہو، ہوسکتا ہے دوسروں کو ہو، اور یہ بھی احتمال ہے کہ بعض اسماء حسنی ایسے بھی ہیں جن کا کسی کو علم نہ ہو، حالانکہ حدیث میں ہے ان للہ تسعة وتسعین اسماء مأة الا واحد من احصاھا دخل الجنة، جس سے پتہ چلتا ہے اللہ کا نام متعین اور معلوم ہے اس کا جواب یہ ہے کہ بعض اسماء حسنی ایسے بھی ہیں جن کا علم اللہ کے سواء کسی کو نہیں، نہ فرشتوں کو، نہ نبی کو؛ چنانچہ حصن حصین میں ایک دعاء بروایت ابن حبان اور حاکم منقول ہے، اللھم انی عبدک وابن عبدک وابن امتک ناصیتی بیدک ماض فی حکمک عدل فی قضائک اسئلک بکل اسم ھو لک سمیت به نفسک او انزلته فی کتابک او علمته احدا من خلقک او استاثرت به فی علم الغیب عندک: جس سے معلوم ہوا بعض اسماء ایسے بھی ہیں جو پردۂ خفاء میں ہیں اور وہ حدیث جس میں ننانوے ناموں کا ذکر ہے اس میں حصر مراد نہیں۔

ما جاء في المتحابين في الله

اللہ کے خاطر محبت کرنے والوں کا بیان

المتحابین: تثنیہ اور جمع دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے باب تفاعل سے اسم فاعل ہے، ایک دوسرے سے محبت کرنے والا یعنی جو خدا کے واسطے دوستی رکھتے ہوں ان کی دوستی میں کوئی دنیوی غرض اور مفاد نہ ہو۔

(۱) مالکٌ عن عبدِاللهِ بنِ عبدِالرحمنِ ابنِ معمرَ عن ابي الحُبَابِ سعيدِ بن يسارٍ عن ابی هريرةَ انّه قال قال رسولُ الله ﷺ اِنَّ الله تبارک تعالى يومَ القيامَة ايْنَ المتحابون لِجَلالِي اليومَ اُظِلُّهُم فِي ظِلّي يومَ لاَ ظِلَّ اِلاَّ ظِلّي.

ترجمہ: سعید بن یسار حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائیں گے کہ میری عظمت اور بزرگی کے باعث آپس میں محبت کرنے والے کہاں ہیں؟ آج میں ان کو اپنے سائے میں جگہ دونگا جس دن میرے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں۔

شرح حدیث: اس انعام کا حقدار اور مستحق وہی شخص ہوگا جن کے درمیان خدا واسطے دوستی ہے کسی دنیوی غرض اور مقاصد کے لئے نہیں ہے اور اللہ کے واسطے دوستی کا ایک مطلب یہ ہے کہ جب تک وہ اللہ کے حقوق اور فرمانبرداری کرتا ہے محبت قائم ہے اور جس دن نافرمانی پر اتر آتا ہے محبت ختم ہوجاتی ہے تا آنکہ اس سے توبہ کرلے اور ایک مطلب یہ ہے کہ چاہے ایک دوسرے پر احسان کرے یا نہ کرے ایک دوسرے کے لیے کام کرے یا نہ کرے آپس میں محبت برقرار ہے یہ دلیل ہے کہ اللہ کے واسطے محبت ہے نہ کہ دنیوی اغراض

کے لیے۔

الیوم اظلھم: قاضی عیاض کے نزدیک اس دن حقیقت میں اللہ کا کوئی سایہ ہوگا جو سورج کی گرمی اور تپش سے بچائے گا؛ لیکن اس کی کیفیت کیا ہوگی معلوم نہیں، دوسرے حضرات مجاز پر محمول کرتے ہیں، یعنی سایہ سے مراد اللہ کی حفاظت میں رہنا ہے، یعنی اللہ تعالی اس کو ہر تکلیف دہ چیز سے اپنی حفاظت وامان میں رکھیں گے۔ (اوجز ص ۳۴۳، مرقات ص ۲۱۱ ج ۹)

(۲) مالکؒ عن حبیب بنِ عبدالرحمن الانصارِي عن حفصِ بنِ عَاصِمٍ عن اَبی الخدری اَو عَن ابی هریرۃَ اَنَّه قال قال رسول الله ﷺ سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللهُ فِي ظِلّه يومَ لا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهُ امامٌ عادلٌ وَشَابٌّ نَشأَ في عبادةِ اللهِ وَرَجُلٌ قلبُه مُعَلَّقٌ بالمسجدِ اِذا خرج منهُ حتى يعودَ اِليهِ ورجلان تحابّا فی اللهِ اجتمعا علی ذالک وتفرقا علیهِ ورجلٌ ذَكَرَ اللهَ خاليا من قلبه ففاضت عيناهُ ورجلٌ دعَتْه ذاتُ حَسَبٍ وجمالٍ فَقَالَ اِنّی اخافُ الله ربَ العالمين ورجلٌ تصَدَّقَ بصدقةٍ فَاَخْفَاهَا حتى لا تعلمَ شِمَالُه ما تُنفِقُ يمينُهُ.

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ یا حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سات آدمیوں کو اللہ تعالی اس دن اپنے سایہ میں جگہ دیں گے جس دن اس کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا (۱) انصاف پرور حاکم (۲) وہ جوان جس نے اللہ تعالی کی عبادت میں نشوونما پائی ہو (۳) وہ آدمی جس کا دل مسجد میں اٹکا ہوا ہو جب وہاں سے نکلے یہاں تک کہ (دوبارہ) مسجد کی جانب لوٹ جائے (نکلنے سے داخل ہونے تک) (۴) وہ دو آدمی جنہوں نے اللہ ہی کے واسطے محبت کی ہو اسی پر اکٹھے ہوئے ہوں اور اسی پر جدا ہوئے ہوں (۵) وہ آدمی جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا پھر اس کی آنکھیں بہہ گئیں (دوسرا نسخہ: جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا اس حال میں کہ اس کا دل

غیر سے خالی تھا)(٦)اور وہ آدمی جس کو اونچے خاندان والی خوبصورت عورت نے (اپنی خواہش کی تکمیل کے لیے) بلایا ہو تو اس نے یہ کہہ دیا ہو کہ میں اس اللہ سے ڈرتا ہوں جو تمام جہانوں کا پالنہار ہے(٧) اور وہ آدمی جس نے صدقہ کیا ہو پھر اس کو پوشیدہ رکھا ہو یہاں تک کہ اس کے بائیں ہاتھ کو پتہ نہ چلے کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا۔

شرح حدیث: قیامت کے دن اللہ تعالی کے سایہ میں رہنے والے افراد سات ہی میں منحصر نہیں ہیں؛ بلکہ ان کے علاوہ اور بھی ہیں اور سات سے سات افراد مراد نہیں ہیں؛ بلکہ جنس مراد ہے، چنانچہ حضرت شیخ الحدیثؒ نے اوجز المسالک میں نوے تک شمار کرایا ہے۔(دیکھئے اوجز ص ۳۴۶)

(۱) **امام عادل:** منصف امام: وہ حاکم ہے جو اللہ کے احکام کو افراط وتفریط کے بغیر مناسب طریقہ پر نافذ کرے جس چیز کو جہاں رکھنا مناسب ہو اور جس کے ساتھ جیسا معاملہ کرنا بہتر ہے اسی طرح کرے۔

الذی یتبع امر اللہ بوضع کل شیء موضعہ من غیر افراط وتفریط.(اوجز ص ۳۴۶)

(۲) **وشاب نشا فی عبادۃ اللہ** : ایک وہ جوان جو جوانی کی امنگوں کے باوجود اللہ کی عبادت میں مشغول رہ کر پلا بڑھا ہو، باوجود یکہ جوانی دیوانی ہوتی ہے؛ لیکن اس کے باوجود گناہوں سے بچتا رہا نماز کا اہتمام کرتا رہا اور اللہ کے حضور میں روتا رہا، برخلاف اس شخص کے جو جوانی میں لاپرواہی کرتا رہا اور بڑھاپے میں اللہ کی طرف مائل ہوا۔

(۳) **ورجل قلبہ معلق:** یا تو تعلیق بہ معنی لٹکا ہوا ہونا یا علاقہ بہ معنی شدت محبت اور وابستگی سے ماخوذ ہے۔

اگر پہلا معنی لیں تو مطلب ہوگا کہ اس کا دل مسجد سے نکلنے کے باوجود مسجد ہی میں اٹکا ہوا ہو خواہ وہ دنیا کے کسی کام میں مشغول ہو، اور جب نماز کا وقت آئے تو فوراً تمام کاموں کو چھوڑ کر نماز کی طرف متوجہ ہو اور ایک نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے نکلتے وقت دوسری نماز کے لیے مسجد میں آنے کا منتظر رہتا ہو۔

قصد کرتا ہوں تیرے در سے چلے جانے کا
دل یہ کہتا ہے تو جا میں تو نہیں جانے کا

اور اگر دوسرا معنی لیں تو مطلب ہوگا کہ مسجد سے وابستگی اور محبت ہو۔ (اوجز ص ۳۴۷)

(٤) رجلان تحابا فی اللہ : وہ دو شخص جو اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لیے آپس میں حقیقتاً محبت کرتے ہوں اس محبت میں ان دونوں کا کوئی دنیوی غرض نہ ہو، آپس میں ملیں تو اللہ ہی کی نسبت پر اور جدا ہوں تو اسی نسبت پر، اس لئے کہ کچھ ملاقاتیں اور تعلقات وہ ہوتے ہیں جو آدمی اپنی ذاتی اغراض کے پیش نظر قائم کرتا ہے اور کچھ تعلقات وہ ہوتے ہیں جو اللہ کی نسبت پر ہوتے ہیں اس میں کوئی ذاتی غرض شامل نہیں ہوتی وہ ملاقات دین اور اللہ کی نسبت سے ہوتی ہے، اپنی ذاتی غرض کے لیے تو سب ہی تعلق اور محبت کرتے ہیں؛ لیکن اللہ کی خاطر ایک دوسرے سے محبت اور تعلق رکھنا اسی بنیاد پر ملنا اور اسی بنیاد پر جدا بھی ہونا، ایسے دو آدمیوں کی اللہ تعالی کے یہاں بڑی قدر و قیمت ہے، بعض حضرات فرماتے ہیں ان کی محبت ایسی ہو کہ موت بھی اس محبت کو ختم نہ کرسکتی ہو یہی ہے حب فی اللہ، کہ زندگی میں بھی محبت اور موت کے بعد بھی اس سے محبت اور دینی تعلق ہو۔

(۵) والرجل ذکر اللہ خالیا: وہ آدمی جو تنہائی میں اللہ کو یاد کرے اور اس کی آنکھیں ڈب ڈبا جائیں، تنہائی میں اللہ کو یاد کر کے رونا یہ اللہ تعالی کے ساتھ غایت تعلق اور انتہائی محبت اور اس کے خوف و خشیت کی علامت ہے یہ ریاء سے دور ہے۔

خالیا من قلبہ، بعض نسخوں میں من قلبہ موجود ہے بعض نسخوں میں نہیں ہے اوپر کا مطلب من قلبہ نہ ہونے کی صورت میں ہے اور اگر من قلبہ موجود ہو تو اس وقت تاکید کے لیے ہوگا چونکہ تنہائی میں وہی انسان روتا ہے جو مخلص ہے اور دل سے رونا اخلاص کی علامت ہے،،، بعض حضرات نے خالیا من قلبہ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اس کا دل غیر سے فارغ ہو خواہ وہ مجلس میں ہو یا تنہائی میں ہو جب کبھی بھی وہ اللہ کو یاد کرتا ہے اس وقت اس کے دل میں اللہ کے سواء کوئی نہیں ہوتا لہذا یہ صورت مجلس میں بھی ہوسکتی ہے۔

(٦) ورجل دعتہ ذات حسب الخ: وہ آدمی جس نے اپنی خواہشات پر

ایسی روک لگائی کہ ایک ایسی عورت جو اونچے منصب اور خاندان والی ہے اور خوبصورت۔ حسن وجمال کا پیکر بھی ہے، اس نے اس شخص کو بدفعلی اور بدکرداری کی دعوت دی، تنہائی میں اپنی طرف آمادہ کیا ایسے موقع پر آدمی عام طور پر آپے سے باہر آجاتا ہے، خدا کو بھول جاتا ہے اور بدکاری میں متبلا ہو جاتا ہے لیکن وہ شخص تو وہ ہے جو جواب میں کہتا ہے میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں، اس لئے اس حرکت سے باز رہنے کا ذریعہ صرف اللہ کا خوف بنا تو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں جگہ دیں گے۔

(۷) **ورجل تصدق بصدقه الخ:** وہ آدمی جس نے کوئی صدقہ اتنا چھپا کر کیا کہ بائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہیں چلا کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا؟ اس لئے صدقہ اگر کھل کر کیا جائے تو ہو سکتا ہے اس میں نام آوری اور شہرت ہو اس لئے چھپا کر دیا، آدمی کا اس طرح عمل کو انجام دینا انتہائی خلوص کی طرف اشارہ کرتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ ایسا مقبول اور پسندیدہ ہوتا ہے کہ ایسے آدمی کو بھی قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں جگہ عطا کریں گے۔ (اوجز ۳۴۸)

(۳) عَنْ سُهَيلِ بْنِ ابی صَالحٍ عَنْ اَبِيْهِ عَن ابی هُرَيْرَةَؓ اَنَّ رَسولَ الله ﷺ قَالَ اِذَا اَحَبَّ اللّٰهُ العبدَ قَالَ لِجبريْلَ يَا جبريلُ قَد اَحْبَبْتُ فلانا فَاَحِبَّه فَيُحِبُّهُ جبريلُ ثُمَّ يُنَادي فِي اَهْلِ السَّمَاءِ اِنَّ اللهَ قَد اَحبَّ فلانا فَاَحِبُّوهُ فَيُحِبُّهُ اَهلُ السماءِ ثُمَّ يَضَعُ له القُبولَ فی الارضِ وَ اِذَا اَبْغَضَ اللّٰهُ العبدَ قَال مالكٌ لَا اَحْسِبُهُ اِلَّا اَنَّه قال فِي البُغْضِ مِثْلَ ذلك.

ترجمه: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل سے کہتا ہے اے جبریل میں فلاں سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر، پس جبریل اس سے محبت کرنے لگتا ہے، پھر وہ آسمان والوں میں منادی کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندہ سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو۔ آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ زمین والوں میں اس کی قبولیت رکھ دیتا ہے، اور جب اللہ کسی بندہ کو ناپسند کرتا ہے (تو امام مالک نے کہا میرے خیال میں حضور ﷺ

نے یا امام مالک کے استاذ سہیل بن صالح نے) بعض کے متعلق بھی اس قسم کی بات کہی۔

شرح حدیث: اس حدیث میں اللہ کی محبت سے مراد اللہ کا بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ کرنا احسان کا بدلہ دینا، اور اس بندے سے راضی ہونا ہے، اور جبریل کی محبت سے مراد حضرت جبریل کا اس بندے کے لئے دعاء اور استغفار کرنا ہے، پھر حضرت جبریل آسمان والوں میں منادی کرتے ہیں کہ تم بھی اس سے محبت کرو، تو وہ بندہ اللہ تعالیٰ کے مطیع اور فرماں بردار ہونے کی وجہ سے آسمان والوں میں بھی محبوب بن جاتا ہے۔

ثم یضع لہ القبول: پھر زمین میں قبولیت رکھ دی جاتی ہے لوگ ان سے قرابت اور رشتہ داری کے بغیر صرف اللہ کے واسطے محبت کرنے لگتے ہیں یہاں تک کہ وہ بندہ ایسا ہوتا ہے کہ ان کو دیکھے بغیر بھی لوگ محبت کرنے لگتے ہیں۔

سوال: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ اپنے محبوب بندوں کو دنیا میں مقبولیت عطا فرماتے ہیں جبکہ دوسری حدیث میں ہے "رب اشعث اغبر مدفوع بالابواب" بعض محبوب بندوں کو دروازوں سے دھتکار دیا جاتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قضیہ مہملہ ہے، جو جزئیہ کے درجہ میں ہوتا ہے کلیہ نہیں ہے، اللہ جس محبوب بندے کے بارے میں جانتے ہیں کہ مقبولیت عطا کرنے سے اس بندے کو کوئی نقصان نہیں ہوگا تو اس کو سب کے نزدیک مقبول بنا دیتے ہیں، اور جس کے بارے میں یہ جانتے ہیں مقبولیت دینے میں اس کا نقصان ہے تو اس کو مقبولیت نہیں دیتے، اگرچہ وہ اللہ کے نزدیک مقبول ہو۔ اسی کو ملا علی قاری نے کہا کہ خاص لوگ اس سے محبت کرتے ہیں عام لوگوں کی محبت مراد نہیں ہے۔ (اوجز ص: ۳۵۰)

(۴) مَالِكٌ عَن اَبِی حَازِمٍ بنِ دِینَارٍ عَن اَبِی اِدرِیسَ الخَوْلَانِیِّ اَنَّهُ قَالَ دَخَلتُ مسجدَ دِمَشقَ فَاِذَا فَتًی شَابٌّ بَرَّاقُ الثَّنَایَا واذا النّاسُ معهُ اِذَا اِختلفُوا فی شَیئٍ اَسنَدُوا الیه وَصَدَرُوا عن قولِهِ فسئلتُ عنهُ فَقِیلَ لِي هذا معاذُ بْنُ جبلٍ فَلَمَّا كان الغدُ هَجَّرتُ فوجدتُهُ قد سَبَقَنی بالتَّهجِیرِ ووجدتُهُ یُصَلی فانتَظَرتُهُ حتّی قَضٰی صَلوتَهُ ثم جئته مِن قِبَلِ

وجهِهٖ فَسلمتُ عَليهِ ثُم قلتُ واللّٰهِ اِنّي لَأُحبُكَ في اللهِ فَقَال آللّٰهِ قال فقلتُ آللهِ فقال آللّٰهِ فقلتُ آللّٰه قال فَاخذ بِحبْوَةِ رِدَائِي فَجَبَذَنِي اليه وقال اَبشِر فَانّي سمعتُ رسولَ اللهِ ﷺ يقول قال الله تبارك وتعالى وَجَبَتْ مُحَبَّتِي لِلمُتَحَابِيْنَ فِيَّ وَالمُتَجَالِسِيْنَ فِيَّ والمُتَجَاوِرِيْن فِيَّ وَالمُتَبَاذِلِيْنَ فِيَّ.

ترجمه: حضرت ابوادریس خولانیؒ فرماتے ہیں کہ میں دمشق کی مسجد میں داخل ہوا تو وہاں میں نے ایک چمکدار دانتوں والے نوجوان کو دیکھا جن کے ساتھ کچھ لوگ تھے، جب ان میں کسی مسئلہ میں اختلاف ہوتا تو لوگ ان کی طرف رجوع کرتے اور ان کی بات پر اتفاق کرتے، میں نے ان کے متعلق پوچھا تو مجھ سے کہا گیا کہ یہ معاذ بن جبل ہیں، جب دوسرا دن ہوا، تو میں دوپہر کو (مسجد میں) آگیا تو میں نے ان کو پایا کہ وہ دوپہر کے وقت جلدی آنے میں مجھ پر سبقت لے گئے ہیں، میں نے انہیں نماز پڑھتے ہوئے پایا (ابو ادریس خولانی نے) کہا کہ میں نے ان کی نماز پوری ہونے تک انتظار کیا پھر میں ان کے سامنے کی جانب سے ان کے پاس آیا۔ اور ان کو سلام کیا اور کہا بخدا میں آپ سے اللہ کی خاطر محبت کرتا ہوں تو انہوں نے کہا کہ کیا خدا قسم ایسا ہی ہے؟ میں کہا ہاں! خدا کی قسم ایسا ہی ہے، ابوادریس خولانی نے کہا اس نے میری چادر کا کنارہ پکڑا اور اپنی طرف مجھ کو کھینچا اور فرمایا تیرے لئے خوشخبری ہے، اس لئے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میری خاطر باہم محبت کرنے والوں، میری خاطر اکٹھے بیٹھنے والوں، میری خاطر ایک دوسرے کی زیارت کرنے والوں اور میری خاطر باہم خرچ کرنے والوں کے لئے میری محبت واجب ہوگئی۔

لغات: دمشق، دال کا کسرہ اور میم کا فتحہ، اور کسرہ بھی، ملک شام کا ایک شہر اس کا بانی دمشاق بن کنان تھا، اسی مناسبت سے اس شہر کا نام دمشق رکھا گیا، الشاب: جوان، جمع شباب وشبان، فتی: نوجوان، جمع فتیان، براق: باء کا فتحہ اور راء مشدد، چمکدار، (ن)

چمکنا،روشن ہونا، ثنایا، سامنے کے اوپر اور نیچے کے دو، دو دانت واحد ثنیة،براق الثنایا سے مراد چمکدار دانت، یا ہنس مکھ، صدر: (ن،ض) عن، واپس ہونا، مراد،ان کی رائے سے مطمئن ہوکر واپس ہوتے،ھجرت:جیم مشدد دوپہر میں چلنا، آللہ:ہمزہ کا مد اور ہا کا کسرہ،سید شریف جرجانی کے نزدیک اس کی اصل اوللہ ہے،حرف قسم واو کو حذف کر کے ہمزئے استفہام کو اس کی جگہ رکھ دیا گیا ہے اور کسرہ علی حالہ باقی ہے: اور علامہ طیبی کے نزدیک منصوب بنزع الخافض ہے،اس کی اصل اتقسم باللہ ہے، با کو حذف کر کے نصب دے دیا گیا ہے، حبوة: حاء کا ضمہ اور با کا سکون، وہ کپڑا جس سے پیٹھ اور پنڈلیوں کو ملا کر باندھ لیا جائے جمع حبی: مراد کمر پیٹھ، وجبت:بمعنی ثبتت، یہ ثابت ہوگئی۔

شرح حدیث: حضرت ابوادریس خولانیؒ فرماتے ہیں جب میں دمشق کی مسجد میں گیا تو دیکھا ایک نوجوان مسجد میں بیٹھا ہے لوگ ان کے سامنے اپنے مسائل پیش کر رہے ہیں، اور ان کی باتوں سے مطمئن ہوکر واپس جا رہے ہیں، میں نے لوگوں سے ان کے بارے میں پوچھا کہ یہ حضرت کون ہیں؟ تو لوگوں نے بتایا کہ یہ حضرت معاذ بن جبلؓ ہیں، جب دوسرا دن ہوا تو میں جلدی سے مسجد میں گیا تاکہ ان سے گفتگو کرنے کا موقع ملے،تو وہ مجھ سے پہلے ہی مسجد میں پہنچ چکے تھے،اور نماز میں مشغول تھے،تو میں ان کے انتظار میں رہا تا آنکہ وہ نماز سے فارغ ہوگئے۔

آداب انتظار: اگر کسی کے انتظار میں آپ ہوں اور وہ نماز، ذکر، تلاوت وغیرہ میں مشغول ہو تو پیچھے بیٹھنا چاہئے،جیسا کہ ابوادریس خولانیؒ حضرت معاذ کے نماز پڑھنے تک پیچھے بیٹھے رہے، تاکہ وہ اپنی نماز، ورد، کو یکسوئی کے ساتھ ادا کر لے چنانچہ حضرت تھانوی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں اگر کسی کا انتظار مقصود ہو اور وہ کسی عبادت میں مشغول ہے تو اس انداز سے انتظار کرنا چاہئے کہ اس کو پتہ نہ چلے۔

اللہ کی محبت کے حقدار: وجبت محبتی للمتحابین الخ جو لوگ اللہ کی خاطر آپس میں مل بیٹھتے ہیں، جیسے دین کی باتیں سیکھنے، سکھانے، اور سننے سنانے کے لئے، دین کی ایسی فکر میں جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے ان کو انجام دینے کے لئے مثلاً حدود

شرعیہ قائم کرنے کے لئے، ایفاء عہد اوامر کو بجالانے کے لئے، بیماروں کی مدد کا مشورہ کرنے کے لئے، آپس میں مل بیٹھیں، تو یہ سب کا سب المتجالسین فی، میں شامل ہے۔

والمتزاورین فی الخ: اور اسی محبت کی خاطر آپس میں ایک دوسرے کی زیارت اور ملاقات کرتے ہیں، اور اسی نسبت سے جاتے ہیں کہ اللہ کے کسی حکم کو پورا کرنا مقصود ہے۔

والمتباذلین فی الخ: یہ وہ لوگ ہیں جو خاطر و مدارات میں بخل سے کام نہیں لیتے بلکہ ایک دوسرے پر اللہ واسطے خرچ کرتے ہیں، خواہ یہ خرچ اپنی ذات پر ہی کرے، لیکن ملاقات صرف اللہ کی نسبت سے ہے، تو یہ بھی اس میں داخل ہے، جیسے کوئی کسی سے اللہ کی خاطر ملاقات کے لئے جارہا ہے اور سفر میں اپنی ذات پر خرچ کررہا ہے ایسے تمام لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میری محبت واجب ہوگئی، اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی محبت کے حقدار ہوجاتے ہیں۔ (اوجزص:۳۵۲)

محبت کے لئے کچھ خاص دل مخصوص ہوتے ہیں
یہ وہ نغمہ ہے جو ہر ساز پر چھیڑا نہیں جاتا

شاعر کا شعر اپنی جگہ پر، یقیناً اللہ کا خاص انعام و اکرام ہے جسے چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں مگر اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہئے اور ہمیں بھی وہ اسباب اختیار کرنا چاہئے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص بندوں میں ہمیں بھی شامل کرلے، اور وہ اسباب گناہوں کا چھوڑنا اور ذکر کا اہتمام کرنا، حقوق کی ادائیگی اور سنتوں کی پابندی ہے، اس سے قلوب اللہ تعالیٰ کی ان رحمتوں کو اپنی طرف کھینچنے کی صلاحیت پیدا کرلیتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے مخصوص بندوں میں شامل فرمالے اور ہم سب کی مغفرت فرمادے آمین۔

(۵) مالکٌ اَنّہٗ بَلَغَہٗ عَن عبدِاللہِ بْنِ عباسٍ اَنَّہٗ کان یقول اَلْقَصْدُ وَالتُّؤَدَۃُ وَحُسْنُ السَّمْتِ جُزْءٌ مِن خمسۃٍ وعشرینَ جُزْءً مِنَ النبوۃِ.

ترجمہ: حضرت امام مالک کو یہ خبر پہونچی کہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے تھے کہ میانہ روی اور آہستگی (اطمینان سے کام انجام دینا) اور پسندیدہ روش نبوت کے پچیس

حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔

لغات: القصد (ض) میانہ روی اختیار کرنا، ہر چیز میں اعتدال، افراط وتفریط سے پاک، التؤدۃ تاء کا ضمہ اور ہمزہ کا فتحہ، فُعَلَۃٌ، کے وزن پر، بمعنی متانت، سنجیدگی۔

شرح حدیث: میانہ روی سے مراد یہ ہے: ہر کام اور ہر حال میں افراط وتفریط سے بچنا اور اعتدال کی راہ اختیار کرنا، خواہ دنیاوی معاملہ ہو یا اخروی جیسے کھانا، پینا، زیب وزینت، عبادت، تلاوت وغیرہ چنانچہ جن صحابہ کرام نے بہت زیادہ عبادت گزاری کا ارادہ کیا تھا آپ نے ان کو منع کر دیا تھا، کیونکہ یہ میانہ روی کے خلاف تھا اسی طرح بعض صحابہ کرام نے راہ خدا میں اپنا پورا مال خرچ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا تو آپ نے ان کو بھی روک دیا تھا اور صرف تہائی مال خیرات کرنے کی اجازت دی تھی، اسی طرح تنگدستی اور فراخ دستی میں بھی اپنے اوپر یا دوسروں پر خرچ کرنے میں اعتدال کی راہ اختیار کرنی چاہیئے، اسی طرح کسی کام میں متانت اور سنجیدگی اختیار کرنا نیز اچھی شکل وشباہت یا پسندیدہ طریقہ، اور سیرت اختیار کرنا نبوت کا پچیسواں حصہ ہے۔

جزء من خمسة وعشرين الخ: خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا مگر کمالات نبوت باقی ہیں، یعنی جب نبوت کا سلسلہ جاری تھا، تو اللہ تعالیٰ جن خوبیوں پر نبوت عطا فرماتے تھے، وہ کمالات باقی ہیں، لیکن تمام کے تمام کمالات ایک درجہ کے نہیں ہیں، کوئی اہم ہے، اور کوئی اس سے فروتر، پس ہر کمال کی مجموعہ کمالات سے نسبت دیکھنے کا طریقہ یہ ہے، پہلے اس کمال کا وزن کر لیا جائے پھر اس کمال کے ہم وزن باقی کمالات کے مجموعہ کو تقسیم کیا جائے تو کل جتنے اجزاء ہوں گے یہ کمال اس کا ایک جزء ہوگا، لہذا ان تین کمالات کا یعنی میانہ روی، آہستگی اور اچھی سیرت کا مجموعہ کمالات نبوت کا پچیسواں حصہ ہوگا۔

اس حدیث میں تینوں صفتوں کے مجموعہ کو جزء نبوت کہا گیا ہے یا تو تینوں مل کر ایک جزء کا درجہ رکھتی ہے یا ان میں سے ہر ایک صفت کو علیحدہ علیحدہ جزء کہا گیا ہے، اوپر کا مضمون اور تفسیر مجموعہ کے اعتبار سے ہے اور اگر ہر صفت کو علیحدہ علیحدہ مانیں تو پھر مجموعہ پچھتر

ہوگا، اور ہوسکتا ہے کہ عدد کا یہ اختلاف متصف بہ کے اندر حاصل شدہ کمیت اور کیفیت کے اختلاف کے اعتبار سے ہو، اور جزء نبوت ہونے کا مطلب یہ ہے یہ خوبیاں اور صفتیں ان خوبیوں اور صفتوں میں سے ہے جن سے انبیاء متصف ہوتے ہیں، یا یہ صفتیں ان صفتوں میں سے ہے جن کو انبیاء لے کر آتے ہیں، یہ مطلب نہیں ہے کہ نبوت امر متجزی اور کسبی ہے، کہ جس شخص میں یہ صفات موجود ہوں وہ درجہ نبوت پر فائز ہوگا۔ (تلخیص از ادجز ص:۳۵۴ تحفہ:۳۴۳ ج:۵)

ما جاء فی الرؤیا

خواب کا بیان

رؤیـــــا اور رؤیة دونوں مصدر ہیں دونوں میں دوحرف تانیث ہے ایک میں الف تانیث اور دوسرے میں تاء تانیث، اس کو دوطرح پڑھا جاتا ہے، رؤیا راء کے بعد ہمزہ اور رویا ہمزہ کو واو سے بدل کر، رؤیة بمعنی آنکھ سے دیکھنا، اور رؤیا خواب میں دیکھنا، اور رأی دل سے دیکھنا، فراست، بصیرت۔

خواب کی حقیقت یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالی بیدار آدمی کے دل میں خیالات پیدا کرتا ہے اسی طرح سونے والی آدمی کے دل میں بھی کچھ خیالات پیدا کرتا ہے، انہی خیالات کو خواب کہتے ہیں۔

مذهب اهل السنة ان حقيقة الرؤيا خلق الله فى قلب النائم اعتقادات كخلقها فى اليقظان. (مرقات ص۴۲ ج۸)

خواب کی حقیقت پر علماء نے بہت کچھ لکھا ہے مگر ہمارا روزانہ کا تجربہ ہونے کے باوجود ہماری عقل وفہم سے بالاتر ہے جس طرح بیداری میں انسانی قلب پر بے شمار وساوس آتے جاتے رہتے ہیں، جن میں اکثر کی علت سمجھ میں نہیں آتی اسی طرح خواب کا بھی حال ہے کہ اس میں بے شمار خواطر، وساوس، گزشتہ، موجودہ یا آئندہ کے واقعات دکھائی دیتے ہیں مگر ہوتا ہے اس کا برعکس، اور اس کی علت سمجھ میں نہیں آتی۔

انبیاءؑ کا قلب صاف شفاف ہوتا ہے اور ہمہ وقت ان کا دل بیدار رہتا ہے، بیداری کے عالم میں بھی اور نیند کی حالت میں بھی، اس لئے ان کا خواب وحی کے درجہ میں ہوتا ہے،، پھر جن حضرات کا تعلق اور قرب انبیاء سے جتنا زیادہ ہوگا ان کا خواب بھی اتنا ہی زیادہ سچا ہوگا؛ لہٰذا آج کل ہر وہ شخص جس کی زبان سچی نہیں، کھانا حلال نہیں، احکامات خداوندی کا پابند نہیں، اس نے اگر خواب دیکھ لیا تو یقین کر بیٹھتا ہے کہ واقعی سچ ہے اور اشارات خداوندی ہے،، ضروری نہیں،، بلکہ کبھی کبھی شیطانی اثرات کی وجہ سے بھی اس طرح کے خیالات خواب میں آتے ہیں، حدیث میں آپ ﷺ نے ایسے خواب کے وقت اللہ سے پناہ مانگنے کی بات کہی ہے اور کبھی دن بھر کے خیالات کا بھوت نیند میں سوار ہو جاتا ہے، اور کبھی مزاج کے باعث خواب دیکھتا ہے ایسی صورت حال میں کچھ گندے خواب ایسے ہوتے ہیں جن کا شیطانی ہونا واضح ہے اور کچھ اچھے خواب ہوتے ہیں جن کا ربانی ہونا واضح ہے اور کچھ خواب ایسے ہوتے ہیں جو سمجھ سے بالاتر ہوتے ہیں پس حقیقی معبر ہی بتا سکتا ہے کہ خواب شیطانی ہے یا ربانی۔ (تلخیص از اوجز ۳۵۶)

(۱) مَالِكٌ عَنْ إِسحاقَ بنِ عبدِاللهِ بنِ أَبِى طَلحةَ الأَنْصارِيِّ عَنْ أَنَسِ بنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ الرُّؤْيا الْحَسَنَةُ مِنَ الرَّجُلِ الصَّالِحِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَأَرْبَعِينَ جُزْءً ا مِنَ النُّبُوَّةِ.

ترجمہ: حضرت انس ابن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نیک آدمی کا اچھا خواب نبوت کے چھیالیسویں جز میں سے ایک جز ہے۔

شرح حدیث: اس حدیث میں رویا کے ساتھ حسنہ کی قید ہے، اور حسنہ سے بعض حضرات نے صالحہ، اور بعض حضرات نے صادقہ مراد لیا ہے، اور یہاں یہی مراد ہے۔ والمراد منه القسم الاول ای الصادقه. (اوجز ۳۵۶)

یعنی جو خواب صحیح اور واقع کے مطابق ہو خواہ مبشر ہو یا منذر وہ نبوت کا چھیالیسواں جز ہے۔

اس حدیث پر دو مشہور اعتراض وارد ہوتے ہیں۔

پہلا اعتراض: کسی شی کا جز اس شی کے ساتھ ہوتا ہے اور سچے خواب نبوت کا ایک جز ہے تو مرد مومن میں اگر سچے خواب پائے جائیں تو نبوت کا پایا جانا لازم آیگا حالانکہ نبوت خاتم النبیین علیہ السلام پر ختم ہو چکی ہے اس کا جواب یہ ہے یہاں منطقی جز مراد نہیں ہے کہ وہ جز کل کے ساتھ ہو؛ بلکہ سچے خواب کمالات نبوت اور صفات نبوت کا ایک حصہ ہے، اور کمالات اور صفات نبوت اب بھی باقی ہیں، اگر کسی مرد مومن میں نبوت کے کمالات پائے جائیں تو وہ نبی نہیں ہوگا، جیسا کہ سابق میں حدیث القصد التؤدة الخ کے تحت اس کی تفصیل گزری۔

دوسرا اعتراض: اس حدیث میں سچے خواب کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ کہا گیا ہے، اور دوسری احادیث میں یہ عدد مختلف ہیں، کسی میں پچیسواں، کسی میں سیتالیسواں وغیرہ، ان مختلف احادیث کی توجیہ کیا ہوگی؟ اس کا جواب اور اس کی سب سے بہتر توجیہ یہی ہے کہ اس کا صحیح علم اللہ ہی کو ہے، یا اللہ نے اپنے نبی کو بتایا ان کے علاوہ کسی کو اس کی حقیقت کا علم نہیں ہے۔

ہم کو اجمالاً احادیث سے صرف اتنا معلوم ہو گیا کہ خواب اجزاء نبوت میں سے ایک جز ہے اب یہ کون سا جز ہے؟ اور اس کو کل اجزاء نبوت سے کیا نسبت ہے؟ دسواں جز ہے، یا بیسواں، اس کو سمجھنا ہماری بس کی بات نہیں، اس نسبت کو نبی ہی سمجھ سکتے ہیں، ایک عالم کے لیے ضروری نہیں کہ وہ ہر بات اجمالا جانے اور تفصیلا بھی، ہر عالم کے علم کی ایک حد ہوتی ہے جہاں آکر وہ رک جاتا ہے؛ چنانچہ بعض امور ایسے ہوتے ہیں جن کی مراد کو عالم اجمالا اور تفصیلا دونوں طرح جانتا ہے اور بعض امور ایسے ہوتے ہیں جن کا علم اس کو اجمالا ہوتا ہے تفصیلا نہیں، پس رؤیا صادقہ کا اجزاء نبوت ہونا اسی قبیل سے ہے۔

یا ان عددوں سے تحدید مراد نہیں بلکہ تکثیر ہے، نیز جس طرح میانہ روی، آہستگی، اور اچھی روش کمالات نبوت میں سے ہے، اور لوگوں کے مراتب میں ان کی کیفیت اور کمیت میں اختلاف کی وجہ سے اختلاف ممکن ہے، اسی طرح سچے خواب لوگوں کے مراتب اور

دیکھنے والوں کی کیفیت کے اعتبار سے مختلف ہو سکتے ہیں بہر حال یہاں جو چھیالیسواں جز قرار دیا ہے اس کی مشہور توجیہ یہ ہے کہ زمانہ نبوت کل تیئیس (۲۳) سال ہے، تیرہ سال مکہ مکرمہ، اور دس سال مدینہ منورہ میں، اور وحی کی ابتدا رویا صالحہ سے ہوئی اور یہ مدت چھ ماہ ہے، جو کہ مدت نبوت یعنی تیئیس سال کا چھیالیسواں حصہ ہے اس طور پر کہ تیئیس کو دوگنا کیا جائے تو چھیالیس بنتا ہے اس کا ایک جز چھ ہے۔ اس مشہور توجیہ پر بھی اعتراض کیا گیا ہے، جیسا کہ اہل علم پر مخفی نہیں لہذا اسلم طریقہ وہی ہے، کہ اس جزء کی تخصیص اللہ کے علم کی طرف تفویض کی جائے۔ (تلخیص از اوجز ص:۳۶۱ مرقات ص:۴۲۲ ج:۸)

مالک عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی ہریرۃؓ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل ذلک

حضرت ابو ہریرۃؓ سے دوسری سند لا کر امام مالک نے اس حدیث کو ترجیح دی ہے جس میں سچے خواب کو نبوت کا چھیالیسواں جزء بتایا گیا ہے باقی اس سلسلہ میں روایات مختلف ہیں، جیسا کہ گذرا۔

(۲) مالکٌ عن اسحٰقَ بن عبدِاللہِ ابنِ ابی طلحۃَ عن زفرَ بنِ صَعْصَعۃَ عن ابیہِ عن ابي اھریرۃؓ اَنَّ رسولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کَانَ اِذَا انْصَرفَ مِن صلوۃِ الغداۃِ یقولُ ھَل رایٰ احدٌ منکُم اللیلۃَ رُوْیاہ ویقُول لَیسَ یبقٰی بعدِي منَ النبوۃِ اِلَّا الرویَا الصَّالحۃُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرۃؓ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی نماز سے فارغ ہوتے تو فرماتے کیا تم میں سے کسی نے آج رات خواب دیکھا ہے؟ اور فرماتے میرے بعد نبوت میں صرف اچھے خواب باقی رہ جائیں گے۔

شرح حدیث: امام بخاریؒ نے حضرت سمرہ بن جندبؓ سے اسی طرح کی ایک روایت ذکر کی ہے، کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد مسجد میں تشریف فرما ہوتے اور صحابہ سے پوچھتے کیا آج رات کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے، صحابہ اپنے اپنے خواب کو ذکر فرماتے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تعبیر بتاتے، پھر فرماتے کہ نبوت کے کمالات اور

اجزاء میں سے صرف مبشرات باقی رہ گئے ہیں، صحابہ نے عرض کیا، یارسول اللہ مبشرات کیا ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا سچے اور اچھے خواب، باقی تفصیل گذر چکی اور دوسری حدیث میں اس کا ذکر ہے۔

(۳) مالکٌ عن زید بن اسلمَ عَن عَطَاءِ بنِ یسارٍ اَنَّ رسول اللہ ﷺ قَالَ لَن یَبقٰی بَعدِی من النبوۃِ اِلّا المُبَشِّراتُ فقالُوا وَمَا المُبشراتُ؟ یارسولَ اللہ قالَ الرویا الصالحۃُ یَراھَا الرجلُ الصالحُ او تُرَی لَہٗ جزءٌ مِن ستۃٍ وَ اَربَعِینَ جُزءً مِن النبوۃِ.

ترجمہ: عطا بن یسار سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا میرے بعد نبوت میں سے سوائے مبشرات کے اور کچھ باقی نہیں رہے گا، لوگوں نے کہا یارسول اللہ مبشرات کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا اچھے خواب، جس کو نیک بخت آدمی دیکھے یا دوسرا اس کے واسطے دیکھے، یہ نبوت کے اجزاء میں سے چھیالیسواں جز ہے۔

(۴) مالکٌ عن یحیٰ بنِ سعیدٍ عن اَبی سلمۃَ بن عبدالرحمن اَنَّہ قال سمعتُ اَبا قتادۃَ بنَ رِبعِیٍّ یقول سمعتُ رسولَ اللہ ﷺ یقولُ الرُّویَا الصالحۃُ مِن اللہِ وَالحُلمُ من الشیطٰنِ فاذا رَایٰ اَحدُکم الشیءَ یَکرَھُہٗ فَلیَنفُثْ عن یسارہٖ ثَلٰثَ مراتٍ وَلیَتَعوذ بِاللہِ من شرھَا فَاِنہ لن یضرہٗ ان شاء اللہ قال ابو سلمۃَ اِن کنتُ لاُریٰ الرویَا ھِیَ اَثقَلُ عَلَیَّ من الجبلِ فلما سمعتُ ھذا الحدیث فما کنتُ اُبالِیُھَا.

ترجمہ: ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے کہا میں نے حضرت ابوقتادہ بن ربعی (انصاری) کو کہتے ہوئے سنا انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا، اچھے خواب اللہ کی طرف سے ہے، اور برے خواب شیطان کی طرف سے ہے، پس تم میں سے کوئی ناپسندیدہ خواب دیکھے، (تو جب بیدار ہو) اپنی بائیں جانب تین بار تھتکارے اور اس کے شر سے اللہ کی پناہ مانگیں تو اس کو اللہ چاہے تو ہرگز نقصان نہ دیگا (راوی حدیث) ابوسلمہ نے کہا کہ میں (بعض دفعہ) ایسا خواب دیکھتا تھا جو مجھ پر پہاڑ سے زیادہ بوجھل ہوتا تھا، تو جب میں نے یہ حدیث

سنی تو اس کی پرواہ نہ کرتا تھا۔

الحلم: حا کا ضمہ اور لام کا سکون، اور ضمہ بھی، برے خیالات کا خواب میں دیکھنا۔

شرح حدیث: بعض مرتبہ انسان ڈراؤنے خواب دیکھتا ہے اور طرح طرح کے وساوس میں مبتلا ہو جاتا ہے، یہ شیطان کے اثر سے ہوتا ہے، جیسا کہ روای حدیث حضرت ابو سلمہؒ خود فرماتے ہیں، کہ میرے سر پر پہاڑ جیسا بوجھ رہتا تھا، لیکن جب میں نے یہ حدیث سنی تو اب میں اس کی پرواہ نہ کرتا تھا، چونکہ اس برے خواب کی برائی کے ازالہ کا ایک موثر علاج مل گیا تھا اور وہ ہے اللہ کی پناہ، اللہ تعالیٰ جس بندے کو اپنی پناہ میں لے لیتے ہیں، وہ ہر شر سے محفوظ رہتا ہے۔ (مرقات ص:۴۲۹ ج:۸)

اس حدیث میں برے خواب کے دو علاج مذکور ہیں (۱) بیدار ہونے کے بعد اپنی بائیں جانب تین بار تھتکارنا (۲) شیطان کے شر سے پناہ مانگنا دوسری روایت میں اور بھی ہیں (۳) اس کا ذکر کسی سے نہ کرنا (۴) پہلو بدل لینا (۵) اٹھ کر نماز پڑھنا (۶) آیۃ الکرسی پڑھنا۔

(۴) مـالـكٌ عن هشـامِ بـنِ عـروةَ عن ابيهِ انَّه كان يقولُ في هذهِ الايةِ لَهُمُ البُشـرىٰ فـي الـحيـاةِ الـدنيـا وفـي الآخـرةِ قال هي الرويا الصالحةُ يراهاَالرجلُ الصالحُ اَو تُرىٰ له.

ترجمہ: حضرت عروہ اس آیت (ان کے لئے بشارت ہے دنیاوی زندگی میں اور آخرت میں) کی تفسیر میں فرماتے تھے کہ (وہ دنیوی بشارت) اچھے خواب ہیں، جس کو آدمی دیکھتا ہے یا اس کے لئے دیکھا جائے۔

شرح حدیث: یہ تفسیر کئی مرفوع روایات میں بھی وارد ہوئی ہے، کہ دنیا میں بشارت اچھے خواب ہیں، اور آخرت میں جنت، کہ اچھے خواب آدمی کبھی خود دیکھتا ہے، اور کبھی دوسرے کے لئے دیکھتا ہے۔

ماجاء فی النرد

نرد (چوسر) کا بیان

نرد: نون کا فتحہ اور را کا سکون، اس کو نردشیر بھی کہا جاتا ہے، اردشیر بن بابک نامی فارس کے ایک بادشاہ نے اس کھیل کو ایجاد کیا تھا اس لئے اس کو اس کی طرف منسوب کر کے نردشیر کہتے ہیں۔

نرد: ائمہ اربعہ کے نزدیک حرام ہے، چونکہ اس کے متعلق صریح حدیث موجود ہے، اور اگر اس کھیل میں جوا بھی شامل ہو جائے تو قمار کی وجہ سے حرام ہوگا اور اگر قمار نہ ہو تب بھی یہ بغض وعداوت اور لہو ولعب، اور اعراض عن ذکر اللہ کے سبب ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔

شطرنج: ایک کھیل ہے، جو بتیس مہروں اور چوسٹھ خانوں سے کھیلا جاتا ہے، مشہور ہے کہ صِصَّہ نامی آدمی نے ہندوستان کے بادشاہ کے لئے یہ کھیل ایجاد کیا تھا، ائمہ ثلثہ کے نزدیک یہ کھیل حرام ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے؛ کیونکہ اس سے ذہن میں تیزی پیدا ہوتی ہے، بشرطیکہ اس پر مداومت نہ کرے، ورنہ مکروہ تحریمی ہے۔ (مرقات ص:۳۴۱ ج:۸)

(۱) مالک عن موسیٰ اِبنِ مَیسرۃَ عن سعیدِ بنِ ابی موسیٰ الاشْعَرِیِ اَنَّ رسول اللہ ﷺ قالَ مَن لعبَ بِالنَّردِ فقد عَصَی اللہَ ورَسولَہٗ .

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے نرد (چوسر) کھیلا تو اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی،

(۲) مالکٌ عَن عَلقَمۃَ بن ابی عَلقمۃَ عن امہٖ وَعن عَائشۃَ زوجِ النبی ﷺ انَّہ بلغھَا اَنَّ اھلَ بیتٍ فِی دَارِھَا کَانوا سُکَّاناً فِیھا وعندَھُم

نـردٌ فَـارسلتُ اليهِم لَئن لم تُخرِجُوها لاُخرجنَّكُم من دارِ ى وانكرتْ ذلكَ عليهِمْ.

تـرجـمـہ: علقمہ بن ابوعلقمہ اپنی والدہ (مرجانہ حضرت عائشہ کی آزاد کردہ باندی) سے وہ ام المومنین حضرت عائشہؓ سے کہ ان کو پتہ چلا کہ کچھ لوگ حضرت عائشہؓ کے یہاں مقیم تھے، اوران کے پاس نرد تھا، تو حضرت عائشہؓ نے انہیں پیغام بھیجا، اگر تم لوگ اس کھیل کو نہ نکالو گے، تو میں تمہیں اپنے یہاں سے نکال دوں گی، اوران پر اس کی وجہ سے ناگواری کا اظہار کیا۔

شـرح حـديـث: ہوسکتا ہے وہ لوگ حضرت عائشہؓ کے گھر میں کرایہ، یا عاریت، یا اعانت کے طور پر رہتے ہوں۔

(۳) مـالكٌ عـن نافعٍ عن عبدالله بن عمر اَنَّه كانَ اَذا وَجدَ احداً مـن اهـلهِ يلعبُ بالنردِ ضربَه وكَسَرَهاَ قال سمعتُ مالكا يقول لاَ خيرَ فـى الشـطـرنجِ وكرهَهَا وسمعتُ يكرهُ اللَّعِبَ بِها وبغيرهَا من الباطلِ ويتلو هذهِ الاية فماذا بعد الحقِ الا الضلال.

تـرجـمـہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب اپنے گھر والوں میں سے کسی کو چوسر کھیلتے دیکھتے، اسے مارتے، اوراس نرد کو توڑ دیتے۔

شرح حديث: توڑنا، امر منکر کی وجہ سے ہوتا اور مارنا تادیب کی وجہ سے۔

قـال سمعت مالكا الخ: یحیی نے کہا میں نے امام مالک کو کہتے ہوئے سنا کہ شطرنج میں کوئی بھلائی نہیں، اورامام مالکؒ نے اس کو ناپسند کیا ہے اور نرد، اوراس کے علاوہ اس قسم کے باطل کھیل کو ناپسند کیا ہے اوراس آیت کی تلاوت کرتے تھے حق کے بعد ضلالت کے سوا کیا ہے۔

العمل فی السلام

سلام میں عمل کا بیان

یعنی کون سلام کرے، کس کو کرے، اور سلام کا طریقہ کیا ہو۔

مبتدی السلام علیکم کہے اور مجیب وعلیکم السلام کہے، یہی بہتر طریقہ ہے۔ (اوجز)

سلام کرنا سنت ہے، جواب دینا واجب ہے، یہ ایک اسلامی عمل ہے، اس کو عام کرنے کا حکم ہے، اور یہ ایسی سنت ہے جس کا ثواب واجب سے بڑھا ہوا ہے۔ (مرقات ص:۴۵۳ ج:۸)

(۱) مالکٌ عن زیدٍ بن اسلمَ اَنَّ رسول ﷺ قالَ یُسَلِّمُ الرَّاکِبُ عَلی الماشِي واذا سلَّم من القومِ واحدٌ اجزأَ عنهُم.

ترجمہ: زید بن اسلم سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ سوار پیادہ پا کو سلام کرے، جب قوم میں سے کسی ایک نے سلام کر دیا تو سب کی طرف سے کافی ہو گیا۔

شرح حدیث: یہ آداب میں سے ہے، کہ سوار پیادہ پا کو سلام کرے، سلام میں پہل کرنا تواضع، اور خوش خلقی کی علامت ہے، پس آپ نے جن کے متعلق غرور کا گمان ممکن تھا، انہیں سلام میں پہل کرنے کا حکم دیا، اور راکب (سوار) کو ماشی (پیادہ پا) پر ایک گنا فضیلت ہے اس لئے آپ نے سوار کو حکم دیا کہ تم پیادہ پا کو سلام کرو، تا کہ تم میں تواضع اور انکساری آئے۔ (تکملہ ص:۲۳ ج:۱۰)

واذا سلم القوم الخ: اگر چند لوگ ایک جگہ اکٹھے ہوں تو ان میں سے کسی ایک کا سلام کرنا سنت علی الکفایہ ہے، اگر ان میں سے کوئی ایک بھی سلام کر دے تو سب کی طرف سے کافی ہے، اسی طرح اگر کسی نے ان کو سلام کیا تو جواب دینا واجب علی الکفایہ ہے، اگر ان میں سے کسی ایک نے جواب دے دیا تو سب کی طرف سے کافی ہوگا، یہی جمہور کی رائے ہے، اور حدیث مذکور ان حضرات کا مستدل ہے، امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت ہے

کہ پوری جماعت میں سے ہر ہر فرد پر جواب دینا واجب ہے۔

(۲) مالکٌ عن وهبِ بن كيسانَ عن محمدِ بنِ عَمرٍو بن عطاءٍ اَنَّه قالَ كنتُ جالسًا عندَ عبدالله بنِ عباسٍ فدخلَ عليه رجلٌ منْ اهلِ اليمنِ فقالَ السلام عليكم ورحمة الله وبَركاتُه ثم زادَ شيأً معَ ذلك ايضًا قال ابنُ عباس وهو يومئذٍ قد ذهبَ بَصَرُه مَن هذا قالوا هذا اليمانِي الذي يغشاكَ فَعَرَّفُوه اياهُ قال فقال ابنُ عباسٍ اِنَّ السلام انتهى الى البركةِ قال يحى سُئِل مالكٌ هل يُسَلِّمُ على المرأةِ فقالَ امَّا المُتَجالَّةُ فَلا اكرهُ واما الشَّابَّةُ فلا احبُ ذلك.

ترجمه: محمد بن عمرو بن عطا سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں عبداللہ بن عباسؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، تو ان کی خدمت میں یمن کا ایک شخص آیا، اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا، پھر اس نے اس پر کچھ اور بھی اضافہ کیا، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: جب کہ اس زمانہ میں ان کی بینائی جا چکی تھی' یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا، یہ وہ یمنی ہے، جو آپ کی خدمت میں آیا کرتا ہے، لوگوں نے ان کا ان سے تعارف کرایا، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ سلام وبرکاتہ پر ختم ہو گیا۔

لغات: یغشاک، (س) نازل ہونا، کسی جگہ آنا، **عرف تعریفا:** روشناس کرانا

شرح حدیث: حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں اس وقت ایک یمنی شخص آیا جب آپ کی بینائی ختم ہو چکی تھی، اس نے آ کر السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے ساتھ کچھ اور بھی اضافہ کیا، تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ سنت وبرکاتہ تک ہے، اس پر اضافہ نہیں کرنا چاہئے۔

سلام کے تین اجزاء ہیں: السلام علیکم، رحمۃ اللہ، اور برکاتہ، یہ آخری حد ہے اس سے آگے نہیں، ہاں اگر کوئی اس پر کمی کرے اور صرف السلام علیکم کہے تو بھی جائز ہے، پہلا جز دفع مضرت کے لئے، دوسرا جز، جلب منفعت کے لئے، اور تیسرے سے دونوں کی بقا مقصود ہے، اس سے آگے کی ضرورت نہیں،

فقال یحی الخ: امام مالکؒ سے سوال کیا گیا، کہ کیا عورت کو سلام کرنا چاہئے؟

تو فرمایا بہر حال بڑھیا کو تو میں اس کو ناپسند نہیں کرتا ہوں، اور بہر حال جوان عورت تو میں اس کو سلام کرنے کو ناپسند کرتا ہوں۔

المتجالة: لام مشدد کھوسٹ، بڑھیا، تجالت، ای اسنت و کبرت. امام مالکؒ سے اجنبی عورتوں کو سلام کرنے کا مسئلہ پوچھا گیا کہ کیا کسی اجنبی عورت کو سلام کیا جا سکتا ہے؟ امام مالک نے جواب دیا اگر بہت زیادہ بوڑھی ہو، مشتہات نہ ہو، تو سلام کیا جا سکتا ہے، البتہ جوان اجنبی عورتوں کو سلام کرنا میرے نزدیک پسندیدہ نہیں ہے۔ علامہ باجی نے اس کی وجہ ذکر کی ہے، کہ بڑھیا سے سلام و کلام کرنے میں کوئی فتنہ نہیں البتہ جوان، مشتہات عورتوں میں فتنہ ہے، اسی وجہ سے امام مالکؒ ان کو سلام کرنے کو ناپسند کرتے ہیں، امام نووی فرماتے ہیں، اگر عورتیں جماعت کی صورت میں ہیں تو سلام کیا جا سکتا ہے، اور اگر تنہا ہے، تو اس کا محرم اور شوہر سلام کر سکتا ہے، اجنبی کا سلام کرنا درست نہیں۔

اس سلسلہ میں ہمارے یہاں مسئلہ یہ ہے اگر بوڑھی ہو، تو سلام کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ شہوت نہ ہو، اور اگر جوان ہو تو سلام نہ کرے، اور اگر مرد کو بوڑھی نے سلام کیا تو زور سے جواب دیا جا سکتا ہے، اور اگر جوان عورت نے سلام کیا تو دل میں جواب دے۔

(ردالمحتار ص: ۴۵۰ ج: ۸)

ماجاء فی السلام علی الیھودی و النصرانی

امام مالک نے گرچہ باب میں یہودی اور نصرانی کے سلام کا حکم ذکر کیا ہے مگر تمام کفار کا یہی حکم ہے، اس بارے میں یہودی، نصرانی اور مشرک حکم میں برابر ہیں۔

(۱) مالک عن عبدِالله بن دينارٍ عن عبدِاللهِ بن عمرَ اَنَّه قال قال رسولُ اللهِ ﷺ اِنَّ اليهودَ اِذَا سَلَّمَ عليكم اَحدُهم فاِنَّمَا يقول اَلسَّامُ عَلَيْكُم فَقُل عَليكَ سُئِل مالك عَمَّن سَلَّم عَلَي اليهوديِّ والنصرانيِّ هل يَسْتَقِيلُهُ ذلك فقال لَا.

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

کہ جب یہود میں سے کوئی تم کو سلام کرتا ہے تو وہ السام علیکم کہتا ہے تو تم صرف علیک کہو۔

شرح حدیث: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ یہودی جب مسلمان کو سلام کرتا ہے تو بجائے السلام علیکم کہنے کے السام علیکم (تم پر موت ہو) کہتا ہے، یہ بدعاء ہے، لہذا اس کے جواب میں صرف علیک کہو، کہ تم پر بھی، روایت میں وعلیک واو کے ساتھ ہے، اور بعض میں بغیر واو کے علیک ہے، اور بعض روایت میں وعلیکم واو اور جمع کا صیغہ ہے، تینوں طرح سے جواب دینا درست ہے، علامہ خطابی نے واو کے حذف کو ترجیح دی ہے، تا کہ ان کا قول اور بدعاء انہی کی طرف لوٹ جائے، اور واو کی صورت میں اشتراک ثابت ہوگا، اور جنہوں نے واو کے ساتھ ذکر کیا ہے وہ یہ تاویل کرتے ہیں کہ اشتراک میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ موت سب میں مشترک ہے، بہتر یہ ہے کہ واو کو استیناف کے لئے لیا جائے، یعنی **وعلیکم ما تستحقونه**. (تکملہ ص:۲۱۶ ج:۱۰ مرقات ص:۴۶۱ ج:۸)

یہ اس صورت میں ہے جب یہود سلام کی ابتداء کریں، لیکن مسلمانوں کا یہود وغیرہ کو ابتداً سلام کرنا درست ہے یا نہیں؟ حدیث میں ہے **لاتبدؤهم بالسلام**، کہ ذمیوں (خواہ کوئی بھی غیر مسلم ہو) کو سلام کرنے میں پہل نہ کرو، معلوم ہوا ان کو بلاضرورت شدیدہ اور حاجت کے سلام میں پہل نہ کرنا چاہئے البتہ ضرورت کے وقت گنجائش ہے۔ (مرقات ص:۴۶۰ ج:۸)

سئل مالک الخ: امام مالکؒ سے سوال کیا گیا اس شخص کے بارے میں جس نے یہودی اور نصاری کو سلام کیا، تو کیا اس کو فسخ کردے اور توڑ دے، تو امام مالکؒ نے فرمایا نہیں۔

شرح: اگر کسی مسلمان نے کافر کو قصداً یا جہالت کی وجہ سے سلام میں پہل کیا تو کیا کرے؟ امام مالکؒ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا اور کہا کہ اگر یہ صورت پیش آئے تو کیا اپنا سلام واپس لے لے، تو امام مالکؒ نے جواب دیا، ایسا اس کو نہیں کرنا چاہئے تھا، (چونکہ کافر کو ابتداء سلام کرنا ان کے نزدیک حرام ہے) لیکن واپس لے کر بھی کوئی فائدہ نہیں اس لئے توبہ استغفار کرے۔ (اوجز ص:۳۷۶ ج:۶)

جامع السلام

سلام کے بارے میں متفرق روایات

۱ مالکٌ عن اِسحقَ ابنِ عبدِالله بنِ أَبي طلحةَ عَن أَبي مُرَّةَ مُولی عقیل بن أَبي طالب عن أَبي وَاقدٍ اَللیثِی اَنَّ رسولَ الله ﷺ بَیْنَا هُو جَالسٌ فِی المَسجدِ وَالنَّاسُ مَعَه اِذ اَقْبلَ نَفرٌ ثلثةٌ فَاقبلَ اثنان اِلی رسولِ الله ﷺ وَذَهَبَ واحدٌ فلما وَقَفَا عَلی رسولِ الله ﷺ سَلَّمَا فَاَمَّا اَحدُهما فرای فُرجَةً فی الحلقةِ فجلسَ فیهَا وَاَمَّا الاخرُ فجلسَ خلفَهُم واما الثالثُ فَاَدْبرَ ذاهبا فَلَمَّا فَرَغَا رسولُ الله ﷺ قالَ اَلاَ اُخبِرُکُمْ عن النفرِ الثلثةِ اَمَّا احدُهم فَاوٰی اِلَی ا للهِ فَاوَاهُ الله وَاَمَّا الآخرُ فَاستَحیٰ فاستحیٰ الله منهُ واَمَّا الآخر فاعرضَ فَاَعرضَ الله عنهُ.

ترجمہ: ابوواقد لیثی سے روایت ہے اس دوران کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے اور ان کے ساتھ کچھ لوگ تھے اچانک تین آدمی آئے، پس دو شخص آپ ﷺ کی جانب بڑھے، اور ایک چلا گیا تو وہ دونوں جب رسول ﷺ کے سامنے کھڑے ہوئے تو انہوں نے سلام کیا، بہر حال ان میں سے ایک نے حلقہ میں خالی جگہ دیکھی، تو وہ وہاں بیٹھ گیا، اور دوسرا تو وہ لوگوں کے پیچھے بیٹھ گیا، اور تیسرا تو وہ پیٹھ پھیر کر چلا گیا، جب رسول پاک ﷺ (مجلس سے) فارغ ہوئے تو ارشاد فرمایا کیا میں تمہیں ان تین اشخاص کے متعلق نہ بتلاؤں؟ ان میں سے ایک اللہ کی پناہ میں آیا، تو اللہ نے اسے پناہ دی، رہی بات دوسرے کی تو وہ شرما گیا، تو اللہ تعالیٰ اس سے شرما گئے، (اسے کوئی سزا نہ دیں گے) اور تیسرے نے منہ پھیر لیا تو اللہ نے بھی اس سے منہ پھیر لیا۔

شرح حدیث: اٰواہ اللہ: یہ مجاز مقابلہ اور مشاکلہ ہے، یعنی کوئی حسی ٹھکانہ مراد

نہیں ہے بلکہ قیامت کے دن اپنی رحمت اور عرش کے سایہ میں جگہ دیں گے، تو مکان بول کر خیر اور بھلائی مراد لیا۔

واما الاخر الخ: اور دوسرے نے مزاحمت ترک کی، اور نبی اکرم ﷺ اور حاضرین سے شرما کر مجلس سے پیچھے بیٹھ گیا، یا تیسرے کی طرح مجلس سے جانے سے شرمایا، تو اللہ تعالیٰ اس کو عذاب نہیں دیں گے، اور تیسرا اس نے اعراض کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف نہیں کریں گے۔

(۲) مالکٌ عن اسحقَ بْنِ عبدِالله ابی طلحةَ عن أنس بنِ مالکٍ اَنَّه سمعَ عمرَ بنَ الخطابِ وَسَلَّمَ علیهِ رجلٌ فَرَدَّ علیهِ السَّلَامَ ثم سألَ عمرُ الرجلَ کیف انتَ؟ فقالَ احمدُ الیکَ اللهَ فقال عمرُ ذلکَ الذي اَرَدْتُ منکَ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو حضرت عمر بن خطابؓ کو سلام کرتے سنا، تو حضرت عمر نے اس کے سلام کا جواب دیا، پھر حضرت عمرؓ نے اس شخص سے دریافت کیا تمہارا کیا حال ہے؟ تو اس نے کہا میں آپ کے سامنے اللہ کی تعریف بیان کرتا ہوں تو حضرت عمر نے فرمایا میں یہی تم سے سننا چاہتا تھا۔

شرح حدیث: مکارم اخلاق اور حسن معاشرت میں سے یہ بھی ہے کہ جب کوئی سلام کرے تو اس کی خیرت بھی معلوم کرے، اس سے انسیت اور محبت بڑھتی ہے، اور انسان کو ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔

(۳) مالکٌ عن اسحق بنِ عبدِالله بنِ ابي طلحةَ اَنَّ الطفیلَ بنَ اُبَيِّ ابنِ کعبٍ اَخبرهُ اَنَّه کان یَاتِی عبدَاللهِ بنَ عمرَ فَیغدُو معهُ الي السوقِ قَالَ فاذَا غَدَونا الی السوقِ لَم یَمُرَّ عبداُللهِ بنِ عمرَ علی سَقَّاطٍ ولا علی صاحبِ بِیعة ولا مسکینٍ ولَا احدٍ اِلَا سلّم علیهِ قال الطیفل فجئتُ عبدَالله بنِ عمر یوماًفَاستتبَعني الی السوقِ فقلتُ لهُ وَمَا تصنع فِي السوقِ وأنتَ لَا تقفُ عَلَی البَیِّعِ وَلَا تسئَلُ عن السِلَعِ ولا تَسُومُ بها

وَلَا تجلسُ فی مَجَالِسِ السوقِ قال و اقول اِجلِس بنا ههنا نَتحدثُ قال فقال لِی عبدُاللهِ بنُ عمرَ یَا ابا بطنٍ و کان الطفیلُ ذَا بَطنٍ اِنَّمَا نَغدُوا مِن اَجْلِ السَّلَام نُسَلِّمُ علی مَن لَقِینَا.

ترجمه: طفیل بن ابی ابن کعب نے بتلایا کہ وہ خود حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس آتے، اور صبح سویرے ان کے ساتھ بازار جاتے انہوں نے کہا کہ جب ہم بازار پہونچے تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ کسی خردہ فروش، دوکاندار، مسکین اور کسی پر نہیں گزرتے مگر ان کو سلام کرتے، طفیل نے کہا میں ایک دن عبداللہ بن عمرؓ کے پاس آیا تو انہوں نے مجھ کو بازار لے جانا چاہا تو میں نے ان سے کہا آپ بازار میں کیا کریں گے؟ آپ نہ تو خرید و فروخت کرنے والے کے پاس ٹھہرتے ہیں اور نہ کسی سامان کے متعلق پوچھتے ہیں اور نہ اس کا بھاؤ تاؤ کرتے ہیں، اور نہ بازار کی مجلسوں میں بیٹھتے ہیں، طفیل نے کہا میں نے عبداللہ بن عمرؓ سے کہا یہیں تشریف رکھیے، تاکہ بات چیت کریں، طفیل نے کہا کہ مجھ سے عبداللہ بن عمرؓ نے کہا اے بڑے پیٹ والے۔ طفیل بڑے پیٹ والے تھے۔ ہم بازار صرف سلام کی وجہ سے جاتے ہیں، اور ہر ملنے والے کو سلام کرتے ہیں۔

لغات: یغدوا: (ن) صبح کے وقت جانا، سقاط: سین کا فتحہ اور قاف مشدد، بہت گرنے والا، والمراد به الذی یبیع سقط المتاع وردیه،، بیعة، باء کا کسرہ اور یا کا سکون، بَیِّعٌ بمعنی بائع، سلع: سین کا کسرہ اور لام کا فتحہ، واحد سلعة سامان، سامان تجارت، تسوم: (ن) بھاؤ کرنا۔

شرح حدیث: عبداللہ بن عمرؓ کا بازار جانا صرف افشوا السلام بینکم (آپس میں سلام کو رواج دو) کی تعمیل کے لئے ہوتا تھا، آج اگر راہ چلتے بھی اس پر عمل ہو جائے تو بازار جانے کی ضرورت نہیں، چونکہ راستے میں کثرت سے افراد مل جاتے ہیں مگر مسلمانوں کی اب یہ حالت ہو رہی ہے، گو یا وہ سلام کرنے کو عار محسوس کر رہے ہوں، (اللہ کی پناہ) ہر مسلمان کو اس اسلامی طریقہ کو رواج دینا چاہئے۔

یا أبا بطن: حضرت طفیل بڑے پیٹ والے تھے، اگر معلم، شاگرد کو اس طرح کی

بات کہیں اور اس کو اس سے تکلیف نہ ہو تو کوئی حرج نہیں، ممکن ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو اس کا علم ہو، یا اگر شاگرد کوئی بات نہ سمجھے تو اس طرح کہ الفاظ زجر و توبیخ کے لئے کہا جا سکتا ہے، بشرطیکہ اس کی ذلت نہ ہو، جیسا کہ حضرت طفیل حضرت عمرؓ کے بازار جانے کے مقصد کو سمجھے نہیں۔

۴ مالکٌ عن یحیٰ بنِ سعیدٍ اَنَّ رجلا سَلَّمَ عَلی عبدِاللّٰہِ بنِ عمرَ فقال اَلسلامُ علیکم ورحمةُ الله وبر کاته واَلغَادِیاتُ والرائحاتُ فقالَ له عبدُاللّٰہِ بنُ عمرَ وعلیک الفا کَاَنَّه یَکرَہُ ذٰلک.

ترجمہ: یحیٰ بن سعید سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عبداللہ بن عمرؓ کو سلام کیا تو یہ کہا تم پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمتیں، اور برکتیں ہوں، اور صبح و شام اللہ کی آنے والی اور جانی والی نعمتیں، تو عبداللہ بن عمرؓ نے کہا تم پر بھی ایک ہزار ہو، گویا حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس کو ناپسند کیا۔

شرح حدیث: پیچھے یہ تفصیل گذری کہ سلام کی آخری حد و برکاتہ ہے، اس پر اضافہ کرنا سنت کے خلاف ہے اس لئے حضرت ابن عمرؓ نے اس کو ناپسند کیا۔

(۵) مالکٌ اَنّه بَلغه اَنّه قال یَستَحِبُّ اذا دخلَ البیتَ غیرَ المسکونِ یقولُ السَّلامُ عَلَینَا وَعَلٰی عِبَادِاللّٰہِ الصَّالِحِیْن.

ترجمہ: حضرت امام مالکؒ کو یہ خبر پہونچی کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا جب کوئی شخص کسی خالی مکان میں داخل ہو تو مستحب ہے کہ یہ کہے، ہم پر سلامتی ہو اور اللہ کے نیک بندوں پر۔

شرح حدیث: طریقہ یہی ہیکہ اگر کوئی ایسے مکان میں داخل ہو جس میں کوئی نہ ہو تو اپنے اور اللہ کے نیک بندوں پر سلامتی بھیجے۔

باب فی الاستیذان
اجازت طلب کرنے کا بیان

استئذان : ہمزہ کا سکون اور ہمزہ کو یا سے بدل کر پڑھنا دونوں صورتیں درست ہیں، بمعنی گھر میں داخل ہونے کی اجازت طلب کرنا، جب آدمی اپنے گھر، یا دوسرے کے گھر میں جائے تو سب سے پہلے اجازت طلب کرے، اس بارے میں قرآن کریم کا صریح حکم ہے، یا ایھا الذین آمنوا لا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستانسوا وتسلموا علی اھلھا الایۃ. اور احادیث بھی کثرت سے وارد ہوئی ہیں، لہٰذا قرآن وسنت سے یہ حکم باجماع ثابت ہے، افضل یہ ہے کہ سلام اور استئذ ان دونوں کو جمع کرے، اختلاف اس میں ہے کہ سلام کو مقدم کرنا افضل ہے، یا استئذ ان کو، علامہ ماوردی کہتے ہیں اجازت طلب کرنے والے کی نگاہ اگر گھر والوں پر داخل ہونے سے پہلے پڑ جائے تو سلام کو مقدم کرنا افضل ہے، ورنہ استئذ ان کو، لیکن یہ قول السلام قبل الکلام کے خلاف ہے، لہٰذا جمہور کے نزدیک صحیح یہی ہے کہ سلام کو استئذ ان پر مقدم کر کے یوں کہے السلام علیکم، کیا اندر آسکتا ہوں؟۔ (مرقات ص:۱۸۷ ج:۸)

اجازت لینے کی حکمت: دوسرے کے گھر میں جانے کے لئے اجازت طلب کرنا اس لئے ضروری ہے تا کہ وہ مانوس ہو جائے، گھر والوں کو کسی قسم کا خوف اور وحشت نہ ہو، اور اپنے گھر میں داخل ہونے کے لئے اجازت طلب کرنا اس لئے ہے کہ تا کہ ستر کھلا ہوا یا کسی ناپسندیدہ حالت میں گھر والوں پر نظر نہ پڑے، یہ اجازت کھانسنے، یا کوئی ایسی تدبیر سے بھی حاصل ہو سکتی ہے جس سے گھر کے اندر رہنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ داخل ہونا چاہتا ہے تا کہ وہ اپنے آپ کو درست کرلیں، (تلخیص از اوجز

ص:۳۸۲) البتہ اگر گھر میں اکیلی بیوی ہو اور اس کے علاوہ کوئی نہ ہو تو چونکہ شوہر کے لئے اپنی بیوی کا ستر دیکھنا جائز ہے اس لئے وہاں اجازت ضروری نہیں لیکن پھر بھی مناسب طریقہ یہ ہے وہاں پر بھی کچھ کھٹکھٹا کر جائے۔

(۱) مالکٌ عن صفوانَ بنِ سُلَیم عن عطاءِ ابنِ یسارٍ اَنَّ رسولَ الله ﷺ سَأَلہُ رجلٌ فقالَ یا رسولَ الله اَستَأذِنُ عَلی اُمِّہ فقال نعم فقال الرجلُ اِنِّی مَعھَا فی البیتِ فقال رسول الله ﷺ اِستَاذِن علیھا فقال الرجلُ اِنِّي خَادمُھا فقال رسول الله ﷺ اِستاذِن علیھا اَتُحِبُّ اَنْ تَرَاھَا عُرِیَانَۃً قال لا قال فاسْتَاذِنْ علیھَا.

ترجمہ: عطا ابن یسار سے (مرسلا) روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک آدمی نے پوچھا یارسول اللہ! کیا میں اپنی ماں سے بھی اجازت طلب کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، اس آدمی نے کہا میں ان کے ساتھ گھر میں رہتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا ان سے اجازت مانگو، اس شخص نے کہا، میں ان کی خدمت کرتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا ان سے اجازت مانگو، کیا تم پسند کرتے ہو کہ تم ان کو ننگی حالت میں دیکھو؟ اس نے کہا نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا ان سے اجازت لے کر جاؤ۔

شرح حدیث: انسان کا ایک گھر وہ ہے جس میں تنہا رہتا ہے، اس کے ساتھ اور کوئی اس میں رہائش پذیر نہیں ہے، یہاں تک کہ ماں، باپ، بھائی، بہن اور کوئی دوسرا محرم نہیں رہتا، یا صرف اپنی بیوی کے ساتھ رہتا ہے، بچہ وغیرہ بھی نہیں رہتے، اگر جائے تو تالا لگا کر جائے، تو اس میں داخل ہونے کے لئے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں، اور اگر گھر کی ملکیت باپ کی ہے اسی میں وہ رہتا ہے، اور اس گھر میں تنہا نہیں رہتا بلکہ اس کے ماں باپ، بھائی، بہن اور دوسرے محارم رہتے ہیں، تو ان تمام صورتوں میں گھر میں داخل ہونے سے پہلے آدمی کو اجازت لینے کی ضرورت ہے، حضور ﷺ نے صحابہ کو خاص طور پر اس بات کی تعلیم دی، جیسا کہ حدیث مذکور میں آپ نے فرمایا، کیا تم اس بات کو پسند کرتے ہو، کہ تم اپنی ماں کو ناپسندیدہ حالت میں دیکھو۔

(۲) مالکؒ عن الثِقَةِ عندهٗ عن بُکَیرِ بنِ عبدِاللهِ بنِ اَلاَشجِ عن بُسرِ بنِ سعیدٍ عن ابی سعیدِ الخُدرِی عن ابی موسی الاشعرِی اَنّه قال قال رسول اللهﷺ اَلاستِئذَانُ ثلث فَاِنُ اُذِنَ لک فادُخل وَاِلّا فَارُجِعُ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا رسول اللہﷺ نے ارشاد فرمایا اجازت طلب کرنا تین بار ہے، اگر تجھے اجازت مل جائے، تو داخل ہوجاؤ، ورنہ واپس ہوجاؤ۔

شرح حدیث: حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں، کہ اس حدیث میں ابوسعید خدری نے اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے جو اگلی روایت میں آرہا ہے، چنانچہ دوسری سند میں یہ روایت ابوموسیٰ اشعری کے بغیر حضرت ابوسعید سے مروی ہے، بہرحال جب کوئی کسی کے گھر جائے تو اجازت کے لئے تین مرتبہ تک سلام کرے اگر اجازت مل جائے تو اندر جائے، ورنہ لوٹ جائے، مزید تفصیل اگلی روایت میں۔

(۳) مالکؒ عن ربیعةَ بنِ اَبی عبدالرحمنِ وعن غیرِ واحدٍ من علمائِهِم اَنَّ ابا موسی الاشعريَّ جاءَ یستاذِنُ علی عمر بنِ الخطابِ فاستاذَنَ ثلثا ثم رَجَعَ فارسل عمرُ بنُ الخطابِ في اثرِهِ فقال مالکَ لَم تَدُخُلُ فقال اَبُوموسَی الاشعري سمعتُ رسولَ اللهﷺ یَقُولُ اِلاستئذان ثلثٌ فاِن اُذِنَ لکَ فادُخل وَاِلّا فارُجِعُ فقال عمرُ بن الخطاب ومَن یعلم هذا لَئِن لَم تاتینی بِمَن یعُلم ذالکَ لَاَفُعَلَن بکَ کذا وکذا فَخَرَجَ ابو موسی حتی جاءَ مجلسا فی المسجدِ یقال له مجلسُ الانصارِ فقال اِنِّي أخبرتُ عمرَ بنَ الخطابِ اِنِّي سمعتُ رسول اللهﷺ یقولُ الاستئذانُ ثلثٌ فَاِنُ اَذِنَ لکَ والا فارجِعُ فقال لئِن لم تَأتِنِي بِمَن یَعلم لَاَفعَلَنّ بکَ کذا وکذا فَاِن کَانَ سَمِعَ ذالکَ احدٌ

منکم فلیقم معی فقالوا لابی سعید الخدری قم معه وکان ابو سعید اصغرھم فقام معه فاخبر ذالک عمر بن الخطاب فقال عمر لابی موسی اما انی لم اتھمک ولکنی خشیت ان یتقول الناس علی رسول اللہ ﷺ.

ترجمہ: امام مالکؒ ربیعہ بن عبدالرحمٰن سے اوران کے علاوہ بہت سے علماء (تابعین یا علماء مدینہ) سے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری حضرت عمر بن خطابؓ کے یہاں اجازت لینے آئے، اورانہوں نے تین مرتبہ اجازت چاہی، پھرواپس چلے گئے، حضرت عمر بن خطابؓ نے ان کے پیچھے آدمی بھیجا پھرفرمایا کیابات ہے، آپ اندرداخل نہیں ہوئے؟ تو حضرت ابوموسیٰ اشعری نے کہا، میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا، اجازت طلب کرنے (کی حد) تین بار ہے، اگرتمہیں اجازت مل جائے تو اندرداخل ہوجاؤ، ورنہ لوٹ جاؤ، تو حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا اس حکم کواورکون جانتا ہے؟ اگرآپ میرے پاس ایسے شخص کو جواس حکم کو جانتا ہو نہ لائیں، تو میں آپ کوایسی ویسی سزادونگا، حضرت ابوموسیٰ باہرنکل گئے، یہاں تک کہ مسجد میں ایک مجلس میں آئے، جس کو مجلس انصار کہا جاتا ہے اور فرمایا میں نے عمر بن خطابؓ کو بتایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کوفرماتے ہوئے سنا، کہ اجازت طلب کرنا تین بار ہے، اگرتمہیں اجازت مل جائے (تو بہتر ہے)، ورنہ تم واپس ہوجاؤ، تو حضرت عمر نے فرمایا اگرآپ کسی اورکو نہ لائیں، جو یہ جانتا ہوتو میں آپ کوسزا دوں گا، اگرآپ میں سے کسی نے یہ حکم (حضور ﷺ سے) سنا ہےتو میرے ساتھ اٹھ کر چلیے، تو لوگوں نے حضرت ابوسعید خدری سے جوان سب میں چھوٹے تھے، ان کے ساتھ جانے کو کہا، حضرت ابوسعید خدری ان کے ساتھ گئے، اورعمرؓ بن خطاب کواس کی خبردی، حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے فرمایا دیکھو، میں آپ پر (غلط بیانی) کی تہمت نہیں لگارہا تھا، لیکن مجھے خوف تھا، کہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے باتیں بنانے لگیں۔

سند: عن ربیعة بن عبدالرحمن (فروخ الرائی المدنی) عن غیر

واحد: بغیر واو یعنی ربیعہ بہت سے علماء تابعین یا علمائے مدینہ سے روایت کرتے ہیں، اور ہندوستانی نسخوں میں وعن غیر واحد من علمائهم واو کے ساتھ ہے، اور ابوداؤد کی روایت میں بھی واو ہے، یعنی امام مالک ربیعہ اور بہت سے علماء تابعین سے۔

شرح حدیث: حضرت ابوموسی اشعری ایک دن حضرت عمر بن خطابؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے تین مرتبہ اجازت مانگی، اندر سے کوئی جواب نہ آنے پر حضرت ابوموسی اشعری واپس چلے گئے، حضرت عمر نے پیچھے سے ایک آدمی بھیج کر ان کو بلایا اور پوچھا کہ آپ اندر کیوں نہیں آئے واپس کیوں چلے گئے؟ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنائی کہ آپ نے ارشاد فرمایا جب تم کسی کے یہاں جاؤ تو تین مرتبہ اجازت طلب کرو، اگر اندر داخل ہونے کی اجازت مل جائے تو اندر داخل ہو جاؤ، ورنہ لوٹ جاؤ، حضرت عمر نے فرمایا اس حدیث پر گواہ پیش کرو، حضرت ابوموسی اشعریؓ حضرت عمرؓ کے پاس سے نکل گئے، اور انصار کی ایک مجلس میں پہونچے، اور پھر پورا واقعہ بتایا، تو اس مجلس میں سب سے چھوٹے حضرت ابوسعید خدریؓ تھے، انصار صحابہ نے ان کو حضرت ابوموسی اشعری کے ساتھ گواہی کے لئے بھیج دیا تاکہ حضرت عمر کو احساس ہو کہ یہ حدیث اتنی مشہور ہے کہ ہم میں جو چھوٹا ہے اس کو بھی معلوم ہے، انہوں نے جاکر گواہی دی، ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ اس کے بعد حضرت عمرؓ خود اپنے اوپر تعجب کرنے لگے، اور فرمایا اخفی علی هذا من امر رسول اللہ ﷺ کہ عجیب بات ہے کہ یہ حدیث اب تک مجھ پر پوشیدہ رہی۔

خبر واحد حجت ہے یا نہیں: اس واقعہ سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو خبر واحد کا حجت ہونا تسلیم نہیں کرتے کہ اگر خبر واحد حجت ہوتی، تو حضرت عمرؓ حضرت ابوموسی کے حدیث سنانے پر اعتماد کرتے انہوں نے اعتماد نہیں کیا اور گواہ کا مطالبہ کر دیا، لیکن یہ استدلال درست نہیں ہے، اس لئے کہ حضرت عمرؓ نے شخص واحد کی خبر پر بینہ کا مطالبہ احتیاطا کیا تھا تاکہ لوگ روایت حدیث میں جری نہ ہو جائیں؛ چنانچہ اگلا جملہ (کہ تم پر کسی غلط بیانی کی تہمت کی وجہ سے گواہی کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ لوگ من گھڑت باتیں بنا کر نبی ﷺ کی طرف منسوب نہ کر دے، اس احتیاط کی وجہ سے گواہی کا مطالبہ کیا) اس پر شاہد ہے۔

ملاعلی قاری فرماتے ہیں یہی تو خبر واحد ہے کیونکہ دو شخصوں کی روایت بھی تو متواتر اور

نہیں درست نہیں۔

کیا تین بار سے زیادہ اجازت مانگنے کی گنجائش ہے؟

علامہ باجی فرماتے ہیں، اگر اجازت لینے والے کو یہ گمان ہو کہ اندر آواز پہنچ چکی ہے اس کے باوجود اندر آنے کی اجازت نہیں مل رہی ہے تو تین بار سے زیادہ اجازت طلب نہ کرے، اور اگر یہ گمان ہو کہ اندر تک آواز نہیں پہنچی ہے تو مزید اجازت طلب کرنے کی گنجائش ہے، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا صحیح ترین قول یہی ہے، کہ تین بار سے زیادہ اجازت طلب نہ کرے، ابن عبدالبر کے نزدیک مطلقاً تین بار سے زائد اجازت طلب کرنے کی گنجائش ہے۔

التشميت في العطاس

چھینک کا جواب دینے کا بیان

شمّت تشمیت (یرحمک اللہ کہکر دعاء دینا) العطاس (ن،ض) عطاسا چھنکنا۔

(۱) عَن عبدِالله ابنِ ابي بكرٍ عن ابيهِ اَنَّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم قال اِن عَطَسَ فَشَمِّتْهُ ثم اِن عطسَ فشمتهُ ثم اِن عطسَ فشمتهُ ثم اِن عطسَ فقُل اِنَّك مَضْنُوكٌ قال عبدُالله ابنُ ابي بكر لاَاَدری اَبعد الثلثةِ اَو الاربعةِ.

ترجمہ: عبداللہ بن ابی بکر اپنے والد ابوبکر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی چھینکے تو اس کو دعاء (جواب) دو پھر اگر چھینکے تو دعاء دو، پھر اگر چھینکے تو دعاء دو، پھر اگر چھینکے تو اس سے کہو، تجھے زکام ہو گیا ہے، عبداللہ بن ابی بکر راوی نے کہا میں نہیں جانتا میرے استاذ (والد صاحب) نے تیسری کے بعد یا چوتھی کے بعد، یہ کہا۔

شرح حدیث: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اگر کوئی چھینکے تو اس کا تین مرتبہ تک جواب دو، اگر چوتھی بار چھینکے تو کہدو کہ زکام ہے، جس کی وجہ سے بار بار چھینک آتی ہے، ہر

بار جواب دینے میں حرج ہے، مشکوۃ شریف میں اس سلسلہ میں کئی روایات ہیں، ان تمام روایتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ جب چھینکنے والا الحمدللہ کہے تو تم اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہو، پھر جب مجیب یرحمک اللہ کہے، تو چھینکنے والا یہدیکم اللہ ویصلح بالکم کہے۔

قال عبدالله الخ: عبداللہ بن ابی بکر راوی حدیث کہتے ہیں کہ میرے والد صاحب نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول انت مضنوک تین بار کہنے کے بعد کہا یا چار بار کہنے کے بعد، مجھے یاد نہیں ہے۔

چھینک کا جواب واجب ہے یا سنت؟ : اس بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے، اور کئی اقوال ہیں، (۱) سنت علی الکفایہ، شافعیہ میں امام نووی اور مالکیہ میں سے ایک جماعت اسی کے قائل ہیں۔ (۲) فرض عین: اہل ظاہر، شافعیہ میں سے ایک جماعت اور مالکیہ میں سے ابن مزین اسی کے قائل ہیں۔ (۳) واجب علی الکفایہ احناف اور جمہور حنابلہ اور مالکیہ میں سے ابن عربی اسی کے قائل ہیں، دلائل کے اعتبار سے یہی راجح ہے۔

وجوب کی دلیل : وہ احادیث جن میں امر کا صیغہ وارد ہوا ہے نیز ایک حدیث خمس تجب للمسلم علی المسلم وغیرہ ہے،

چھینکنے کے آداب: (۱) آواز کو حتی المقدور پست کرنا (۲) جواب میں الحمدللہ زور سے کہنا (۳) چھینکتے وقت چہرہ کو (ہاتھ، رومال وغیرہ سے) ڈھانپنا، ترمذی کی حدیث میں ہے عن ابی ہریرةؓ کان النبی علیہ السلام اذا عطس وضع یدہ علی فیه وخفض صوته.

چھینک کا جواب کب واجب ہے؟ : شرح حدیث کے تحت مشکوۃ سے کئی روایات کا خلاصہ ذکر کیا گیا اس میں یہ ہے کہ چھینک کا جواب اسی وقت واجب ہوگا جب چھینکنے والا الحمدللہ کہے، لہذا اگر اس نے الحمدللہ نہیں کہا تو جواب واجب نہ ہوگا۔

☆ کافر کا جواب دینا واجب نہیں البتہ ہدایت کی دعا دینا مستحب ہے،

☆ تین مرتبہ تک جواب دینا واجب ہے، اس کے بعد اختیار ہوگا۔ (تکملہ ص:۲۱۳ ج:۱۰)

(۲) مَالِکٌ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عبدَاللهِ بنَ عمرَ کَانَ اِذَا عَطَسَ فَقِيلَ لَهُ يَرْحَمُکَ اللهُ قَالَ يَرْحَمُنَا اللّٰهُ وَاِيَّاکُم وَيَغْفِرُلَنَا وَلَکُمْ.

ترجمہ: نافع نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب چھینکتے تھے اور انہیں یرحمک اللہ کہا جاتا تو وہ کہتے یرحمنا اللہ وایاکم ویغفرلنا ولکم.

شرح حدیث: اوپر یہ بات گذری جب چھینکنے والا الحمدللہ کہے تو جواب دینا واجب ہے اثر مذکور میں اس کا ذکر نہیں چونکہ سامع کو یہ بات معلوم ہے کہ یہ دعا بغیر الحمدللہ کے نہیں ہوگا، احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ یرحمک اللہ کے جواب میں یھدیکم اللہ کہا جائے، اوران الفاظ سے دعا دینا بھی درست ہے۔

ماجاء فی الصور والتماثیل

تصویر اور مورتیوں کا بیان

الصور: صاد کا ضمہ اور واو کا فتحہ، صورۃ کی جمع، اور تماثیل: تمثال کی جمع، تصویر اور تمثال دونوں ایک ہیں یا الگ الگ اس میں مختلف اقوال ہیں، بعض حضرات دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ دونوں کے مابین فرق ہے، جن حضرات نے فرق کیا ان کی بھی تفسیر الگ الگ ہے۔

(۱) صورت کہتے ہیں کسی بھی جاندار یا غیر جاندار کی تصویر کاغذ یا دیوار وغیرہ پر بنانا، اور تمثال پتھر کا تراشہ ہوا یا تانبے، پیتل وغیرہ کا ڈھالا ہوا مجسمہ جو کسی انسان یا حیوان کی عکاسی کرتا ہو۔

(۲) صورت عام ہے جاندار اور غیر جاندار دونوں کی تصویر کو کہتے ہیں، اور تمثال صرف ذی روح کی تصویر کو کہتے ہیں۔

(۳) جو خود قائم ہو، وہ تمثال، اور جو دوسری چیز کے ساتھ قائم ہو اس کو صورت کہتے ہیں۔

تصویر کا حکم: امام نووی نے لکھا ہے کہ جاندار کی تصویر بنانا حرام ہے، اور وہ گناہ کبیرہ ہے، خلق اللہ کے مشابہ ہونے کی وجہ سے، خواہ کسی غرض سے بنائی گئی ہو، خواہ

دیوار پر بنائی گئی ہو، یا کسی اور جگہ، اور غیر جاندار مثلاً پیڑ پودے کی تصویر سازی یہ مباح ہے، اور جس کپڑے یا کاغذ پر تصویر بنائی گئی ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ یا تو وہ اشیاء ایسی ہیں جن کی تعظیم کی جاتی ہو، یا ان کو سجا کر رکھا جاتا ہو، وہ بھی حرام ہے، اور اگر ایسی چیز پر بنائی گئی ہے جس کو روندا اور ذلیل کیا جاتا ہے، جیسے بستر وغیرہ تو حرام نہیں ہے، ابن العربی فرماتے ہیں کہ اگر تصویر جسم والی ہے، تو بالاتفاق حرام ہے، اور اگر کپڑے، چادر، برتن وغیرہ پر بنی ہوئی ہے، تو اس میں چار قول ہیں۔

(۱) مطلقاً جائز (۲) مطلقا ناجائز، (۳) سر کٹا ہو تو جائز۔ (۴) اگر تعظیم کی غرض سے بنائی گئی ہے تو ناجائز ورنہ جائز۔

(۱) مالکٌ عن اسحقَ بنِ عبدِاللہِ بنِ ابی طلحۃَ انَّ رافعَ بن اسحقَ مولیٰ الشفاءِ اخبرہُ انہ قال دخلتُ انا وعبدُاللہِ بنُ ابی طلحۃَ علی ابی سعیدِ الخدریِ نعودہُ فقال لنا ابو سعیدٍ اخبرنا رسول اللہ ﷺ انَّ الملائکۃَ لا تدخلُ بیتا فیہ تماثیلُ او تصاویرُ یشکُّ اسحقُ لایدرِی ایُّھما قال ابو سعیدٍ.

ترجمہ: رافع ابن اسحاق مولی شفاء نے خبر دی کہ میں اور عبداللہ بن ابوطلحہ ابوسعید خدریؓ کی عیادت کے لئے گیا، تو ابوسعید نے ہم سے کہا کہ ہمیں نبی اکرم ﷺ نے بتلایا فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں مورتیاں یا تصویریں ہوں، اسحاق کو شک ہے کہ ابوسعید نے دونوں میں سے کونسا لفظ کہا۔

والمراد بالتماثیل، الاصنام، والتصاویر، الحیوان:

شرح حدیث: جس گھر میں تصویر ہو، فرشتے اس میں داخل نہیں ہوتے، لفظ ملائکہ عام ہے، یا خاص، علامہ خطابی نے فرمایا جن تصاویر کو رکھنا حرام ہے اگر وہ گھر میں ہوں، تو رحمت کے فرشتے جو بندوں کے لئے استغفار کرتے ہیں، داخل نہیں ہوتے، حفاظت کرنے والے فرشتے، اسی طرح روح قبض کرنے والے فرشتے، مراد نہیں ہیں، وہ ہر جگہ جاتے ہیں، گویا الملائکہ سے خاص ملائکہ مراد ہے، اور امام نووی کے نزدیک ہر قسم کی

تصاویر رکھنے پر، خواہ وہ مباح ہوں، یا غیر مباح، رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے، چونکہ حدیث میں حکم عام ہے، اگلی حدیث میں اس کی مزید وضاحت آرہی ہے۔

(۲) مالکٌ عن ابی النضرِ عن عبیدِ اللہِ بنِ عبداللہ بن عتبۃَ بنِ مسعودٍ انَّہ دخلَ علی ابی طلحۃَ الانصاری یَعُودہٗ قال فوجدَ عندہٗ سہلَ بنَ حُنَیفٍ فدعَا ابو طلحۃَ انسانا فنزعَ نَمطًا من تحتہٖ فقال لہ سہلُ بنُ حنیف لمَ تنزِعُہ قال لِاَنَّ فیہِ تصاویرَ وقد قال فیھا رسولُ اللہ ﷺ ماقد علمتَ فقال سہلٌ اَلم یقُل رسول اللہ ﷺ اِلّا ماکان رَقْمًا فی ثوبٍ قال بلیٰ ولکنہٗ اَطیبُ لنفسِی.

ترجمہ: عبیداللہ بن عبداللہ مسعود حضرت ابوطلحہؓ کی خدمت میں عیادت کے لئے حاضر ہوئے، اس نے کہا کہ ان کے پاس سہل بن حنیف کو پایا، حضرت ابوطلحہ نے کسی کو بلایا (اور اپنا نمدہ نکالنے کا حکم دیا) تو اس نے ان کے نیچے سے نمدہ نکالا تو سہل نے ان سے کہا کہ آپ نے اس کو کیوں نکالا، حضرت ابوطلحہ نے فرمایا کہ اس میں تصویر ہے، اور حضور ﷺ نے اس کے متعلق جو کچھ فرمایا آپ جانتے ہیں، تو سہل نے کہا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے نہیں فرمایا تھا مگر جو کپڑے میں نقش ہو (آپ نے مستثنیٰ فرمایا تھا) حضرت ابوطلحہ نے فرمایا ہاں، مگر میرے جی کو اچھا لگتا ہے۔

لغات: نمطا: نون اور میم کا فتحہ، ایک قسم کا اونی کپڑا، شطرنجی، غالیچہ، جمع انماط، رقما: را کا فتحہ اور کاف کا سکون، منقش یا دھاری دار چادر، جمع ارقام۔

شرح حدیث: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مطلقاً تصویر ممنوع نہیں ہے، بلکہ وہ تصاویر ممنوع ہیں، جن کی تعظیم اور تکریم کی جائے، چنانچہ حضرت سہل نے حضرت ابوطلحہ سے نبی اکرم ﷺ کے اس استثناء کا ذکر کیا جو آپ نے فرمایا تھا کہ جو تصاویر ممتہن اور روندی جاتی ہوں ان کی تعظیم اور تکریم نہ کی جاتی ہو، اس حکم سے علیحدہ ہیں۔ احناف کی یہی رائے ہے، کہ جو تصاویر بستر، دری وغیرہ پر بنی ہوئی ہوں تو ان میں کوئی حرج نہیں، وہ تصاویر ممنوع ہیں جو پردہ پر ہوں یا جن کو نصب کیا جاتا ہو، لہٰذا اوپر والی روایت کو بھی اسی پر محمول کیا جائے گا،

کہ وہ تصاویر جو مباح ہیں، اگر وہ گھروں میں ہیں، تو رحمت کے فرشتے داخل ہوتے ہیں، اور غیر مباح میں داخل نہیں ہوتے، جیسا کہ علامہ خطابی کی رائے ہے، ہاں تقوی یہ ہے کہ کسی قسم کی تصویر نہ ہو، جیسا کہ حضرت ابوطلحہ نے فرمایا کہ میرے نزدیک پسندیدہ یہ ہے کہ میں کسی قسم کی تصویر نہ رکھوں۔

(۳) مالک عن نافع عن القاسمِ بنِ محمدٍ عن عائشةَ زوجِ النبی صلی اللہ علیہ وسلم انَّها اشترَتْ نَمُرُقَةً فیها تصاویرُ فلما راها رسولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قام عَلی الباب ولم یدخُل فَعرفتُ الکراهةَفی وجههِ وقالت یا رسولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم اتوبُ الی اللهِ ورسولِه فماذا اَذْنَبتُ فقال رسول اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم مابالُ هذهِ النَّمُرقَةِ قالت اشتریتُها لک تَقْعُد علیها وتَوَسَّدُهَا فقال رسول اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ اَهلَ هٰذهِ الصُّورِ یُعَذَّبُون یومَ القیامةِ یقال لَهُم اَحْیُوا ماخَلَقْتُم ثم قال اِنَّ البیتَ الذی فیهِ هذه الصورُ لا تدخلهُ الملائکةُ.

ترجمہ: قاسم بن محمد ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے ایک گاؤ تکیہ خریدا جس میں تصویریں تھیں، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پر نگاہ پڑی تو دروازے پر کھڑے رہے، اور اندر داخل نہ ہوئے، حضرت عائشہ نے آپ کے چہرے پر ناگواری کو محسوس کرلیا اور کہا کہ اے اللہ کے رسول! میں اللہ اور اس کے رسول کے سامنے توبہ کرتی ہوں، میں نے کونسی غلطی کی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ گاؤ تکیہ کیسا ہے؟ حضرت عائشہ نے کہا میں نے اس کو آپ کے لئے خریدا ہے آپ اس پر بیٹھیں گے اور اس پر ٹیک لگائیں گے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان تصویروں کے بنانے والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا انہیں کہا جائے گا کہ جو تم نے پیدا کیا تھا اسے زندہ کرو، پھر فرمایا وہ گھر جس میں یہ تصاویر ہوں، اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔

لغت: نمرقة: نون کا فتحہ میم کا سکون اور راء کا ضمہ، اور نون پر تینوں حرکت بھی جائز ہے، جمع نمارق چھوٹا تکیہ، لائن سے لگے ہوئے تکیے۔

شرح حدیث: قام علی الباب فلم یدخل الخ: جس گھر میں تصویر ہو اس میں داخل ہونا حرام نہیں ہے البتہ امر منکر پر نکیر کرنے کی غرض سے داخل نہ ہونا چاہئے، امام ابوحنیفہ اور امام مالکؒ کی یہی رائے ہے، اکثر شوافع کے نزدیک اگر ایسی تصاویر ہیں، جن کی عزت کی جاتی ہے، تو ایسے گھر میں داخل ہونا جائز نہیں، چونکہ اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے، ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کعبہ میں اس وقت داخل ہوئے جب حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی تصویر تھی، نیز ابوداؤد میں ایک حدیث ہے حضرت عمر نے ذمیوں سے معاہدہ کیا کہ اپنے عبادت خانوں کے دروازوں کو کشادہ کرو، تا کہ مسلمان اس میں داخل ہوں، حالانکہ ان کی عبادت گاہوں میں تصاویر ہوتی ہیں، اور فرشتے کا داخل نہ ہونا انسانوں کے دخول کو حرام نہیں کرتا۔ (اوجز ص: ۳۹۵)

ان اھل ھذہ الصور الخ: یہ امر تعجیز کے لئے ہے، کہ ان مصورین کو اللہ تعالیٰ حکم دیں گے کہ جن تصویروں کو تم نے بنایا تھا تم اس میں جان ڈالو، اور جب تک جان نہیں ڈالو گے تو عذاب بھگتتے رہو، اور ظاہر ہے وہ جان ڈال نہیں سکیں گے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مصورین کبھی بھی جان ڈال نہیں سکیں گے تو کیا وہ دائمی اور ابدالا باد سزا بھگتتے رہیں گے، جب کہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک مسلمان خواہ کتنا ہی بڑا گناہ گار کیوں نہ ہو، وہ ایک نہ ایک دن جنت میں ضرور جائے گا، بعض حضرات نے اس کا جواب دیا کہ یہ ان لوگوں کے حق میں ہے جو عبادت اور پرستش کے لئے تصاویر بناتے ہیں، اور ظاہر ہے وہ کافر ہوں گے، دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ بطور وعید ہے، اور اس سے طویل عذاب مراد ہے۔

(اوجز ص:۳۹۶)

ماجاء فی اکل الضب

گوہ کھانے کا بیان

الضب: ضاد کا فتحہ اور با مشدد، ایک مشہور صحرائی جانور جو چھپکلی سے بڑا اور اس سے موٹا اور چوڑا ہوتا ہے، اس کا تیل بھی بنایا جاتا ہے، اور جوڑوں کے درد کا علاج کیا جاتا ہے، یہ بہت قوی اور گرم جانور رہتا ہے، گوہ کھانا جائز ہے یا نہیں یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے۔

گوہ کھانے کے بارے میں ائمہ کا اختلاف:

ائمہ ثلاثہ اسحٰق ابن ابی لیلیٰ سعید بن جبیر اور اصحاب ظواہر کے نزدیک حلال ہے اور امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک مکروہ یا حرام ہے، امام طحاویؒ جواز کے قائل ہیں، حضرت علامہ کشمیری نے عرف الشذی میں تحریر فرمایا ہے جو احناف محدث ہیں، وہ مکروہ تنزیہی کہتے ہیں، اور جو فقہاء ہیں وہ مکروہ تحریمی کہتے ہیں: قال فقهائنا بكراهة تحريمة ومحدثونا بكراهة تنزيهة (حاشیہ ترمذی)

جمہور کے دلائل:

(۱) اس باب میں مختلف روایات ہیں، اور جو صحیح اور اعلیٰ درجہ کی روایت ہے، وہ حلت پر دلالت کرتی ہے، چنانچہ بخاری اور مسلم میں اسی طرح ترمذی اور خود امام مالک نے یہ روایت نقل کی ہے لا اكله ولا احرمه، جب نبی اکرم ﷺ سے گوہ کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا نہ تو میں اس کو کھاتا ہوں اور نہ ہی حرام قرار دیتا ہوں (۲) دوسری دلیل مسلم شریف کی ایک روایت ہے جو حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے اور یہی حدیث مؤطا میں بھی ہے جو آگے آرہی ہے، عن ابن عباسؓ قال دخلت انا وخالد ابن وليد مع رسول الله ﷺ بيت ميمونة فاعطى بضب محنوذ فاهوى اليه رسول

اللہ ﷺ الخ (تفصیل آگے آرہی ہے) یعنی آپ کے پاس گوہ کا گوشت لایا گیا، ازواج مطہرات میں سے کسی نے آواز دیکر کہا، یا رسول اللہ! یہ گوہ کا گوشت ہے آپ نے اپنا ہاتھ اٹھالیا، پھر پوچھا گیا کہ کیا یہ حرام ہے، تو آپ نے فرمایا میں مکہ کا رہنے والا ہوں، اور اس علاقے میں یہ پایا نہیں جاتا، اس لئے میں اس کو ناپسند کرتا ہوں، اسی دسترخوان پر لوگ کھانے لگے، اور آپ نے منع نہیں کیا، اس کے علاوہ بھی احادیث ہیں جو حلت پر دلالت کرتی ہیں۔

احناف کی دلیل: (۱) عن عبدالرحمن ابن شبل ان النبی ﷺ نهی عن اكل الضب (ابوداؤد شریف)

اخرجه ابو دائود بسند حسن فانه من رواية ابن عباس عن ضم ضم عن شريح عن ابی راشد عن عبدالرحمن بن شبل وحديث ابن عباس عن الشاميين قوی وهؤلاء شاميون (اوجز: ص: ۳۹۶)

حافظؒ نے فرمایا اس کی سند حسن ہے، کیونکہ اسماعیل بن عیاش کی شامی اساتذہ سے روایتیں معتبر ہیں۔

(۲) عن ثابت بن وديعه قال كنا مع رسول الله ﷺ فی جيش فاصبنا ضباب قال فشويت منها ضبا فاتيت رسول الله ﷺ فوضعه بين يديه فاخذ عودا فعدبه اصابه ثم قال ان امة من بنی اسرائيل مسخت دوابا فی الارض. (ابوداؤد شریف)

آپ نے گوہ کے متعلق تردد فرمایا کہ یہ بنی اسرائیل کی اس قوم سے ہے جس کو مسخ کردیا گیا تھا یا کچھ اور ہے۔

(۳) طحاوی شریف میں اسی مضمون کی ایک حدیث ہے اس میں ہے کہ بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے جانوروں کی شکل میں مسخ کردیا تھا، مجھے اندیشہ ہے کہ وہ گوہ کی شکل میں ہوں، لہذا ان دونوں کوالت دو یہ بات طے ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے گوہ کبھی نہیں کھائی، اور مختلف موقعوں پر مختلف وجہ بیان فرمائی، مثلاً (۱) کبھی فرمایا ہمارے علاقہ میں گوہ نہیں ہوتی اسلئے مجھے پسند نہیں ہے یہ طبعی کراہت ہے، جس پر حلت وحرمت کا مدار نہیں رکھا جا سکتا۔

(۲) کبھی فرمایا کہ بنی اسرائیل کی ایک قوم اس جانور کی شکل میں مسخ کی گئی اور مسخ

جب بھی ہوتا ہے حرام جانور کی شکل میں ہوتا ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے اس کی صراحت کی ہے، اور مسخ شدہ قوم کی نسل باقی نہیں رہتی، مگر وہ جانور کہ جس کی شکل میں مسخ ہوتا ہے اس کی حرمت پر ضرور دلالت کرتی ہے، (تحفۃ الںعی ص: ۱۳۴ج: ۵)

(۳) کبھی آپ کو گوہ سے گھن آئی اس لئے آپ نے نوش نہیں فرمایا۔

جمہور کی تطبیق: خلاصہ یہ ہے کہ حلت کی روایات صحیح ہیں، ائمہ ثلاثہ نے ان کو لیا اور انہوں نے تمام روایتوں کے درمیان تطبیق اس طرح دی کہ نبی کریم ﷺ نے ابتداء اسلام میں مسخ کے احتمال کی وجہ سے ممانعت فرمائی ہے، اور اس زمانہ میں ہانڈیاں الٹ وانے کا حکم دیا، اور آپ نے توقف کیا، نہ کھایا اور نہ منع کیا، پھر آپ کو جب علم ہوا کہ مسخ شدہ لوگوں کی نسلیں نہیں چلتیں، تو آپ نے اجازت دے دی، لیکن آپ کو طبعی طور پر گھن آتی تھی، لہذا جن کو گھن آئے، نہ کھائیں، ان کے لئے نہ کھانا اولیٰ ہے، اور جن کو گھن نہ آئے، ان کے لئے کھانا حلال ہے۔ (اوجز ص: ۳۹۶)

احناف کی تطبیق: احناف کہتے ہیں کہ آپ نے پہلے اباحت اصلیہ کی بنا پر اجازت دی مگر گھن آنے کی وجہ سے خود نہیں کھائی، پھر آپ کو جواز میں تردد پیدا ہوا، پھر آپ نے اخیر میں اس کی ممانعت کر دی، لہذا وہ حرام ہوگئی، (اوجز ص: ۳۹۶)

احناف نے اپنے اصول کے پیش نظر تطبیق میں دو باتوں کو ملحوظ رکھا، جب مبیح اور محرم روایات میں تعارض ہو جائے تو احناف محرم روایات کو ترجیح دیتے ہیں: لان الترجیح عند اجتماع المحرم والمبیح للمحرم اور یہی احتیاط کا تقاضہ ہے کہ محرم کو ترجیح دی جائے چونکہ ہر حلال کا کھانا ضروری نہیں، البتہ ہر حرام سے بچنا ضروری ہے۔ (۲) طیب، (پاکیزہ) اور خبیث کے سلسلے میں احناف کے نزدیک نبی ﷺ کے ذوق کا اعتبار ہے، اور آپ نے گوہ کبھی نہیں کھائی امت کے لئے بھی یہی بات مناسب ہے، جو آپ نے اپنے لئے پسند فرمائی ہے۔

(۱) مالکٌ عن عبدِالرحمنِ بنِ عبداللہ بن عبدالرحمن بن ابی صَعْصَعَۃَ عَن سُلَیمانِ ابنِ یسارٍ اَنَّہ قال دخل رسول اللہ ﷺ بیت

مَیْمُونَةَ بِنْتِ الحارثِ فاذا ضِبَابٌ فیها بیضٌ ومعه عبدُاللہِ ابنِ عباسٍ وَخالدُ بنِ ولیدٍ فقالَ مِنْ اَینَ لکُم ھَذا فقالَت اَھْدَتہُ لِی اختی ھُزَیْلَۃُ بنتُ الحارثِ فقال عبداللہِ ابنِ عباسٍ وَخالد بن ولید کُلاَ فقالَ اَوَ لاَ تاکلُ انتَ یارسولَ اللہ فقال انی تَحْضُرُنِی مِنَ اللّٰہِ حاضرۃٌ قالت میمونۃُ اَنَسْقیکَ یا رسولَ اللہ مِن لَبَنٍ عندنا فقال نعم فلما شربَ قال مِن اینَ لکم ھذا فقالَت اَھْدَتہُ لِی اختی ھزیلۃ فقال رسول اللہ ﷺ اَرَأیتَکِ جاریتَکِ التی کنت اِسْتَامَرْتِنِی فِی عِتقِھا اعطیھا اختکِ وَصِلِی بِھا رَحِمَکِ تَرعیٰ علیھا فِانَّہ خَیرٌ لکَ.

ترجمہ: سلیمان بن یسار نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ (ام المومنین) حضرت میمونہ بنت حارث کے یہاں تشریف لے گئے، تو وہاں پکا ہوا گوہ جس میں پرندوں کے انڈے تھے، دیکھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عبداللہ بن عباس اور خالد بن ولید بھی تھے، آپ نے فرمایا یہ تمہیں کہاں سے ملے، حضرت میمونہ نے کہا کہ میری بہن ہذیلہ بنت حارث نے مجھے ہدیہ دیا ہے، تو حضور ﷺ نے عبداللہ بن عباس اور خالد بن ولید سے فرمایا تم دونوں کھالو، ان (دونوں) نے کہا یا رسول اللہ آپ تناول نہیں فرمائیں گے؟ آپ نے فرمایا میرے پاس اللہ کے فرشتے آتے ہیں، حضرت میمونہ نے کہا یا رسول اللہ کیا ہم آپ کو دودھ پلائیں، جو ہمارے پاس موجود ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں، جب آپ دودھ پی چکے، تو فرمایا یہ دودھ کہاں سے آیا تھا، حضرت میمونہ نے کہا میری بہن ہذیلہ نے ہدیہ بھیجا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا دیکھوں تمہاری وہ باندی جس کی آزادی کے متعلق تم نے مجھ سے مشورہ طلب کیا تھا، وہ تم اپنی بہن کو دے دو، اور اس کے ذریعہ صلہ رحمی کرو، باندی اس کے جانور چرائے گی، یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔

لغات: ضباب: ضاد کا کسرہ واحد ضب گوہ، ایک چالاک جنگلی جانور جو زمین میں بل بنا کر رہتا ہے، حاضرۃ: مراد اس سے فرشتے ہیں، ضباب فیھا بیض جمع بیضۃ ای فیھا بیض الطائر.

شرح حدیث: ومعه عبدالله بن عباس الخ: حارث کی چار لڑکیاں تھیں، (۱) لبابہ صغریٰ، خالد کی ماں، (۲) لبابہ کبریٰ، ابن عباس کی والدہ جن کی کنیت ام الفضل ہے، تو حضرت میمونہؓ، خالد اور ابن عباس کی حقیقی خالہ ہوئیں۔ (۳) میمونہ (۴) ہذیلہ جن کی کنیت ام حفید ہے۔

انی تحضرنی من الله حاضرة الخ: میرے پاس اللہ کے فرشتے آتے ہیں، اور گوہ کا گوشت بدبودار ہوتا ہے، لہذا میں ان کے ساتھ سرگوشی اور بات کرنے کی وجہ سے یہ بدبودار گوشت نہیں کھا سکتا ہوں۔

ارایتک جاریتک التی الخ: یہ مکارم اخلاق میں سے ہے، جو تمہارے ساتھ صلہ رحمی کرے تم بھی صلہ رحمی کرو، ابن بطال کہتے ہیں غلام کو آزاد کرنے سے بہتر رشتہ دار کو ہدیہ کر دینا ہے، لیکن یہ بات ہر وقت نہیں کبھی آزادی بہتر ہے اور کبھی رشتہ دار کو ہدیہ کرنا، یہ حالات کے پیش نظر مختلف ہوتا ہے۔

باقی گوہ کی حلت اور حرمت کے بارے میں تفصیل گذر چکی اور یہ حدیث حلت پر دلالت نہیں کرتی، ہم اس کو اس زمانہ پر محمول کریں گے، جب آپ کو گوہ کی حلت اور حرمت کے بارے میں تردد تھا بعد میں آپ نے منع کر دیا۔

(۲) مالک عن ابنِ شِهَابٍ عن ابی اُمامةَ بنِ سهيلِ بن حُنيف عن عبدِالله بن عباسٍ عن خالدِ بنِ الوليدِ بن المُغيرةِ اَنّه دخل مع رسولِ اللهِ ﷺ بيتَ ميمونةَ زوجِ النبی ﷺ فاتی بِضبٍّ محنوذٍ فَاهوی اليهِ رسولُ اللهِ ﷺ بِيَدِهِ فقال بعضُ النِسْوَة اللاتی فی بيتِ ميمونةَ اَخبِرُوا رسولَ اللهِ ﷺ بِمَا يُريد اَن ياكلَ منهُ فقيلَ هو ضَبٌّ يا رسولَ اللهِ ﷺ فَرَفَعَ رسولُ اللهِ ﷺ يَدَه فقلتُ اَحرامٌ هو يا رسولَ اللهِ ﷺ فقال لاَ وَلكنه لم يكُن بِارضِ قومِی فَاَجِدُنی اَعافُه قال خالدٌ فَاجتَرَرْتُه فاكلتُه ورسولُ اللهِ ﷺ يَنظُرُ.

ترجمہ: سہیل بن حنیف نے عبداللہ بن عباس سے اور وہ خالد بن ولید بن مغیرہ

سے روایت کرتے ہیں کہ خالد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ام المؤمنین حضرت میمونہ کے گھر گئے، تو ایک بھونی ہوئی گوہ لائی گئی تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا دست مبارک اس کی طرف بڑھایا تو ان عورتوں میں سے کسی نے جو حضرت میمونہ کے گھر میں تھیں، کہا کہ رسول اللہ ﷺ کو بتلا دو، کہ آپ کس چیز کا گوشت کھانے کا ارادہ کر رہے ہیں، تو ان سے کہا گیا یا رسول اللہ! یہ گوہ ہے تو آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ کیا یہ حرام ہے تو آپ نے فرمایا نہیں، مگر یہ میری قوم کی سرزمین (مکہ) میں نہ تھی، میں اس میں گھن محسوس کرتا ہوں، خالد نے کہا میں نے اس کو اپنی طرف کھینچ کر کھایا اور رسول اللہ ﷺ دیکھ رہے تھے۔

لغات: محنوذ: بھونا ہوا، حنذ العجل (س) گائے وغیرہ کے بچے کو آگ یا گرم پتھروں پر رکھ کر بھوننا اعافہ، ہمزہ کا فتحہ مضارع من عفت الشئی ای اکرہ اکله.

۳ مالک عن عبداللهِ بنِ دینارٍ عن عبدِالله بنِ عمرَ انَّ رجلا نادیٰ رسولَ الله ﷺ فقال یا رسولَ الله ماتری فی الضبِ فقال رسول الله ﷺ لستُ باکِلِهِ ولا بِمُحَرِّمِهِ.

ترجمه: حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کو آواز دی (اور پوچھا) پھر کہا یا رسول اللہ آپ کی گوہ کے متعلق کیا رائے ہے؟ (کیا کھایا جاسکتا ہے یا نہیں) تو آپ ﷺ نے فرمایا نہ میں اسے کھاتا ہوں، نہ حرام ٹھہراتا ہوں۔

لغات: اکل، ہمزہ کا مد، (اسم فاعل) بمحرمه، راء کا کسرہ (اسم فاعل) تحریم سے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے باب کے تحت کا مضمون۔

ماجاء فی امر الکلاب
کتوں کے احکام

اس باب میں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ کس قسم کا کتا پالنا جائز ہے اور کس قسم کا نہیں، کتا ایک مشہور جانور ہے جس کی وفاداری کی مثال دی جاتی ہے، یہ نہ چوپایہ ہے، اور نہ درندہ گویا یہ دونوں سے مرکب ہے، اگر یہ مکمل درندہ ہوتا تو لوگوں سے مانوس نہ ہوتا اور اگر مکمل چوپایہ ہوتا تو گوشت نہ کھاتا۔ حضرت شیخ الحدیثؒ نے اوجز میں ایک عجیب صفت لکھی ہے کہ یہ مسلمان کا خون نہیں چاٹتا۔

تین قسم کے کتوں کو پالنا جائز ہے۔ (۱) کلب صید (شکاری کتا) کلب زرع (کھیتی کی حفاظت کرنے والا کتا) کلب ماشیہ (جانوروں کی حفاظت کرنے والا کتا) بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے من اتخذ کلبا الا کلب ماشیة او صید او زرع نقص من عمله کل یوم قیراط (مشکوۃ)

گھروں میں حفاظت کے لئے کتا پالنا:

بعض حضرات کے نزدیک جائز نہیں، چونکہ یہ ان تینوں میں سے نہیں ہے، اور صحیح یہ ہے کہ گھر کی حفاظت کے لئے کتا پالنا جائز ہے، اس کا جواز اگرچہ صراحۃ نص سے ثابت نہیں ہے مگر نص میں ایک علت حفاظت بھی ہے، وہ علت اس میں بھی پائی جاتی ہے۔

دوحدیثوں میں تعارض اور تطبیق:

جو لوگ ان مقاصد کے علاوہ کتا پالتے ہیں اس کے بارے میں احادیث میں سخت

وعید آئی ہے، بعض نے حرام، اور بعض نے مکروہ تحریمی کہا ہے، ایک حدیث میں ہے کہ جوان مقاصد کے علاوہ کتا پالے اس کے عمل کے ثواب میں روزانہ ایک قیراط کم ہوجاتا ہے، اور دوسری حدیث میں دو قیراط کا ذکر آیا ہے، ان دونوں کے مابین مختلف طریقہ سے تطبیق دی گئی ہے۔(۱) جس راوی نے دو قیراط سنا اس کی روایت زائد پر مشتمل ہونے کی وجہ سے راجح ہے، (۲) مکان کے اختلاف سے مختلف ہوسکتا ہے، چنانچہ اگر مدینہ میں کتا پالے تو دو قیراط کے بقدر کم ہوگا، اور دوسری جگہ ایک قیراط۔ (۳) زیادہ مضر ہو تو دو قیراط ورنہ ایک قیراط (مرقات ص:۳۲ ج:۸)

قیراط سے کیا مراد ہے: قیراط سے درہم کا چھٹا حصہ یہاں مراد نہیں بلکہ اللہ کے علم میں ایک متعین مقدار کا ہونا ہے۔

کتوں کے قتل کا حکم: امام نووی نے پاگل اور کاٹنے والے کتے کے قتل پر اجماع نقل کیا ہے، البتہ بے ضرر کتوں کے متعلق اختلاف ہے، امام الحرمین کی رائے یہ ہے کہ حضور ﷺ نے پہلے ہر قسم کے کتوں کو مار ڈالنے کا حکم دیا تھا، پھر یہ حکم منسوخ ہو کر صرف کالا، بھجنگا کے مار ڈالنے کا حکم ہوا؛ لیکن اب ہر قسم کے بے ضرر کتوں کو مار ڈالنا ممنوع ہے، حتی کہ اگر کالا بھجنگا بھی بے ضرر ہو تو مار ڈالنا ممنوع ہے، (مرقات ص:۳۳ ج:۸)

(۱) مالک عن یزیدَ بنِ خُصَیْفَةَ اَنَّ السَّائِبَ بنَ یزیدَ اَخْبَرَہ اَنَّہ سمِعَ سفیانَ بنَ ابی زهیرٍ وهو رجلٌ مِن شَنُوءَ ةَ من اصحابِ رسولِ ﷺ یُحَدِّثُ ناسا معهُ عندَ بابِ المسجد فقال سمعتُ رسولَ الله ﷺ یقولُ مَن اِقْتَنٰی کلبا لَا یُغنِی عنهُ زَرْعا ولَا ضرعًا نقصَ من عملِهٖ کل یومٍ قیراطٌ قال انتَ سمعتَ هذا من رسولِ الله ﷺ فقال اِیْ ورَبِّ هذاالمسجدِ.

ترجمہ: سائب بن یزید نے بتایا، کہ انہوں نے سفیان بن ابی زہیر سے سنا جو قبیلۂ شنوءہ سے ہیں، رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں، وہ مسجد کے دروازے کے پاس کچھ لوگوں کو حدیث سنا رہے تھے، جو ان کے ساتھ تھے، انہوں نے کہا کہ میں نے رسول

اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا، کہ جس شخص نے کتا رکھا جو اس کی کسی کھیتی کی حفاظت کے کام نہ آئے، اور نہ جانوروں کی حفاظت کے کام آئے، تو اس کے عمل سے ہر دن ایک قیراط کم ہوتا رہے گا، سائب نے کہا تم نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، انہوں نے کہا ہاں اس مسجد کے رب کی قسم، (میں نے) سنا ہے۔

لغات: شنوءہ: شین کا فتحہ نون کا ضمہ اس کے بعد واو ساکن، ہمزہ مفتوحہ، اقتنی: حاصل کرنا، کار آمد چیز جمع کرنا، ضـــرع: ضاد کا فتحہ اور راء کا سکون بمعنی تھن، یہاں مراد الماشیہ ہے،

شرح حدیث: نقص من عمله الخ: عمل میں کمی کی وجہ۔(۱) اس کے گھر میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے (۲) اس کتے کے سامنے سے گذرنے والوں کو تکلیف ہوتی ہے، (۳) مالک کی ادنی غفلت سے برتن میں منہ ڈال کر اس کو ناپاک کر دیتا ہے، (۴) غریب مسکین کو بھونک کر بھگا دیتا ہے۔

نقص من عمله الخ: یعنی کتا رکھنے کے زمانہ میں جو عمل کرے گا وہ کامل طور پر نہ ہوگا، کتا رکھنے سے پہلے جو اعمال کیے ان میں کمی نہ ہوگی باقی تفصیل گذر گئی۔

(۲) مالک عن نافعٍ عن عبدِالله بنِ عمرَ اَنَّ رسولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قال مَن اِقتنٰی کلبا ضَارِیا او کلبَ ماشیةٍ نقصَ من عملهٖ کل یومٍ قیراطان.

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کتا رکھا سوائے شکاری کتے کے، یا مویشیوں کی حفاظت کے تو اس کے عمل سے ہر دن دو قیراط کم ہوتا رہے گا۔

لغات: ضارعا: شکاری کتا (س) ضری الکلب بالصید: کتے کا شکار پکڑنے کا عادی ہونا، ماشیة، مویشی، اونٹ، گائے، بکریاں۔ اس کا اکثر اطلاق بھیڑ، بکریوں پر ہوتا ہے، جمع مواش.

۳ مالک عن نافعٍ عن عبدِالله بنِ عمرَ اَنَّ رسولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَمَرَ بقتلِ الکلابِ.

ترجمہ: عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کتوں کو مار ڈالنے کا حکم دیا، (اس کی تفصیل بھی گذر چکی ہے)

فائدہ: کتے کی بیع امام شافعی اور داؤد ظاہری کے نزدیک ناجائز ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کتے کی بیع جائز ہے، اور ایک راویت یہ بھی ہے کہ پاگل کتے کی بیع درست نہیں، مالکیہ کے یہاں اس بارے میں دو قول ہیں، (۱) مطلقا کتے کی بیع ممنوع ہے، (۲) جن کتوں کو پالنا جائز ہے ان کی بیع بھی جائز ہے مگر مکروہ ہے۔

ماجاء فی امر الغنم

بھیڑ، بکریوں کا بیان

غنم: اسم جنس ہے، مذکر مؤنث دونوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، بمعنی بھیڑ، بکری۔

۱ مالکٌ عن ابی الزِّنادِ عن الاعْرَجِ عن ابی هریرةَ اَنَّ رسول اللہ ﷺ قال رَاسُ الکفرِ نحوَ المشرقِ والفَخرُ والخُیلاءُ فی اهلِ الخَیلِ والابلِ اَلفَدَّادِینَ اَهلِ الوَبَرِ والسکینةُ فی اهلِ الغَنَمِ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کفر کی جڑ مشرق کی جانب ہے اور فخر اور تکبر گھوڑوں اور اونٹوں کے مالکوں میں ہے، جو شور مچانے والے ہیں، اور آلات زراعت استعمال کرنے والے ہیں، (دیہاتی، بدو) اور سکون بھیڑ، بکریوں والوں میں ہے،۔

لغات: الفدادین: دال مشدد متکبر، بہت چلانے والا، کاشت کار، واحد فداد مراد اونٹوں کی کثرت ہے، الوبر: اونٹ، اور خرگوش وغیرہ کے نرم بال (اون) جمع اوبار، اهل الوبر دیہاتی، بال کا خیمہ۔

شرح حدیث: مدینہ سے جانب مشرق یا تو نجد یا فارس ہے، (ایران) فارس کے باشندے نہایت متکبر، مغرور، طاقت ور، اور اسلام کے سخت مخالف تھے، ان کے خلاف مسلمانوں

کو بڑی جد وجہد کرنی پڑی، ان میں زندقہ الحاد، اور رفض و باطنیت کے فتنہ اٹھے، جنہوں نے مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی کوشش کی، خسرو پرویز شاہ فارس نے نبی اکرم ﷺ کے نامہ مبارک کو چاک کر دیا تھا، مشرق کی جانب سے ہی بہت سے جان لیوا فتنے اٹھے مثلاً جنگ جمل، جنگ صفین، شہادت حسین اور دجال کا فتنہ بھی اسی جانب سے ہوگا، بہت سے محدثین نے یہاں فتنہ دجال مراد لیا چونکہ اسلام میں اس سے بڑا فتنہ نہ ہوگا اور ہر نبی نے اپنی امت کو دجال کے فتنوں سے ڈرایا، اور احادیث کی رو سے اس کا خروج بھی مشرق کی جانب سے ہوگا۔

والفخر والخیلا: اونٹ اور گھوڑا پالنے والے اس پر بار برداری کرنے والے دوسرے لوگوں کی بہ نسبت سخت مزاج، اکھڑ اور جاہل ہوتے ہیں، جانور کو ہانکتے وقت تیز آواز نکالتے ہیں اور شور کرتے ہیں، دیہاتوں میں جو لوگ کاشت کرتے ہیں اور زمیندار ہوتے ہیں ان میں عموماً تکبر اور بڑائی ہوتی ہے، اور دوسروں کو اپنے سے حقیر جانتے ہیں، ان کے مقابلہ میں بھیڑ، بکریوں والے عام طور پر مفلس کمزور ہوتے ہیں، اور اگر اہل نجد مراد لیں تو اس سے قبیلۂ ربیعہ اور مضر مراد ہیں، جو اونٹوں اور گھوڑوں کے مالک تھے، ان میں تکبر اور بڑائی کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی تھی، انہوں نے اسلام کی شدید مخالفت کی تھی، بعض حضرات نے اہل غنم سے اہل یمن کو مراد لیا ہے، وہ لوگ بھیڑ، بکریوں والے تھے، ان میں تواضع، اور دلوں میں نرمی تھی، اسلام کی طرف جلد مائل ہونے والے تھے۔

(۲) مَالِكٌ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِي صَعْصَعَةَ عَنْ اَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ اَنَّهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُوْشِكُ اَنْ يَكُوْنَ خَيْرَ مَالِ الْمُسْلِمِ غَنَمٌ يَتْبَعُ بِهَا شَعَفَ الْجِبَالِ وَمَوَاقِعَ الْقَطْرِ يَفِرُّ بِدِيْنِهِ مِنَ الْفِتَنِ .

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عنقریب مسلمان کا بہترین مال بھیڑ اور بکریاں ہوں گی جن کو وہ لیے پھرے گا پہاڑوں کی چوٹیوں اور برساتی جگہوں پر وہ اپنے دین کے خاطر فتنوں سے بھاگا پھرے گا۔

لغات: یوشک، شین کا کسرہ، ای قرب، یہ افعال مقاربہ میں سے ہے

،مضارع کا استعمال ماضی سے زیادہ ہے، اور اسم فاعل کا استعمال بہت کم ہے، اور اسکی خبر پر اکثر ان آتا ہے ، یتبع ،تاء مشدد افتعال سے، اور تاء کا سکون (مجرد سے) پیچھے چلنا، اور اتبع ، پیروی کرنا، شعف شین اور عین کا فتحہ ، پہاڑی چوٹی واحد شعفة.

شرح حدیث: آپ ﷺ نے یہ بات بطور پیشین گوئی فرمائی کہ بہت جلد ایک زمانہ آئے گا کہ فتنوں کے غلبہ کی وجہ سے لوگوں کا گاؤں اور شہر میں رہنا دشوار ہو جائے گا آدمی مجبور ہو کر پہاڑوں کی چوٹیوں اور بیابانوں میں ٹھکانا تلاش کرے گا مسلمانوں کے درمیان خانہ جنگی شروع ہو جائے گی گاؤں اور گھر میں رہیں تو ضرور کسی کا ساتھ دینا ہوگا اسلئے آدمی مجبور ہو کر پہاڑوں اور بیابانوں کو اپنا مسکن بنائے گا باقی تفصیل کہ اس وقت بکریاں بہترین مال کیوں ہوگا، باب جامع ما جاء فی الطعام حدیث نمبر (۱۳) کے تحت گزر چکی۔

(۳) مالکٌ عَنْ نافعٍ عَنِ ابنِ عُمرؓ عَنْ رسولِ ﷺ قالَ لا یَحْتَلِبَنَّ اَحَدٌ مَاشِیَةَ اَحَدٍ بِغَیْرِ اِذْنِہٖ اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یُّوْتٰی مَشْرُبَتُہٗ فَتُکْسَرَ خَزَانَتُہٗ فَیُنْقَلَ مِنْہُ طَعَامُہٗ وَاِنَّمَا یَخْزُنُ لَھُمْ ضُرُوْعُ مَوَاشِیْھِمْ اَطْعِمَاتِھِمْ فَلَا یَحْتَلِبَنَّ اَحَدٌ مَاشِیَةَ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِہٖ .

ترجمہ : عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ کوئی کسی کا دودھ والا جانور اس کی اجازت کے بغیر نہ دوہے، کیا تم میں سے کوئی (اس بات کو) پسند کرتا ہے کہ (کوئی دوسرا) اسکے بالا خانہ میں آئے پھر اسکا خزانہ توڑ دیا جائے پھر اس سے اس کا خورد ونوش کا سامان نکال لیا جائے؟ جانوروں کے مالکوں کا خزانہ ان کے مویشیوں کے تھن ہوتے ہیں جن میں ان کے کھانے کا سامان ہے (دودھ) پس کوئی شخص کسی کے جانور کو اس کی اجازت کے بغیر نہ دوہے۔

لغت: مشربة ، میم کا فتحہ اور راء کا ضمہ اور فتحہ بھی، غرفہ، کوٹھری، بالا خانہ۔

شرح حدیث : جس طرح کسی کے گھر سے اس کا مال محفوظ اور کھانے پینے کے سامان کو لینا درست نہیں اسی طرح کسی کی گائے ، بکری، اور دودھ والے جانور کو مالک کی اجازت اور اس کی خوش دلی کے بغیر دوہنا جائز نہیں، بکریوں کے مالکوں کا خزانہ اور کھانے

پینے یعنی دودھ کے محفوظ رہنے کی جگہ بکریوں کے تھن ہیں، البتہ اگر مجبور ہو اور شدید حاجت ہو یا معلوم ہو کہ بکریوں کے مالکوں کو اس سے تکلیف نہ ہوگی بلکہ اس سے وہ خوش ہوگا تو دوہنا درست ہے، امام نووی نے ضرورت اور شدید حاجت کی بناء پر بلا اجازت جانوروں کا دودھ دوہ کر استعمال کرنے کو، اسی طرح باغات کے پھلوں کے کھانے کو جائز قرار دیا ہے مگر بعد میں اس کا تاوان ادا کرنا شوافع اور جمہور کا مذہب قرار دیا ہے، امام محمدؒ نے بھی مؤطا امام محمد میں احناف کا یہی مذہب ذکر کیا ہے۔

قال محمدٌ بهذَا نَاخُذَ لا يَنبَغِي لِرَجُلٍ مَرَّ عَلي مَاشِيَةِ رجل اَنْ يَحْلُبَ مِنْهَا شَيْئًا بِغَيْرِ اَمْرِهَا وَكَذَالِكَ اِنَّ مَرَّ عَلیٰ حائطٍ فِيهِ نَخْلٌ او شجرٌ فيهِ ثمرٍ فلا ياخذن من ذلك شيئا ولا ياكله الا باذن اهله الا ان يضطر الى ذلك فياكل ويشرب ويغرم ذلك لاهله وهو قول ابی حنيفة. (اوجز ص ۴۰۹ ج ۶ ق)

(۴) مالكٌ اَنَّهُ بَلَغَهُ اَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ مَا مِن نَّبِيٍّ اِلَّا وَقَدْرَعٰی غَنَمًا قِيلَ اَنتَ يَا رَسولَ اللهِ ﷺ قَالَ وَاَنَا .

ترجمہ: امام مالک کو یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر نبی نے بکریاں چرائی ہیں، کہا گیا آپ نے بھی؟ فرمایا میں نے بھی۔

شرح حدیث: ہر نبی نے بکریاں چرائیں، چنانچہ دوسری روایت میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا موسیٰؑ نے بکریاں چرائیں، داؤدؑ نے بکریاں چرائیں اور میں نے بھی مقام اجیاد میں بکریاں چرائیں، نبوت سے پہلے انبیاء کرام کے بکریاں چرانے کی علماء نے یہ حکمت بیان کی ہے کہ بھیڑ، بکریاں چرانا ایک مشکل کام ہے یہ جانور ادھر ادھر بھاگتے پھرتے ہیں، ایسی صورت میں ان کا چرواہا بڑے صبر و مشقت سے کام لیتا ہے انبیاء کرامؑ کو بھی آئندہ چل کر چوں کہ ہر قسم کا واسطہ پڑنے والا ہوتا ہے لوگوں کی اذیت پر صبر کرنا انہیں شفقت و محبت سے سمجھانا، جہلاء کی اصلاح کرنا، ایک صبر آزما کام ہے، اسلئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کا ریوڑ انہیں سپرد کرنے سے پہلے جانوروں کے ریوڑ پر انہیں مشق کرائی تا کہ آنے والی مصیبت کے لیے تیار ہو جائیں اور ابھی سے اس کی تمرین ہو جائے۔ (اوجز ۴۱۰ ج ۶)

باب ماجاء فی الفارة تقع فی السمن والبدء بالاکل قبل الصلاة

چوہا گھی میں گر جائے تو کیا حکم ہے؟ اور نماز سے قبل کھانے کا بیان

یہاد و مسئلے ہیں (۱) گھی میں اگر چوہا گر کر مر جائے تو کیا حکم ہے؟ (۲) اگر نماز شروع ہو جائے اور کھانا حاضر ہو تو پہلے کھانا کھائے یا نماز ادا کرے۔

پہلا مسئلہ : گھی اگر سیال ہو تو چوہا گر کر مر جانے سے ناپاک ہو جائے گا اس کا کھانا درست نہیں، پھر اس میں اختلاف ہے کہ اس گھی سے کھانے کے علاوہ اور کوئی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ مثلاً چراغ جلانا، کشتیوں پر ملنا، اس بارے میں اختلاف ہے امام احمدؒ کے نزدیک اس سے کسی بھی طرح کا فائدہ اٹھانا درست نہیں ہے، حدیث میں ہے وان کان مائعا فلاتقربوه ، اور امام مالک اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس سے دوسری طرح کا فائدہ اٹھا سکتے ہیں، مثلاً چراغ جلانا، کشتیوں پر ملنا، مگر اس کا کھانا اور بیچنا ممنوع ہے، امام مالک سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس گھی سے مسجد کا چراغ جلانا جائز نہیں، (مظاہر حق) اس پر اتفاق ہے کہ سیال گھی ناپاک ہو جائے تو اس کا کھانا درست نہیں، لیکن اس کے پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ تو اس کا طریقہ یہ ہے جتنا گھی ہے اس کا ہم وزن پانی ملایا جائے پھر پکایا جائے یہاں تک کہ پانی جل جائے، تین مرتبہ اس طرح کرنے سے وہ پاک ہو جائیگا یہی ہر سیال مثلاً، دودھ، شہد، وغیرہ کا حکم ہے۔

اور اگر جمے ہوئے گھی وغیرہ میں چوہا مر جائے تو اس کو نکال کر پھینک دیا جائے اور جو گھی اس کے اردگرد ہے وہ بھی پھینک دیا جائے باقی گھی پاک ہے۔

دوسرا مسئلہ : اگر وقت تنگ ہو کہ کھانا کھائے تو نماز کا وقت نکل جا سکتا ہے تو ایسی صورت میں نماز میں تاخیر درست نہیں، البتہ اگر جماعت فوت ہونے کا خوف ہو اور کبھی کبھی اس طرح کی صورت ہو تو پہلے کھانا کھائے پھر نماز ادا کرے باقی تفصیل شرح حدیث کے تحت آئیگی انشاءاللہ۔

(۱) مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ اَنَّ اِبنَ عمرَ كانَ يُقَرَّبُ اِلَيهِ عَشَاءُهُ فَيَسْمَعُ قِرَاءَةَ الِامَامِ وَهُوَ فِي البَيتِ فَلاَ يَعْجَلُ عنْ طَعَامٍ حَتّٰى يَقْضِيَ حَاجَتَهُ مِنْهُ.

ترجمہ: نافع سے روایت ہے کہ ابن عمرؓ کے سامنے رات کا کھانا پیش کیا جاتا تھا وہ اپنے گھر میں امام کی قراءت سنتے تو کھانے میں جلدی نہ کرتے یہاں تک کہ اس کھانے سے اپنی حاجت پوری کرتے۔

شرح حدیث: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی احادیث میں امت کو یہ بتایا ہے کہ نماز کے وقت اگر کھانا آجائے تو پہلے کھاؤ پھر نماز پڑھو؛ لیکن وہ تمام احادیث عام حالات میں نہیں ہیں؛ بلکہ ان احادیث کا مدعیٰ یہ ہے کہ شدید بھوک کی حالت میں نماز نہیں پڑھنی چاہئے؛ بلکہ وہ بھوک مٹائے پھر نماز پڑھے: اسلئے کہ اگر شدید بھوک کے وقت نماز پڑھے گا تو نماز کے اندر توجہ کھانے کی طرف رہے گی اور نماز کھانا بن جائے گی، اگر کھانا کھانے کی وجہ سے جماعت فوت ہوجائے تو مضائقہ نہیں: بھوک کی شدت ترک جماعت کے اعذار میں سے ہے۔حدیث کے راوی ابن عمرؓ کا عمل بھی یہ بتلا رہا ہے کہ بھوک کے وقت پہلے کھانا کھالینا چاہئے۔

(۲) مَالِكٌ عَنِ ابنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيدِ اللهِ بنِ عبدِاللهِ بنِ عُتْبَةَ بنِ مَسعودٍ عَنْ عبدِاللهِ بنِ عَباسٍ عَنْ مَيْمُونَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم اَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم سُئِلَ عَنِ الْفَارَةِ تَقَعُ فِي السَّمْنِ فقالَ اِنْزَعُوهَا وَمَا حَوْلَهَا

فَاطُرَحُوهُ .

ترجمہ : حضرت عبداللہ ابن عباس، ام المؤمنین حضرت میمونہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے اس چوہے کے متعلق پوچھا گیا جو گھی میں گر جائے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ چوہے کو اور اس کے ارد گرد گھی کو نکال کر پھینک دو۔

باب ما يتقى من الشوم

نحوست سے پرہیز کرنے کا بیان

شوم: شین کا ضمہ اور واؤ کا سکون، اور ایک لغت ہمزہ کا سکون بھی ہے، تخفیفاً ہمزہ کو حذف کر کے واؤ کے ساتھ پڑھنا عام ہے، بمعنی نحوست بے برکتی۔

کیا اشیاء میں نحوست پائی جاتی ہے؟

نحوست کے وجود و عدم اور عموم و خصوص کے بارے میں مختلف اقوال ہیں اس باب کے عنوان اور اس میں وارد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مالکؒ اس کے وجود کے قائل تھے اور انہوں نے ان روایات کو ابن قتیبہ کی مانند ظاہر پر محمول کیا ہے، مگر ظاہر بات ہے کہ اہل جاہلیت جس طرح اشیاء میں بالذات نحوست اور اشیاء کے مؤثر بالذات ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے، یہ اسلام کے عقیدہ کے خلاف ہے، ہاں اللہ تعالیٰ مؤثر بالذات اور مسبب الاسباب ہے اور بعض اشیاء کو بعض دفعہ نفع یا ضرر کا سبب بنا دیتا ہے اسی طرح امام مالکؒ کے قول کی تاویل کی جائے گی چنانچہ ابن العربی نے فرمایا کہ عام طور پر لوگ حدیث میں وارد اشیاء کو نحوست سمجھتے ہیں حالانکہ کسی بھی چیز میں بالذات نحوست نہیں ہے؛ بلکہ حقیقت میں مؤثر بالذات اللہ ہے اور امام مالک کی بھی مراد یہی ہے باقی تفصیل شرح حدیث کے تحت آئے گی۔ (تکملہ ج ۱۰ ص ۳۳۲ / اوجز ۴/۱۴۱)

(۱) مَالِكٌ عَنْ اَبِي حَازِمِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ اَبِي سَهْلِ بْنِ سَعْدِ

السَّاعِدِيِّ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنْ كَانَ فَفِي الْفَرَسِ وَالْمَرْءَةِ وَالمَسكَنِ يَعنِي الشُّوْمَ .

ترجمه: حضرت ابوسہل بن سعد الساعدی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ اگر نحوست ہوتی تو گھوڑے، عورت اور مکان میں ہوتی۔

(۲) مَالِكٌ عَنِ ابنِ شِهَابٍ عَنْ حَمْزَةَ وَسَالِمِ اِبْنَيْ عبدِاللهِ بنِ عُمَرَ عَنْ عبدِاللهِ بنِ عُمَرَ اَنَّ رَسولَ اللهِ ﷺ قَالَ الشُّوْمُ فِي الدَّارِ وَالمَرْءَةِ وَالفَرَسِ.

ترجمه: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نحوست گھر، عورت اور گھوڑے میں ہے۔

(۳) مَالِكٌ عَنْ يَحيىٰ بنِ سَعِيدٍ اَنَّهُ قَالَ جَاءَتْ اِمرَأَةٌ اِلىٰ رَسولِ اللّٰهِ ﷺ فقالتْ يَا رَسولَ اللهِ ﷺ دَارٌ سَكَنَّاهَا وَالْعَدَدُ كَثِيرٌ وَالمالُ وَافِرٌ فَقَلَّ الْعَدَدُ وَذَهَبَ المالُ فقالَ رَسولُ اللهِ ﷺ دَعُوهَا ذَمِيمَةً .

ترجمه: حضرت یحیٰ بن سعید نے فرمایا کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئی اور کہنے لگی کہ یارسول اللہ ﷺ ہم ایک گھر میں رہے تو (ہماری) تعداد بہت زیادہ اور مال وافر مقدار میں تھا پھر تعداد کم ہوگئی اور مال ختم ہوگیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا اس کو مذموم سمجھ کر چھوڑ دو۔

شرح احادیث: اس باب میں تین احادیث ذکر کی گئی ہیں اور ایک حدیث دوسری حدیث کی شرح ہوتی ہے، پہلی حدیث میں کلام علی سبیل الفرض ہے اور دوسری حدیث میں کہا گیا کہ نحوست تین چیزوں میں ہے اور تیسری حدیث میں آنے والی عورت کے وہم کو دور کیا ہے کہ اگر تم یہ سمجھتی ہو کہ پہلے گھر میں خوشحالی تھی اور گھر بدلنے کے بعد اس گھر میں تنگ حالی ہے تو اسے چھوڑ دو آپ ﷺ نے اس عورت کے وہم کا ازالہ فرمایا اور سمجھایا کہ تمہاری بدحالی میں مکان کا کوئی دخل نہیں ہے ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے لیکن تم اسے چھوڑ دو، مبادا تمہارا عقیدہ بگڑ جائے ماقبل میں ایک حدیث گزری، لا عدوی ولا

طیرۃ الخ ،ایک بیماری دوسرے کونہیں لگتی، بدشگونی کوئی چیز نہیں ہے،اور یہاں حدیث میں ہے کہ نحوست تین چیزوں میں ہے،عورت، گھر،اور گھوڑے میں، اب سوال یہ ہے دونوں میں کیا فرق ہے،اس کا جواب یہ ہے کہ بدشگونی یہ ہے کہ کسی چیز کو مؤثر بالذات سمجھ لینا یعنی کسی چیز کی ذات ایسی ہو کہ اس سے کام خراب ہو جائے جیسے الو گھر پر بیٹھ جائے تو گھر برباد ہو جاتا ہے اسلام میں یہ عقیدہ باطل ہے البتہ شوم بمعنی، نامبارک ہونا، ناموافق ہونا، یہ ممکن ہے جن چیزوں کے ساتھ طویل مزاولت ہوتی ہے ان میں موافقت اور ناموافقت کا خیال رکھنا ضروری ہے، اگر ان میں کوئی چیز ناموافق ہوگئی تو عمر بھر مصیبت بن جائے گی چنانچہ اس اعتبار سے گھر میں نحوست کا معنی گھر کا تنگ ہونا، گھر کا خراب ہونا، گھر کے پڑوسی کا برا ہونا، وغیرہ وغیرہ، یہ گھر کے لیے مصیبت ہے،عورت میں نحوست کا معنی ہوگا عورت کا نیک صالح اور سیرت وصورت کا اچھا نہ ہونا، میاں بیوی کا ایک دوسرے کے مزاج سے ہم آہنگ نہ ہونا یہ مصیبت ہے، اسی طرح گھوڑا اور سواری میں نحوست کا معنی ہوگا، گھوڑے کا خراب ہونا، مثلاً سواری کے قابل نہ ہونا، آدمی جلدی گھوڑا بدل نہیں سکتا۔

گویا نحوست کے دو معنی ہوئے ایک حقیقی یعنی کسی کی ذات کا منحوس ہونا، دوسرا مجازی ناموافق اور نامبارک ہونا، دوسرے معنی کے اعتبار سے بعض چیزوں میں نحوست تسلیم کی گئی ہے۔

باب مایکرہ من الاسماء

ناپسندیدہ ناموں کا بیان

اسلام نے اچھے نام رکھنے کا حکم دیا ہے حضور ﷺ ناپسندیدہ ناموں کو بدل دیتے تھے ابوداؤد کی روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا تمہیں قیامت کے دن تمہارے ناموں اور تمہارے آباء واجداد کے ناموں کے ساتھ پکارا جائے گا پس تم اچھے نام رکھا کرو۔

آپ ﷺ ناپسندیدہ ناموں کو بدل دیتے تھے اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ اچھا نام رکھیں، اللہ کے ذاتی اور صفاتی ناموں میں سے کوئی نام جس کی طرف لفظ عبد کی نسبت ہو،

انبیاء، صحابہ، صلحاء کا نام، یا وہ جس کے معنی درست ہو۔

(۱) مالکٌ عَنْ یَحْیی بِنْ سَعیدٍ اَنَّ رسولَ اللهِ ﷺ قالَ لِلَقْحَةٍ تُحْلَبُ مَن یَّحلُبُ هٰذِهٖ فقامَ رَجلٌ فقالَ لَهٗ رسولُ اللهِ ﷺ مَااسْمکَ فقالَ الرَّجُلُ مُرَّةُ فقالَ لَهٗ رَسولُ اللهِ ﷺ اِجْلِسْ ثُمَّ قالَ مَن یَّحلُبُ هٰذِهٖ فقامَ رجلٌ فقالَ رسولُ اللهِ ﷺ مَا اسْمکَ فقالَ لَهٗ حَرْبٌ فقالَ لَهٗ رسولَ اللهِ ﷺ اِجْلِسْ ثُمَّ قالَ مَن یَّحلُبُ هٰذِهٖ فقامَ رَجلٌ فقالَ لَهٗ رسولَ اللهِ ﷺ مَااسْمُکَ قالَ یَعِیْشُ فقالَ لهٗ رسولَ اللهِ ﷺ اُحْلُبْ.

ترجمہ: یحی بن سعید سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس دودھ والی اونٹنی کو کون دوہے گا؟ تو ایک شخص اٹھا تو آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ تیرا نام کیا ہے اس آدمی نے کہا مرہ (کڑوا) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیٹھ جا پھر فرمایا اس اونٹنی کو کون دوہے گا؟ پھر ایک شخص اٹھا اس سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تیرا نام کیا ہے؟ تو اس نے آپ سے فرمایا، حرب (جنگ) اس سے آپ نے فرمایا بیٹھ جا، پھر فرمایا اس کو کون دوہے گا؟ تو ایک شخص اٹھا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تیرا کیا نام ہے تو اس نے کہا یعیش (زندگی والا) آپ ﷺ نے فرمایا تو دوہ۔

شرح حدیث: اچھے نام اور اچھی بات سن کر طبیعت میں سرور اور انبساط پیدا ہوتا ہے اسی طرح برا نام اور بری بات سن کر طبیعت میں انقباض (گھٹن) پیدا ہوتا ہے اور جی چاہتا ہے کہ اس نام کو نہ سنا جائے، یہ بات نہ ہوتی۔ یہی وہ چیز ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اچھی فال خوش کرتی تھی وہ اچھے ناموں کو سننا پسند کرتے تھے، وہ فال اور بدشگونی مراد نہیں لیتے تھے جو زمانۂ جاہلیت کے جاہل اور احمق مراد لیتے تھے، لہذا بدشگونی اور نیک فال کے درمیان فرق یہ ہوا کہ بدشگونی میں یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ یہی چیزیں مؤثر بالذات ہے اور نیک فال میں صرف پسندیدگی کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ (اوجز ۴۲۰)

(۲) مالکٌ عَنْ یَحْیی بِنِ سَعیدٍ اَنَّ عمرَ بنَ الْخَطَّابؓ قالَ لِرَجلٍ مَااسْمُکَ فقالَ جَمْرَةُ قالَ اِبْنُ مَنْ قالَ اِبْنُ شِهَابٍ قالَ مِمَّنْ قالَ مِنَ

الْحُرَقَةِ قَالَ اَيْنَ مَسْكَنُكَ قَالَ بِحَرَّةِ نَارٍ قَالَ بِاَيِّهَا قَالَ بِذَاتِ لَظًى لَذَا فَقَالَ اَدْرِكْ اَهْلَكَ فَقَدِ احْتَرَقُوا قَالَ فَكَانَ كَمَا قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ۔

ترجمہ: یحیٰ بن سعید سے روایت ہے کہ عمر بن خطابؓ نے ایک آدمی سے کہا تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا جمرہ (انگارہ) تو آپ نے فرمایا، کس کا بیٹا ہے؟ تو کہا، شہاب (شعلہ) کا بیٹا، تو پوچھا کس قبیلے سے؟ کہا حرقہ سے (جلنا) حضرت عمر نے کہا تیرا گھر کہاں ہے، اس نے کہا حرۃ النار میں، تو فرمایا وہاں کس علاقہ میں؟ اس نے کہا ذات لظی (بھڑکتی آگ کی جگہ) میں، حضرت نے عمرؓ فرمایا اپنے گھر والوں کے پاس جا! وہ لوگ جل گئے ہیں یحیٰ بن سعید نے کہا ویسا ہی ہوا جیسا حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

شرح حدیث: حضرت عمرؓ کی زبان سے جو بات نکلی اللہ نے اسے سچ کر دیا چونکہ اس کا اور اس کے والد اور علاقہ کا نام آگ کے معنی پر مشتمل تھا تو آپ کی زبان سے بھی بے ساختہ تفاؤل کے طور پر نکل گیا اور یہ بطور الہام تھا۔ (اوجزص ۴۲۱)

ختم شد

الحمد للہ یہاں تک دار العلوم دیو بند کا نصاب مکمل ہوا، ناظرین کی خدمت میں اس حقیقت کے اعتراف کے ساتھ پیش ہے۔

سپردم بتو مایۂ خویش را
تو دانی حساب کم وبیش را

محمد ذاکر حسین پرولیاوی
دار العلوم دیو بند
یکم شعبان المعظم ۱۴۴۱ھ

وماتوفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

اللھم اغفرلی ولوالدی ولاساتذتی والمؤمنین والمومنات۔